طلباء کے لئے ایک نادر علمی تحفہ

مفتاح النجاح

حل سوالات

(جلد ثانی)

تالیف و ترتیب

مفتی محمد عبد القوی پیر قادری

ایم فل، ایل ایل ایم شہادۃ القانون والفقہ الاسلامی (مدینہ یونیورسٹی)

نام کتاب..................مفتاح النجاح
جلد..................دوم
نام مولف...محدث العصر مفتی محمد عبدالقوی
تعداد طباعت..............2100 (اکیس صد)
طباعت..................بار ہفتم
سن طباعت..........ماہ شوال سن ۱۴۲۲ھ

ہول سیل ڈیلر

مکتبہ رحمانیہ

۱۸-اردو بازار لاہور

ہماری کتب لینے کے پتے

پاکستان میں :-

مکتبہ دار العلوم ۔ قدیر آباد ۔ ملتان
کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
مکتبہ اسحاقیہ ، جونا مارکیٹ ۔ کراچی ۲
ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۔ گنج بخش روڈ لاہور
اسلامی کتب خانہ ، علامہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی
کتب خانہ حاجی نیاز احمد صاحب ۔ اندرون بوہڑ گیٹ ۔ ملتان
مکتبہ شرکت علمیہ ۔ بیرون بوہڑ گیٹ ۔ ملتان
غزنوی کتاب گھر متصل جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی ۲۵
قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ ۔ کراچی ۱
دینی کتب خانہ ۔ بالاکنڈر روڈ ۔ شیر گڑھ مردان
ادارہ تالیفات اشرفیہ ۔ بوہڑ گیٹ ۔ ملتان
فاروقی کتب خانہ ۔ " " "
کتب خانہ حاجی مشتاق ۔ اندرون بوہڑ گیٹ ملتان
کتب خانہ حاجی غلام نبی " " "
کتب خانہ صدیقیہ اکوڑہ خٹک
کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انڈیا میں :-

۱۔ مکتبہ دار العلوم ، دیوبند ۔ یوپی ۔ بھارت
۲۔ مکتبہ رضائے مصطفے ، بریلی ۔ بھارت
مکتبہ امدادیہ ، سہارن پور ۔ یوپی ۔ بھارت

بنگلہ دیش میں :-

۱۔ کتب خانہ امدادیہ ، چوک بازار ۔ ڈھاکہ
۲۔ الجامعہ الاسلامیہ ، پوٹیا ۔ چٹاگانگ

سعودی عرب :-

۱۔ مکتبہ امدادیہ ۔ باب العمرہ ۔ مکۃ مکرمہ
۲۔ مکتبہ الحجاز ۔ باب المجیدی ۔ مدینہ منورہ

انگلینڈ میں :-

۱۔ دار العلوم العربیہ الاسلامیہ ،
ہولکمب بری ۔ انگلینڈ
۲۔ مولانا مفتی محمد اسلم ۔ رادھرم مسجد
چیپل واک ۔ الیس پارک ، انگلینڈ
۳۔ بھائی محمد اشرف کشمیری ساؤتھ ہال مسجد ، لندن
۴۔ بالم مسجد ۔ لندن

مبادیات

حالات حضراتِ ائمہ

۱۔ کتاب الوحی

۲۔ کتاب الایمان

كتاب العلم

كتاب الوضوء

كتاب الطهارة

كتاب الغسل

كتاب الحيض

كتاب التيمم

كتاب الصلوٰة

ہول سیل ڈیلر
مکتبہ رحمانیہ ۱۸- اردو بازار لاہور

حضرت مؤلف کے حالاتِ زندگی

صاحبزادہ مفتی محمد عبدالقوی صاحب شب جمعہ ۲۷ ذوالحجہ سن ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ شیخ المشائخ خواجہ مفتی محمد عبدالقدوس صاحب پیر ملتانی (جد امجد حضرت مولف موصوف) نے تاریخی نام "نور خورشید" اور "غلام قادر" نکالے۔

حضرت مولف چار سال چار ماہ کے ہوئے تو امام الطائفہ حضرت خواجہ حافظ جمال اللہ محدث ملتانی کے مزار اقدس کے پہلو میں نورانی قاعدہ کا آغاز کیا اور دار العلوم کے شعبہ حفظ و تجوید سے منسلک رہ کر پانچ سال میں حفظ قرآن مع تجوید مکمل کیا حضرت مولف کا خاندان چونکہ تیئس (۲۳) پشتوں سے حافظ قرآن رعالم حدیث و فقہ اور مصلح ملت اسلامیہ چلا آرہا ہے اس لئے حضرت مولف نے اپنے ہی خاندان کے مشائخ اور اکابر سے درس نظامی کی اکثر و بیشتر کتب پڑھیں ابتدائی دو (۲) سال میں فارسی کی معروف اصلاحی اور اخلاقی کتب پڑھنے کے بعد تیسرے سال ملتان بورڈ میں فاضل فارسی کا امتحان دیا اور جنوبی پنجاب میں دوسری پوزیشن حاصل کی جس وقت کہ حضرت مولف موصوف کی عمر ابھی تیرہ (۱۳) برس تھی۔

حضرت مولف نے عربی کتب کا آغاز امام المعقول و المنقول محدث ہند فقیہ اعظم حضرت مولانا عبدالعزیز پرھاروی (مولف نبراس و کتب فلکیات) کی مزار پر انوار کے سرہانے جانب بیٹھ کر اپنے جد امجد شیخ المشائخ خواجہ مفتی محمد عبدالقدوس پیر ملتانی سے کیا۔ پانچ سال کے تعلیمی و تادیبی دورانیہ میں موقوف علیہ تک کی کتب کو دار العلوم عبیدیہ کے اساتذہ اور اپنے خاندان کے مقتدر اہل علم اور پر مغز فقہا اور محدثین سے پڑھا۔

بعد ازیں فنون کی کتب عالیہ عرصہ تین سال تک مدرسہ قاسم العلوم اور جامعہ خیر المدارس ملتان میں پڑھیں ہر سال سہ ماہی رششماہی اور سالانہ امتحانات میں تمام طلباء سے زیادہ نمبر لے کر ملتان کے معروف علماء کرام سے انعامات جلیلہ سے سرفراز ہوئے۔ دورہ حدیث شریف آغاز سال میں جامعہ خیر المدارس ملتان اور بعد میں بفرمان مولانا مفتی محمود صاحب (ناظم عمومی جمعیت علماء اسلام پاکستان) مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں پڑھا۔ شہادہ العالمیہ (ایم اے عربی و علوم اسلامیہ) میں نمایاں حیثیت حاصل کر کے پورے پنجاب میں اول آئے اور انعام و اکرام کے مستحق ٹھہرے۔

فارغ التحصیل ہوتے ہی محترم صاحبزادہ صاحب قاضی کورس میں شرکت کے لئے فیصل آباد تشریف لے گئے یہ کورس زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں حکومت پاکستان اور حکومت سعودی عرب کے باہمی اشتراک سے شروع ہوا تھا اس قاضی کورس میں درخواست دہندہ علماء روکلاء اور پروفیسرز حضرات کی تعداد چار سو اسی (480) کے لگ بھگ تھی۔ شفوی امتحان کے بعد (۷۱) افراد کا انتخاب عمل میں لایا گیا پانچ ماہ کی اس ٹرینگ کے دورانیہ میں تین امتحانات ہوئے جس

کے نتیجے میں اکتیس (۳۱) فاضل منتخب کیے گئے جنہیں مزید تعلیم کے لئے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (مدینہ یونیورسٹی) بھیجنے کا انتظام کیا گیا تھا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب ان تمام امتحانات میں پہلی یا دوسری حیثیت حاصل کر کے نمایاں رہے مدینہ منورہ یونیورسٹی میں مصر / اردن / سعودی عرب اور برصغیر پاک و ہند کے معروف مفکرین اور سکالرز نے تین ماہ تک تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ تقسیم اسناد اور تقسیم انعامات کے لئے مدینہ منورہ کے گورنر امیر عبدالمجید آل سعود تشریف لائے اور اس تقریب کے مہمان خصوصی حرم نبوی شریف کے امام / مدینہ طیبہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس محترم شیخ عبداللہ الزاحم تھے۔

حضرت مولف موصوف بہت سے بزرگوں کی دعوات صالحہ کے مرکز رہے اور ان کی مبشرات کا حاصل۔ برصغیر کے معروف خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاری دارالعلوم میں حضرات مشائخ ملتان کی ملاقات و زیارت کے لئے بکثرت تشریف لایا کرتے تھے۔ جب ابھی حضرت صاحبزادہ صاحب کی عمر تین (۳) سال کے لگ بھگ تھی ایک دفعہ حضرت امیر شریعت سید السادات سید پیر مبارک شاہ صاحب بغدادی کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کو کافی دیر تک اپنی گود میں بٹھا کر ماتھے کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا:

اس بچہ کی آنکھ مجھے ایک مدبر اور ایک فقیہ کی آنکھ محسوس ہو رہی ہے یہ بچہ اپنے زمانہ کا عظیم محدث و فقیہ بنے گا۔

سید السادات حضرت پیر مبارک شاہ صاحب بغدادی بھی اکثر اسی طرح کے جذبات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ نوید سناتے کہ حضرت صاحب زادہ صاحب میرے اولوالعزم مشائخ کے علم و حکمت کا عکس جمیل ثابت ہوں گے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے عظیم رہنما مولانا تاج محمود فیصل آبادی جو اس مجلس ممتحنہ کے ایک رکن تھے جو قاضی کورس کے امیدواران سے شفوی امتحان لے رہی تھے نے فرمایا: کہ میں نے دوران امتحان ہی اس نوجوان کو پرکھ لیا تھا یہ جوہر قابل ہے خدا اس کی عمر دراز فرمائے اور دین حنیف کی علمی / فقہی اور محدثانہ خدمات کے لئے اسے منتخب فرمائے۔

حضرت مولف موصوف نے دینی استعدادات کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں بھی نمایاں حیثیات حاصل کی ہیں 1982ء سے 1984ء تک کے دو (۲) سالہ دورانیہ میں میٹرک / ایف اے اور بی اے کا امتحان اعلی نمبروں میں پاس کیا۔

1985ء سے 1990ء تک کا زمانہ حضرت مولف موصوف کے علمی / اصلاحی / تحقیقی اور مطالعاتی سفر کا ہے۔ ان پانچ سالوں میں ممالک اسلامیہ اور براعظم یورپ / افریقہ اور امریکہ کے ممالک کا متعدد بار سفر پیش آیا مملکت سعودیہ کے فرمانروا خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد کی دعوت پر ۱۴۰۸ھ اور ۱۴۱۱ھ کو شاہی اعزازات و اکرامات کے تحت حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ اسلامی امہ کے مقتدر علماء کرام اور مذہبی مفکرین کی انٹرنیشنل تنظیم "رابطہ العالم الاسلامی" کی دعوت پر دنیا بھر میں منعقدہ کئی اسلامی اور مذہبی کانفرنسوں میں حاضری اور مقالہ بیانی کی سعادت میسر رہی۔

ایران اور عراق کی باہمی غیر نتیجہ خیز خون ریز جنگ کے زمانہ میں عراق کے حکمران جناب صدام حسین کی ضیافت پر بغداد شریف میں دو مرتبہ انٹرنیشنل اسلامک کانفرس میں شرکت کا موقع ملا۔

وزارت تعلیم مصر، جامعہ الازہر مصر، وزارت اوقاف اردن، وزارت اوقاف کویت، وزارت اوقاف متحدہ عرب امارات کی جانب سے مہمان نوازی کا شرف کئی بار میسر آیا۔

ترقی یافتہ ممالک میں سے انگلستان، ناروے، سویڈن، ڈنمارک، بلجیئم، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، کنیڈا اور جنوبی افریقہ میں منعقدہ متعدد دینی اور تحقیقی انٹرنیشنل کانفرنسوں میں شرکت کے ساتھ ساتھ وہاں رہنے والے ایشینز اور اہل عرب علماء اور مذہبی سکالرز سے ملاقات و زیارت کا تسلسل بحمد اللہ تاحال جاری ہے۔

آج کے اس مشینری دور میں انسان نے اپنے نقطہ نظر کو عام کرنے کے لئے جہاں تصانیف کتب اور اخبارات و رسائل کے اجراء کا سہارا لیا ہوا ہے وہاں ریڈیو اور ٹیلیویژن کا اپنا ایک خاص مقام ہے چنانچہ علماء کرام نے ان ہر دو قومی ذریعہ ابلاغ میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ حضرت مولف موصوف اس سلسلے میں بھی پیش پیش رہے ہیں ریڈیو پاکستان ملتان، پاکستان ٹیلی ویژن، انڈیا کے معروف ٹیلی ویژن سٹیشنز زی ٹی وی اور دور درشن، بی بی سی اور عالم عرب کے مختلف ذرائع ابلاغ حضرت مولف موصوف کے کئی انٹرویوز تقاریر اور تبصرے نشر کر چکے ہیں اور اہل نظر اصحاب ذوق حضرات سے بھر پور انداز میں داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

محترم صاحبزادہ صاحب جام شورو یونیورسٹی حیدر آباد (سندھ) کے شعبہ پی ایچ ڈی میں داخل ہیں ایم فل کا مرحلہ مکمل کر لینے کے بعد ان دنوں ایک تحقیقی مقالہ بعنوان "امام ترمذی کے اساتذہ کی محدثانہ اور فقیہانہ خدمات" کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہیں نیز حضرت مولف موصوف نے سابقہ سال معروف عارف و صاحب کشف شخصیت حضرت سیدنا موسیٰ پاک شہید گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت وقیع اور معروف نصابی تالیف " تیسیر الشاغلین " کی عربی عبارات کی تعریب و تدوین فرمائی جو تقریباً چار سو (400) صفحات پر مشتمل ہے اور ملتان کے ایک معروف اشاعتی ادارے کی جانب سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے

پاکستان اور عالم عرب کے معروف اخبارات اور جرائد میں حضرت مولف موصوف کے مضامین اور مقالات عموماً طبع ہوتے رہتے ہیں جن کی تعداد پچاس (50) سے زائد ہے یہ تمام تحقیقی مقالات " مقالات المفتی " کے نام سے زیر طبع ہیں۔

حضرت مولف موصوف نے جہاں تعلیمی، تدریسی، تالیفی اور تحقیقی میدان میں بحمد اللہ نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں وہاں سیاسی، سماجی اور اصلاحی میادین میں اپنا ایک خاص مقام پیدا کیا ہے۔ آپ تحریک ملت اسلامیہ پاکستان کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ مجلس علماء پاکستان کی صوبائی نظامت اعلیٰ پر فائز ہیں ملک بھر میں قیام امن کے لئے آپ کی خدمات کے پیش نظر

حضرت مولف موصوف صوبائی امن کمیٹی حکومت پنجاب ر اتحاد بین المسلمین کمیٹی حکومت پنجاب ر ملی یکجہتی کونسل ضلع ملتان کے ممبر ہیں

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند اور دیگر تمام ممالک اسلامیہ میں اسلام بطور دین رحمت حضرات اولیاء کرام اور مقتدر مشائخ عظام کے ذریعے متعارف ہوا ہے انہیں مصلحین امت اور عارفین شریعت کی روحانی ر اصلاحی ر فکری اور انقلابی تعلیمات کو عام اور رائج کرنے کے لئے ایک انٹرنیشنل ادارہ بنام "نشاہ ثانیہ اکیڈمی" حضرت مولف موصوف کی زیر سرپرستی سرگرم عمل ہے۔ اور اس کے بانی و موسس محترم جناب کرنل محمد امان اللہ خان صاحب ہیں جو اخلاص و عمل کی ایک عمدہ تصویر ہیں۔ اس ادارہ کا مرکزی دفتر اسلام آباد اور برمنگھم (انگلستان) میں قائم ہے یہ اکیڈمی ان زندہ دلان قوم اور انقلاب آفرین افراد کی زیر نگرانی کام کر رہی ہے جو پاکستان اور عالم اسلام کو فرقہ واریت کی سیاہ رات اور فرقہ واریت زدہ علماء اور عوام کو نفرت و تعصب کے بھنور سے نکال کر امت مرحومہ کو خالص مسلمان بنانا چاہتے ہیں جس اخلاص اور مثالی جذبات سے اس تحریک نے مثبت عمل کا آغاز کیا ہے انشاء اللہ العزیز یہ تحریک اسلام کے نشاہ ثانیہ کا نکتہ آغاز ثابت ہوگی اس عظیم انقلابی تحریک میں حضرت مولف موصوف کے معاون پاکستان کی بہادر اور دلیر افواج کے سابق عسکری افیسران ر پاکستان کے منصف مزاج عدالت عالیہ کے سابق جج اور پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کے سابق اور موجودہ ممبران ہیں جو امت مرحومہ کے داخلی اور خارجی انتشار اور مذہبی فرقہ وارانہ سوچ کو امت محمدیہ کے لئے ایک پر خطر ناسور سمجھتے ہوئے اخلاص و جذبہ وحدت کے تحت سرگرم عمل ہیں یقیناً یہ تحریک مستقبل میں اچھے نتائج کی حامل ہوگی

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالی حضرت مولف کے علم و عمل ر فکر و نظر اور تحقیق و تالیف میں مزید ترقی اور برکت عطا فرمائیں (آمین)

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فاضل مولف کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی بجائے اس مضمون کو یہیں ختم کرتا ہوں کہ ہر قاری حضرت مولف کی ذہانت اور نکتہ رسی کا اندازہ زیر نظر علمی کاوشوں سے بخوبی لگا سکتا ہے

دعا ہے کہ اللہ رب العالمین خاندان عبیدیہ رحمانیہ کو مزید دینی خدمات اور اصلاحی مجاہدات کا حوصلہ اور توفیق بخشے (آمین)

رقم السطور:۔ ابو معاویہ محمد سعید ضیاء

صدر مدرس اور استاذ الحدیث جامعہ نعمانیہ نظامیہ قدیر آباد ملتان

مکتبہ دار العلوم

عبیدیہ ○ قدیر آباد ○ ملتان ○ پاکستان

فون نمبر:
061-511871
541810

ابتدائیہ

الحمد للہ الذی خلق الانسان والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ صاحب الجود وعمیم الاحسان وعلیٰ أصحابہ الذین ھم معیار و برھان للصداقۃ والایقان ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم المیزان ——— امابعد : ———

مفتاح النجاح ——— جلد اوّل کے بعد جلد ثانی کے کچھ اوراق ضیوف الرحمٰن کے حضور پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، ربِ کائنات سے اُمید ہے کہ حضور انور ﷺ سے نسبتِ غلامی کے طفیل اس جلد ثانی کو بھی مدارس، تعلیمی معاہد اور رُوحانی مراکز میں وہی کمالِ شرف اور قبولیت عامہ حاصل ہوگی جو جلد اول کو نصیب ہوئی۔ طالبینِ علمِ حدیث اور اساتذۂ فن نے جس درجہ جلد اوّل کو اپنے قلب و نظر میں جگہ دی، اُس سے استفادہ کیا، بالمراسلہ خطوط اور بالمشافہ مُلاقاتوں میں تعریفی کلمات سے نوازا اور ادعیۂ سحر گاہی میں مجھ جیسے ضعیف و ناتواں علم و عمل کو شامل فرمایا اسپر میں ان حضرات کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں اور دنیا و آخرت میں حُسنِ عاقبت کی دُعا کا طالب ہوں۔

ابھی نظر نہیں ایسی کہ دُور تک دیکھوں
ابھی خبر نہیں مجھ کو کہ کس اثر میں ہوں

بہر عہد ہے کہ زندگی کے آخری لمحہ تک اپنی صلاحیتوں کے موافق تلامذۂ حدیث کی خدمت کرتا رہوں گا اور یقیناً آپ حضرات کی دُعائیں سفرِ حیات میں میری ہم سفر رہیں گی، یہی تو اپنی زندگی کا مشن ہے اور یہی ہی اپنا نصب العین ہے۔

من مذھبی حب الحدیث وشرحہ ÷ وللناس فیما یعشقون مذاھب

جلدِ ثانی پر بہت کچھ کام ہو چکا ہے۔ خوش نویسوں کی مہربانیاں اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے سبب چند اوراق پریس میں جا سکے میں ذاتی طور پر معذرت خواہ ہوں۔ اور ربِّ متعال سے امید کرتا ہوں کہ آئندہ سال کے وسط تک جلد ثانی کو مکمل کر سکوں

یہ مختصر سا ابتدائیہ ان مختصر سے اوراق کے لئے ہے تفصیلی اور مکمل حالِ دل آئندہ سال کے ایڈیشن میں سپردِ قلم کروں گا ——— والسلام، ناآشنائے عصر

محمد عبد القوی

دار العلوم۔ قدیر آباد۔ ملتان

۱۱ ربیع الانور ۱۴۱۷ھ

۱ — پرچہ حل کرنے سے پہلے ایک بار اس پر سرسری نظر ڈالیے تاکہ پرچہ صحیح حل ہو سکے۔

۲ — مشکل سوالات عام طور پر بہت زیادہ وقت لیتے ہیں جبکہ آسان سوالات تھوڑا وقت لیتے ہیں۔
اس لئے آسان سوالات پہلے حل کرنے چاہئیں اور مشکل سوالات بعد میں۔

۳ — کتابی عبارات یا سوال کے مضمون کو کبھی جوابی کاپی پر لکھنے کی کوشش نہ کریں۔

۴ — ہر سوال کا نمبر اور اس کے اجزاء کو صحیح اور واضح طور پر لکھیے، مثلاً سوال نمبر (۱) جزُ (ب)

۵ — پرچہ وقتِ مقررہ سے دس پندرہ منٹ پہلے ختم کر لیجیے تاکہ اس پر آپ آسانی نظر ثانی کر سکیں۔

۶ — پرچہ حل کرنے کے لئے زیادہ باریک نب استعمال نہ کریں اور نہ ہی خوش خطی پر اپنا وقت ضائع کریں۔ بلکہ صاف اور واضح لکھیں

۷ — پرچہ کی دونوں جانب مناسب حاشیہ چھوڑیے تاکہ نمبر درج کرنے میں ممتحن کو دقت محسوس نہ ہو۔

۸ — جوابات کی کاپی اپنے نگران کے حوالے کرنے سے پہلے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیجیے کہ رول نمبر مقررہ جگہ پر لکھ دیا گیا ہے یا نہیں۔

۹ — کاپی کے آخری صفحہ پر خاص خاص باتیں تحریر کریں اور مسوّدہ اور رف کے درجہ میں محفوظ کر لیں۔ اوپر "مسوّدہ" (یعنی رف عملاً) قائم کر کے بعد میں کاٹنے کا نشان (X) اوپر سے نیچے تک کھینچ دیں۔ تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

۱۰ — ہر پرچہ میں تین سوال مشتمل چھ اجزاء ہوں گے۔ جن میں سے تین اجزاء کا حل ضروری ہے۔ یعنی ہر سوال کا ایک جزو ضرور حل کرنا ہوگا۔

مرتب [illegible]

مولانا محمد عبدالغنی شکیل
فاضل شہادۃ العالمیہ [illegible]
فاضل [illegible] فارسی ایف اے

حالاتِ حضرات ائمہ حدیث

و

مصنفین صحاح تسعہ

۱۔ امام اعظمؒ

۲۔ امام دار الہجرۃؒ

۳۔ امام شافعیؒ

۴۔ امام احمدؒ

۵۔ امام بخاریؒ

۶۔ امام مسلمؒ

۷۔ امام نسائیؒ

۸۔ امام ابوداؤدؒ

۹۔ امام ترمذیؒ

ا- ترجمة الإمام الاعظم

(ا) **الاسم السامی:** نعمان. —— (۲) **الحکم فی اسمہ:** (الف) نعمان لغہ: الدم الذی بہ قوام بدن. فالامام الاعظم ابو حنیفہ ھو قوام الفقہ و روح السنہ.

(ب) نعمان: فعلان من النعمہ. فابو حنیفہ نعمہ اللہ علی الخلق.

(ج) نعمان: نبت احمر طیب الریح. فالامام ھو المسک ما کررتہ یتضوع.

(۳) **الکنیہ المبارکہ:** ابو حنیفہ. (حنیفہ مونث حنیف و ھو ماخوذ من الدین الحنیف اے الامام الاعظم ھو راس الفروع و الشرائع فی الملہ الحنفیہ البیضاء قیل: کانت للامام بنت اسمھا حنیفہ. ھذا القول مردود بانہ لیس لہ ولد و لا انثی غیر الامام حماد.

(۴) **النسب العالی:** نعمان بن ثابت بن نعمان زوطی بن المرزبان من ابناء فارس الاحرار.

(۵) **القابہ الکریمہ:** فقھاء المذاھب الاربعہ والمحدثون من اھل السنہ والجماعہ منذ القرن الثانی الھجری و حتی یومنا ھذا اجمعوا علی انہ:

(الف) الامام الاعظم. اے ھو الامام الاعظم مطلقا فی الفقہ و الحدیث و الاجتھاد

و حیثما ذکر فی کتب المحدثین و الفقھاء من المذاھب الاربعہ: الامام الاعظم. فانما یقصد بہ الامام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ).

و اجمعت الامہ سلفا و خلفا علی امامتہ العظمی فی العلم اصولا و فروعا و استنباطا للنصوص من الکتاب و السنہ و الاجماع و اجتھادا فیما لا نص فیہ.

(ب) سراج ھذہ الامہ. الذی انار للمسلمین سبل الاحکام بین الانام فی شوون الخاص و امور الھام حتی اصبح فقھہ ھو النافذ فی عالم الاسلام شرقا و غربا و عجما و عربا

(۶) **ولادتہ الشریفہ:** ولد الامام الاعظم سنہ ۸۰ ھجریہ فی مدینہ کوفہ

(۷) **وفاتہ المطمئنہ:** کانت وفاتہ رحمہ اللہ سنہ ۱۵۰ ھجریہ فی مدینہ بغداد. و مات فی السجن بسبب رفضہ للمنصب الحکومی الذی ھو بمثابہ وزیر العدل و القاضی الاعلی علی طول الدولہ العباسیہ و عرضھا فی اسیا و افریقیا من الصین الی الاندلس و المغرب.

روی ان الامام الاعظم لما احس بالموت سجد فخرجت نفسہ الذکیہ و ھو ساجد.

و قبرہ فی بغداد الی الیوم یزار فی المنطقہ: "الاعظمیہ" و ھذہ المنطقہ "الاعظمیہ" تسمی علی اسمہ:

الامام الاعظم "

(٨) اساتذته: تفقه الامام الاعظم على الامام حماد بن ابی سلیمان عن الامام ابراہیم النخعی عن الامام علقمه عن سیدنا صاحب النعلین و الوسادہ و الطهور عبدالله بن مسعود عن امام الانبیاء و سید المرسلین محمد صلی الله علیه و علی اله وسلم و علی الامام جعفر الصادق . و علی الائمه من التابعین العظام رحمهم الله رحمه واسعه .

(٩) تلامذته المجتهدون. استفاد عن الامام الاعظم خلق کثیر من المحدثین و الفقهاء و منهم تلامذه فازوا علی درجه الاجتهاد المطلق و الاجتهاد فی المذهب . و منهم ائمه الحدیث و منهم ائمه اللغه و العربیه و منهم ائمه الزهد و الورع . قال ابن حجر استیعاب تلامذه الامام متعذر لایمکن ضبطه و منهم فی ما یلی :

(١) الامام ابویوسف یعقوب بن ابراهیم الکوفی (قاضی القضاه)

کان الامام ابویوسف فقیها مجتهدا . ولد سنه ١١٣ و توفی رحمه الله سنه ١٨٢ هجریه و قبره فی بغداد فی الکاظمیه . له الفضل الاکبر فی نشر مذهب الامام الاعظم . و کان ابویوسف قاضی القضاه فی الخلافه العباسیه .
و له کتاب فرید اسمه: کتاب الخراج .

(٢) الامام محمد بن الحسن الشیبانی (قاضی القضاه الثانی)

کان محمد نابغه من اذکیاء العلم و مجتهدا مطلقا اماما فی الاصول و الفروع .

له تصانیف نقل فیها الفقه الحنفی عن شیخیه الامام الاعظم و الامام ابی یوسف رحمهما الله تعالی .

فهو صاحب الفضل فی تدوین الفقه الحنفی و تعتبر کتبه ظاهر الروایه هی الحجه المعتمده عند الاحناف و فقهاء الاسلام

احواله التفصیلیه: العلمیه و العملیه مکتوبه فی الصفحات الاتیه .

(٣) الامام زفر بن الهزیل الکوفی:

کان من اصحاب الحدیث فتلمذ علی الامام الاعظم . و کان مجتهدا مطلقا فی الفروع و الاصول و قد ترک للفقه و الفقهاء ثروه عظیمه . فرحمه الله

(٤) الامام حسن بن زیاد اللولوی رحمه الله:

تلمذ علی ابی حنیفه فی الفقه اصولا و فروعا

و کان فقیها مجتهدا فی المذهب فی الفروع و مجتهدا مطلقا فی الاصول

و للامام الاعظم تلامذه اخرون من درجه الاجتهاد المطلق و الاجتهاد فی المذهب کالامام وکیع بن

الجراح و الامام عبدالله بن المبارک و الامام بسر بن غیاث و الامام عافیه بن یزید و الامام لیث بن سعد المصری و الامام نوح بن ابی مریم و غیرهم

و ایضا للامام الاعظم تلامذه من ائمه الزهد و الورع و التصوف و الاحسان نحو الامام فضیل بن عیاض و الامام حمید البغدادی و الامام داود الطائی و الامام معروف الکرخی و الامام ابراهیم بن ادهم و الامام شقیق بن ابراهیم البلخی

فرحم الله الجمیع و رحم الله الامام الاعظم سراج هذه الامه الذی انار للمسلمین سبل الاحکام بین الانام فی شوون الخاص و امور الهام حتی اصبح فقهه هو النافذ فی عالم الاسلام.

(۱۰) فضله و ثناء الناس علیه: ان فضائل الائمه اکثر من ان یحصیها الدفاتر فضلا عن هذه الکتبه سیما الامام الاعظم. ونکتب شیئا من ثناء الناس علیه لنتبرک بمناقبه:

(۱) نقل الامام ابن المبارک: عن الامام مالک قال: لو قال الامام الاعظم ابو حنیفه بذه الاسطوانه من ذهب لخرجت کما قال.

(۲) قال الامام الشافعی: من اراد ان یتبحر فی الفقه فهو عیال ابی حنیفه.

(۳) قال الامام سفیان بن عیینه: ما رات عینی مثله.

(۴) قال امام الحدیث عبدالله بن المبارک: لیس احد احق ان یقتدی به من الامام الاعظم ابی حنیفه لانه کان اماما تقیا ورعا عالما فقیها.

(۵) قال الامام احمد بن حنبل: انه من اهل الورع و الزهد و ایثار بمحل لا یدرکه احد.

(۶) قال الامام نضر بن شمیل: کان الناس نیاما عن الفقه و الحدیث حتی ایقظهم الامام ابو حنیفه.

(۱۱) المناقب العالیه: الامام الاعظم هو من التابعین فلقد لقی بعض الصحابه الکرام منهم انس بن مالک رضی الله عنه و روی عنه حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم (طلب العلم فریضه علی کل مسلم)

قال الامام الیافعی: کان الامام الاعظم ادرک اربعه (۴) من الصحابه وهم: انس بن مالک بالبصره و عبدالله بن ابی اوفی بالکوفه و سهل بن سعد بالمدینه و ابو الطفیل بمکه.

ومن اشهر مناقبه انه صلی صلوه الفجر بوضوء صلوه العشاء اربعین سنه. و انه کان یختم فی رمضان ستین ختمه، ختمه باللیل و ختمه بالنهار.

نختم ترجمته المیمونه بما ورد من تبشیر سیدنا و امام ائمتنا و مولانا و قلوبنا محمد النبی الامی علیه السلام بابی حنیفه فقد اخرج الامام البخاری و الامام مسلم وغیرهما عن سیدنا ابی هریره و سیدنا ابن مسعود و سیدنا سلمان الفارسی ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: لو کان العلم بالثریا لتناوله رجل من ابناء فارس.

صحیح بخاری و صحیح مسلم)
قال الامام جلال الدین السیوطی الشافعی . هذا اصل صحیح یعتمد علیه فی البشارة بالامام الاعظم ابی حنیفه رضی الله عنه .

(۱۳) مشاهیر مدونی و مصنفی و رواه الفقه الحنفی بعد الامامین محمد و ابی یوسف :

منهم : الامام عیسی بن ابان المتوفی سنه ۲۲۰ هجریه
الامام محمد بن سماعه المتوفی ۲۳۳ هجریه
الامام هلال بن یحیی الرای البصری المتوفی سنه ۲۴۵ هجریه
الامام احمد بن عمر الخصاف المتوفی سنه ۲۶۱
الامام احمد بن سلامه (ابوجعفر الامام الطحاوی) المتوفی سنه ۳۲۱ هجریه
الامام ابومنصور الماتریدی المتوفی سنه ۳۳۳ هجریه
الامام ابوالحسن الکرخی المتوفی سنه ۳۴۰ هجریه
امام الهدی ابوالیث السمرقندی المتوفی سنه ۳۷۳ هجریه
الامام ابو جعفر النسفی المتوفی سنه ۴۱۴ هجریه
الامام ابوزید الدبوسی المتوفی سنه ۴۳۰
الامام ابو العباس الناطفی المتوفی سنه ۴۴۰ هجریه
الامام شمس الائمه الحلوانی المتوفی سنه ۴۴۸ هجریه
الامام شمس الائمه السرخسی المتوفی سنه ۴۸۳ هجریه
الامام الصدر الشهید المتوفی سنه ۵۳۶ هجریه
الامام علاء الدین الکاسانی المتوفی سنه ۵۸۷ هجریه
العلامه قاضیخان المتوفی سنه ۵۹۲ هجریه
الامام المرغینانی المتوفی سنه ۵۹۳ هجریه

انتشر مذهب ابی حنیفه فی جمیع الاصقاع فی الشرق و الغرب والشمال و الجنوب فی قارتی اسیا وافریقیا . و اوربا و امریکا

و من جمله ذلک العراق و الشام و مصر

و السودان و تونس و ترکیا و بخاری و خراسان و ولایات روسیا قازقستان و ترکمانستان و تاجکستان و سیستان و الهند و باکستان و بنغلادیش و اندونیسیا و کذلک فی انکلترا و فرنسا و المانیا و ولایات امریکا الجنوبیه خاصه البرازیل

ترجمۂ امام دار الهجرة

(١) الاسم: مالک بن انس

(٢) النسب: مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی المدنی

(٣) لقب: امام دار الهجره

(٤) كنيت: ابو عبدالله

(٥) ولادت: ولد الامام مالک فی السام و ذلک سنه ٩٣ للهجريه

(٦) وفات: توفی يوم الاحد فی شهر ربيع الاول سنه ١٧٩ هجريه فی المدينه المنوره رحمه الله تعالى. و كان عمره سبع و ثمانين (٨٧) سنه.

دفن الامام بالبقيع و قبره يزار و يعرف الى اليوم.

(٧) حيات: نشا الامام مالک فی المدينه المنوره. و نشر علمه فيها و اخذ عن محدثيها و علمائها. و لم يرحل خارج المدينه لطلب العلم فلهذا يعبر علمه علم دار الهجره.

(٨) اساتذه: من شيوخه: (١) الامام نافع مولى سيدنا عبدالله بن عمرؓ

(٢) الامام ابن شهاب الزهری

(٣) الامام ربيعه الرای و غيرهم. قيل الامام اخذ عن تسع مائه شيخ رضی الله تعالى عنهم اجمعين.

المشهور عند اہل الفن ان من اصح الاسانيد: مالک عن نافع عن ابن عمرؓ. حتى قيل له: سلسله الذهب.

(٩) احوالہ العلميہ: كان رحمه الله محدثا كبيرا و فقيها اماما. صارت حلقته التدريسيه اكبر من حلقه مشائخه فی حياتهم. و كان الناس يزدحمون على بابه لاخذ الحديث و الفقه. و اذا اراد الجلوس للحديث اغتسل و تطيب و لبس لباسا جديدا و تعمم و قعد بخشوع و خضوع و وقار.

قال عبدالله بن المبارک: كنت عند الامام مالک و هو يحدثنا فلدغته عقرب ست عشره (١٦) مره و الامام مالک يتغير لونه و لا يقطع الحديث فلما تفرق الناس قال: انما صبرت اجلالا للحديث (رزقنا الله اتباعه)

عن الامام مثنى بن سعيد سمعت الامام مالک يقول: ما بت ليله الا رايت فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم. (سبحانه ما اعظم شانه)

(١٠) اقوال الائمہ فی فضلہ: قال الامام يحی بن معين: ان الامام مالک امير المومنين فی الحديث.

قال الامام الشافعیؒ اذا جاء الاثر فالامام مالک النجم و اذا ذكر العلماء فالامام مالک: "النجم الثاقب"

قال الامام سفیان بن عیینه : فی حدیث " یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون عالما اعلم من عالم المدینه " نری انه : الامام مالک بن انس

(۱۱) تصنیفہ : صنف مالک کتابہ " الموطا " فکان العمود الفقری لحرکۃ التدوین فی الحدیث الشریف و علوم السنہ .

(۱۲) تلامذتہ (۱) قال الامام الذہبی : حدث عنہ امم لایکادون یحصون منها : عبدالملک (ابو مروان) الماجشون

(۲) احمدبن المعذل (ابن غیلان) العبدی

(۳) اسماعیل (ابواسحاق) بن اسحاق

(۴) علی (ابوالحسن) بن زیاد التونسی .

المسائل المجمعۃ للائمۃ الاربعۃ

(زیر نظر)

تالیف : مؤلفِ موصوف مفتی قاضی محمّد عبدالقوی صاحب ملتانی

۱۔ مسائل متفقہ پر ایک جامع دستاویز

۲۔ دینِ فطرت کے اصولی و متفقہ بین الائمہ مسائل مہمہ کا تفصیلی جائزہ ۔

۳۔ اختلاف ائمہ کو بہانہ بنا کر شریعتِ مصطفوی ﷺ سے راہِ فرار اختیار کرنیوالوں کو دعوتِ فکر

۴۔ شریعت محمّدیہ کے اصولی و اساسی مجمع علیہ مسائل کی ڈکشنری ۔

(١) الاسم: محمد بن ادریس.

(٢) النسب: محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع المطلبی الهاشمی القرشی.

(٣) ولادته: ولد الامام الشافعی رحمه الله فی نفس السنه التی توفی فیها الامام الاعظم نعمان ابوحنیفه رضی الله عنه و هی سنه ١٥٠ هجریه.

(٤) وفاته: توفی الامام الشافعی و هو فی الرابعه و الخمسین (٥٤) من العمر فی اخر رجب یوم الجمعه سنه ٢٠٤ هجریه فی القاهره مصر. رحمه الله.

و قبره فی " القاهره " مشهور یزار حتی الان.

(٥) احواله العلمیه: نشا الامام الشافعی فی مکه المکرمه یتیما. فحفظ القرآن مبکرا. ثم رحل الی قبیله هذیل و قبائل هذیل هم افصح العرب لسانا. فحفظ الامام الشافعی اشعار هذیل حتی اصبح نابغه فی اللغه و الادب العربی لانظیر له فی زمانه.

کان الامام الشافعی من اصحاب مفتی مکه الامام مسلم بن خالد الزنجی فاذن له بالافتاء و هو ابن خمس عشرة (١٥) سنه.

بعد ان اخذ فقه اهل مکه من الامام مسلم بن خالد رحل الشافعی الی المدینه المنوره فتفقه علی امام دار الهجره مالک بن انسؒ فحفظ موطا للامام عن ظهر قلب فی تسع (٩) لیال فقط حیث کان للشافعی ملکه الحفظ و قوه الحافظه.

ثم رحل الی بغداد سنه ١٨٣ هجریه. و تفقه علی الامام محمد بن الحسن الشیبانی تلمیذ و صاحب الامام الاعظم ابی حنیفهؒ فی بغداد و تعلق به حتی زوج الامام محمد امه و الشافعی فی هذه الفتره رسخ فی الفقه و الاجتهاد بصحبة الامام محمد. و تربیته و الشافعی استفاد منه و من کتبه کمال الاستفاده حتی قال: لولا کتب الامام محمد لما اصبحت فقیها.

و قال ایضا: کلنا فی الفقه عیال علی ابی حنیفه. حیث ان الامام الشافعی من تلامذه تلمیذ الامام الاعظم ابی حنیفهؒ.

فی بغداد صنف الامام الشافعی کتابه " الحجه " الذی جمع فیه مذهبه القدیم فی سنه ٢٠٠ هجریه. ثم رحل من بغداد الی مصر و فیها اسس مذهبه الجدید الذی جمعه فی کتابه " الام "

(۶) من مولفاته الرئيسيه: (الف) " الحجة " جمع الامام فيه مذهبه القديم فى بغداد و مكه.

(ب) " الام " جمع فيه مذهبه الجديد فى مصر.

(ج) " الرساله " كتاب فى اصول الفقه. اول كتاب استقل فى علم اصول الفقه.

(۷) اقوال العلماء: قال الامام احمد: كان الامام الشافعى افقه الناس فى كتاب الله و سنة رسول الله.

قال ايضا: ما من احد مس بيده محبره و قلما الا و للامام الشافعى فى عنقه منة.

يقول علماء بغداد ان الامام الشافعى: " ناصر السنه ".

(۸) رواه مذهب الشافعى: روى عن الامام الشافعى كتابه القديم " الحجه " اربعة (۴) من اصحابه العراقيين و هم: الامام احمد بن حنبل و الامام ابوثور و الامام الزعفرانى و الامام الكرابيسى.

و روى عنه مذهبه الجديد اربعه (۴) من اصحابه المصريين و هم:

الامام المزنى و الامام البويطى و الامام المرادى و الامام الجيزى.

مذهب الامام الشافعى منتشر فى جميع العالم الاسلامى و منها الشام و العراق و مصر و اليمن و الحجاز و خراسان و بلاد الاكراد خصوصا و سلاطين الايوبيين فى مصر و الشام كلهم شافعية. رحمهم الله

(۱) الاسم: احمد بن حنبل.

(۲) النسب: احمد بن حنبل بن هلال بن اسد الذهلى الشيبانى البغدادى.

(۳) ولادته: ولد الامام ببغداد سنه ۱۶۴ هجريه.

(۴) وفاته: توفى رحمه الله فى " بغداد " فى ربيع الانور سنه ۲۴۱ هجريه.

(۵) احواله العلميه: تفقه على الامام الشافعى حين اقامته فى " بغداد " و " مكه المكرمه ". حتى اصبح فقيها مجتهدا فى الشرع مستقلا. الامام جمع و حفظ مئات الالاف من الاحاديث النبويه. ثم رحل الى الشام و الجزيرة و مكه و المدينة المنوره و اليمن و الكوفه و البصره حتى صار امام عصره فى الحديث و الفقه. صار فريدا فى العلم كان الله قد جمع له علم الاولين و الاخرين.

فى فتنة القول بخلق القران فى زمن مامون الرشيد و المعتصم و الواثق امتحن الامام احمد بالضرب و الحبس و التعذيب فكان يصبر صبر نبى الله ايوب عليه السلام. و الامام اعلى الله قدره فاز فى ابتلائه فرحمه الله رحمة شامله.

(٦) اقوال العلماء : (الف) قال الامام الشافعی : خرجت من بغداد و ما خلفت بها اتقی و لا افقه من ابن حنبل.

(ب) قال الامام ابن المدینی : ان الله قد اعز الاسلام برجلین : ابی بکرؓ یوم الردۃ و ابن حنبل یوم المحنۃ.

(ج) قال امام الاولیاء بشر الحافی : ان الامام احمد اقام مقام الانبیاء . اے فی صبرہ علی مکروہ المحنہ و العذاب الشدید الذی تعجز عنہ الرجال.

(٧) تصنیفہ : صنف الامام فی الحدیث و جمع فی کتابہ " المسند " اکثر من اربعین الف (۴۰۰۰۰) حدیث . و الامام ماصنف کتابا فی الفقہ و اما اصحابہ اخذوا مذھبہ الفقھی و اجتھاداتہ الفقھیہ من کلامہ و ما القاہ حین درسہ.

(٨) اشھر تلامذۃ الامام : (ا) الامام صالح بن احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲٦٦ ھجریہ . اکبر اولاد الامام تفقہ علی ابیہ و روی عنہ الحدیث . فقیہ مجتھد سمع من ابیہ فوعا و ادی کما سمع.

(۲) الامام عبداللہ بن احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۹۰ ھجریہ . روی عن ابیہ و عن اخیہ الامام صالح و اھتم بنقل فقہ ابیہ.

(۳) الامام احمد ابوبکر بن محمد الخراسانی البغدادی المتوفی سنہ ۲۷۳ ھجریہ . فقیہ مجتھد فی المذھب حافظ للحدیث.

(۴) الامام عبد الملک المیمونی المتوفی سنہ ۲۷۴ ھجریہ . فقیہ محدث مجتھد فی مذھب الامام احمد.

ترجمۃ الامام البخاری

(۱) الاسم: محمد بن اسمعیل

(۲) النسب: محمد بن اسمعیل بن ابراھیم بن المغیرہ بن بردزبہ.

(۳) الکنیۃ: ابو عبداللہ.

(۴) احوالہ العلمیۃ: الامام البخاری کان زاھد فی الدنیا و متورعا و ورث من ابیہ مالا کثیرا فکان یتصدق بہ. کان قلیل الاکل کثیر الاحسان الی الطلبہ مفرطا فی الجود و الکرم.

(۵) ولادتہ: ولد الامام بعد صلوۃ الجمعہ لثلث عشرہ (۱۳) خلت من شوال سنہ اربع و تسعین و مائہ (۱۹۴).

(۶) وفاتہ: الامام توفی لیلۃ السبت عند صلوۃ العشاء لیلۃ عید الفطر و دفن یوم الفطر بعد الظھر سنہ ست و خمسین و مائتین (۲۵۶) و لہ اثنتان و ستون (۶۲) سنہ. دفن بخرتنک قریہ علی فرسخین من سمر قند. لما صلی علیہ و وضع فی حفرتہ فاح من تراب قبرہ رائحۃ طیبہ کالمسک و جعل الناس تختلفون الی قبرہ مدہ یاخذون من تراب قبرہ و یتعجبون من ذلک.

قال بعض المحدثین: رایت النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی المنام و معہ جماعۃ من الصحابہؓ و ھو و اقف فسلمت علیہ فرد علی السلام فقلت: ما وقوفک ھنا؟ یا رسول اللہ! قال: انتظر "محمد بن اسمعیل".

قال فلما کان بعد ایام بلغنی موتہ فنظرت فاذا ھو قد مات فی الساعۃ التی رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیھا.

قد جمع البعض تاریخ ولادتہ و مدۃ حیاتہ و وفاتہ فی بیت.

میلادہ "صدق" و مدۃ عمرہ فیھا "حمید" و انقضی فی "نور".

(۷) اقوال العلماء: قال الفربری: رایت محمد بن اسمعیل البخاری فی النوم خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم والنبی یمشی کلما رفع قدمہ وضع البخاری قدمہ فی ذلک الموضع. قال الامام محمد بن بشار: حفاظ الدنیا اربعۃ (۴) منھا محمد بن اسمعیل ببخارا. قال الامام علی بن حجر: الامام البخاری اعلمھم و ابصرھم و افقھھم قال الامام احمد بن حنبل: ما اخرجت خراسان مثل محمد بن اسمعیل البخاری. قال الامام ابو عیسی الترمذی: لم ار بالعراق و لا بخراسان فی معنی العلل و التاریخ و معرفۃ الاسانید اعلم من محمد بن اسمعیل. روی عن الامام مسلم بن الحجاج انہ قال: لیس فی الدنیا مثل الامام البخاری.

(۸) اساتذته: الامام البخاری سمع من الامام اسمعیل بن سالم الصائغ و الامام ابوبکر عبدالله بن الزبیر الحمیدی بمکہ. الامام ابراهیم بن المنذر الحزامی و الامام مطرف بن عبدالله و الامام ابراهم بن حمزه بالمدینہ المنوره. و بالشام محمد بن یوسف الفریابی و ابوالنصر اسحق بن ابراهیم و ادم بن ابی ایاس و حیوه بن شریح. و بخارا محمد بن سلام البیکندی و هارون بن الاشعث. و ببلخ الامام مکی بن ابراهیم و یحی بن بشر و محمد بن ابان و الامام حسن بن شجاع. و بهراه الامام احمد بن ابی الولید الحنفی و بنیسابور یحی بن یحی و بشر بن الحکم و اسحق بن راهویہ و محمد بن رافع و محمد بن یحی الذهلی. و ببغداد الامام احمد بن حنبل. و بالبصره الامام ابوالولید الطیالسی. و بالکوفہ الامام عبیدالله بن موسی و ابو نعیم و اقرانهم.

(۹) تلامذته: سمع من الامام البخاری "صحیحہ" تسعون الف (۹۰۰۰۰) محدث و فقیہ و قد روی عن الامام "صحیحہ" غیر واحد من الائمہ منهم الامام مسلم بن الحجاج "صاحب الصحیح" و الامام ابوعیسی الترمذی "مولف الجامع" و الامام ابوعبدالرحمان النسائی "صاحب السنن" و الامام ابوحاتم و الامام ابوزرعہ الرازی و الامام ابوبکر بن خزیمہ من الحفاظ وغیرهم.

(۱۰) احوالہ العلمیہ و العملیہ: رحل الامام البخاری الی محدثی الامصار و المدن فی طلب العلم و اخذ الحدیث و اقام فی کل مدینہ حتی استکمل علومہ و کتب بالحجاز و بالشام و بمصر و مدن العراق و ورد بغداد دفعات کثیره و قال الامام: کتبت عن الف شیخ من الفقهاء والمحدثین.

الامام البخاری لما قدم بغداد جائہ طلاب الحدیث و ارادوا امتحانہ فعمدوا الی مائہ (۱۰۰) حدیث فقلبوا متونها واسانیدها ودفعوها الی عشره (۱۰) رجال و امروهم ان یلقوها الی الامام البخاری فالامام التفت الی الاول منهم فقال: اما حدیثک الاول فهو کذا. واما الثانی فکذا. فرد کل متن الی اسناده و کل اسناد الی متنہ. فاقر طلاب الحدیث و علمائها للامام بالحفاظ و اذعنوا لہ بالفضل و العلم.

(۱۱) تصانیفہ: للامام البخاری مصنفات عدیده وبیانها فیما یلی:

الصحیح، ادب المفرد، رفع الیدین، قرائہ خلف الامام، بر الوالدین، التاریخ الکبیر، کتاب الضعفاء، الجامع الکبیر، اسامی الصحابہ، کتاب العلل، کتاب المبسوط و المسند الکبیر و غیر ذلک.

(۱۲) اسم الصحیح: الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول الله و سننہ و ایامہ.

(۱۳) سبب تالیفہ: قال الامام البخاری: رایت النبی صلی الله علیہ و سلم فی المنام و انا واقف بین یدیہ و بیدی مروحۃ اذب عنہ. فسالت عن العالم المعبر فقال: انت تذب عنہ الکذب. فهو الذی حملنی علی اخراج الصحیح الجامع.

(۱۴) شان تالیفہ: قال الامام: ما وضعت فی کتاب الصحیح حدیثا الا اغتسلت قبل ذلک و صلیت رکعتین.

و الامام حول تراجم جامعه بين قبر النبى صلى الله عليه و سلم و منبره و كان يصلى لكل ترجمه ركعتين. و ايضا قال: صنفت "الصحيح" لست عشر (١٦) سنه خرجته من ست مائه الف (٦٠٠٠٠٠) حديث.

(١٥) **عدد احاديثه:** جمله ما فى صحيح البخارى من الاحاديث المسنده سبعه الاف و مائتان و خمسه و سبعون (٧٢٧٥) حديثا بالاحاديث المكروه و بحذف المكروه اربعه الاف (٤٠٠٠) قريبا.

(١٦) **شروط البخارى فى صحيحه:** شرط الامام فى صحيحه: ان يكون اسناده متصلا و ان يكون راويه مسلما، صادقا، غير مدلس و ان يكون متصفا بصفات العداله ضابطا، قليل الوهم، سليم الاعتقاد.

(١٧) **درجه كتابه:** اتفق علماء الاصول على ان اصح كتب الحديث الصحيحان للامام البخارى و مسلم. و الجمهور اجمعوا على ان صحيح البخارى اصح من صحيح مسلم و اكثرها فائدة و جودة. و اجمعت الامة على وجوب العمل باحاديث الصحيحين. الامام يخرج من الطبقة الاولى من الطبقات الخمس استيعابا و من اهل الطبقة الثانية انتخابا. ولذا صحيحه فى الدرجة الاولى من بين مصنفات هذا الفن الشريف.

تنظيم المدارس (اهل السنّة) پاکستان

حرر ترجمة الامام البخارى رحمه الله تعالىٰ مع مزاياجامعه ولا تقل عن خمسة وعشرين سطرًا،

السؤال الاول: حرر باللغة العربية ترجمة الامام محمد بن اسماعيل البخارى مشتملا على بيان سن ولادته ورحلته العلمية وارتحاله الى دار الآخرة واكتب خصائص الجامع الصحيح مع الاختصار والايجاز ينبغى ان تكون هٰذه المقالة مشتملة على عشرين سطرًا، ٢٠

السؤال الاول: حرر ترجمة الامام البخارى مشتملاً على بيان سن ولادته ورحلته العلميه وارتحاله الى دار الآخرة مع بيان تبحره وتعمقه فى علوم الحديث النبوى بحيث لا تقصر عن خمسة وعشرين سطرًا۔

السؤال الاول: اكتب ترجمة المصنف مع بيان عظمته وتبحرهٖ فى علوم الحديث لا تنقص [illegible] التبحرة (١٠) من خمسة عشر سطرًا

السؤال الاول: اكتبوا باللغة العربية ترجمة الامام البخارى مشتملة على بيان نسبه وسن ولادته ووفاته وكمال ضبطه واتقانه وثناء شيوخه عليه مع بيان خصائص كتابه الجامع ولا يكون اقل من عشرين سطرًا ٢٠

السؤال الاول: حرر المقالة المشتملة على ترجمة احد من الائمة المذكورة التالية، الكتب المذكورة التاليه ولا تكون اقل من عشرين سطرًا۔

(١) الامام محمد بن اسماعيل البخارى (٢) ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعيب النسائى
(٣) ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوى (٤) ابو داؤد سليمان بن اشعث

ترجمۃ الامام مسلم

(۱) الاسم: مسلم بن الحجاج.
(۲) النسب: مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری نسبا النیسابوری وطنا.
(۳) الکنیہ: ابو الحسین. (۴) لقبہ: عساکر الملہ و الدین.
(۵) ولادتہ: الامام ولد سنہ ۲۰۴ علی بعض الاقوال لکون تاریخ ولادتہ لم یضبط ضبطا دقیقا.
(۶) وفاتہ: توفی الامام رحمہ اللہ فی رجب سنہ احدی و ستین و مائتین (۲۶۱) بنیسابور.
(۷) من شیوخہ: الامام یحی بن یحی، الامام اسحاق بن راھویہ، الامام محمد بن مھران الجمال، الامام قتیبہ بن سعید، الامام احمد بن حنبل، الامام عبداللہ بن مسلمہ، الامام سعید بن منصور، الامام ابو مصعب و غیرھم.

(۸) من کتبہ: کتاب المسند الکبیر علی اسماء الرجال. کتاب الجامع الکبیر علی الابواب.
کتاب العلل. کتاب او ھام المحدثین. کتاب التمییز. کتاب من لیس لہ الا راو واحد.
کتاب الجامع الصحیح للامام مسلم.

(۹) درجۃ الصحیح فی الصحاح: اتفق علماء الاصول علی ان اصح الکتب بعد القران العزیز "الصحیحان للبخاری و للمسلم" و تلقتھما الامہ بالقبول و قال الامام الحافظ ابوعلی النیسابوری: کتاب الصحیح للمسلم اصح من صحیح البخاری و وافقہ شیوخ المغرب. و قالوا ما تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم. لکن الجمھور رجح صحیح البخاری و قال: انہ الاصح. اما المحدث عبدالرحمان الیمنی رجح البخاری صحۃً و مسلم جودۃً و قال:

تنازع قوم فی البخاری و مسلم لدی فقالوا ای ذین یقدم

فقلت لقد فاق البخاری صحہ کما فاق فی حسن الصناعہ مسلم.

شرائط الامام: شرط الامام مسلم فی صحیحہ: ان یکون الحدیث متصل الاسناد بنقل الثقہ عن الثقہ من اولہ الی منتھاہ سالما من الشذوذ و العلہ. ذکر الامام مسلم فی اول مقدمہ صحیحہ: انہ یقسم الاحادیث ثلثہ (۳) اقسام. الاول: ما رواہ الحفاظ المتقنون. الثانی: ما رواہ المستورون المتوسطون فی الحفظ و الاتقان.
الثالث: ما رواہ الضعفاء المتروکون.
فالامام ینقل من القسم الاول استیعابا و من القسم الثانی استشھادا و طرح القسم الثالث فلایعرج علیہ.

ترجمۃ الامام النسائی

(۱) **الاسم:** احمد بن شعیب

(۲) **النسب:** احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار النسائی الخراسانی۔

(۳) **الکنیہ:** ابو عبدالرحمن۔

(۴) **ولادتہ:** ولد الامام سنہ خمس عشرہ و مائتین (۲۱۵) فی مدینہ "نساء"۔

(۵) **اساتذتہ:** الامام سمع و استفاد من الامام اسحاق بن راھویہ و الامام بخاری و الامام مسلم و الامام محمود بن غیلان و الامام قتیبہ بن سعید و الامام محمد بن بشار و الامام ابوداود و الائمہ اخرین من بلاد خراسان و الحجاز و العراق و مصر و غیرھا۔

(۶) **تلامذتہ:** اخذ عن الامام خلق کثیر منھم: الامام ابوبشر الدولابی، الامام ابوالقاسم الطبرانی، الامام ابوجعفر الطحاوی، الامام محمد بن ھارون بن شعیب، الامام ابوالمیمون بن راشد و الامام ابوبکر احمد بن اسحق السنی الحافظ۔

(۷) **مسلکہ:** کان الشافعی المذھب و لہ مناسک علی مذھب الامام الشافعی۔

(۸) **اقوال العلماء:** قال الامام السبکی: ان النسائی احفظ من مسلم صاحب الصحیح و ان سننہ اقل السنن بعد الصحیحین حدیثا ضعیفا۔ قال الامام ابوالحسن الدارقطنی: ابوعبدالرحمان النسائی کان فی غایہ من الورع و التقی۔

(۹) **احوالہ العلمیہ:** کان للامام اول رحلۃ لسماع الحدیث الی الامام قتیبہ بن سعید و کان اذ ذاک ابن خمس عشرہ (۱۵) سنہ۔ و مکث عند الامام سنہ و شھرین و اخذ عنہ الحدیث۔ و کان یواظب علی صوم داود نبی اللہ علیہ السلام۔ بعد ذلک الامام النسائی قدم مصر و استفاد من محدثیھا و فقھائھا حتی صار اماما فی الحدیث و ثقہ حافظا۔ قال ابن خلقان: ان الامام النسائی سکن بمصر و انتشرت بھا تصانیفہ و اخذ عنہ الناس و فیھا رتب کتاب السنن۔

علماء الاصول اجمعت علی ان الامام کان احد الائمہ الحفاظ و کان امام اھل عصرہ و قدوتھم بین علماء الحدیث و جرحہ و تعدیلہ معتبر بین الاصولیین۔

(۱۰) **وفاتہ:** الامام النسائی فی اخر عصرہ فارق مصر و خرج الی دمشق فسئل عن الامیر معاویہ فقال: ما

اعرف له فضيله الا " لا اشبع الله بطنه " فمازالوا يضربونه بارجلهم حتى اخرج من المسجد ثم حمل الى " مكه " فمات مقتولا شهيدا . و دفن بين الصفا و المروه . وقعت شهادته يوم الاثنين فى شهر صفر سنه ٣٠٣ هجريه.

(١١) ذكر سننه: صنف الامام " السنن الكبرى " فساله امير رمله عن سننه: ان جميع احاديث كتابك صحيح؟ فلجاب الامام: لا . فقال الامير: لتجريد الصحاح من " السنن " . فالامام لخص من " السنن " و سماها " المجتبى من السنن الكبرى " . و ترک کل حدیث تکلم المحدثون فی اسناده بالتعليل . فاذا اطلق المحدثون بقولهم: رواه الامام النسائى فى السنن فمرادهم " المجتبى " لا " السنن الكبرى " و هذه احدى الكتب الستہ من الصحاح .

قال علماء الفن: ان اول مراتب الصحاح منزله صحيح البخارى ثم صحيح مسلم ثم سنن النسائى . اے هی بعد الصحيحين للبخارى و مسلم و قبل السنن لابى داود و الترمذی و ابن ماجه .

(١) الاسم: سليمان بن الاشعث .

(٢) النسب: سليمان بن اشعث بن اسحق بن بشير بن شداد الازدى السجستانى .

(٣) الكنيه: ابو دائود .

(٤) ولادته: ولد يوم الجمعه فى شهر شوال سنه اثنتين و مائتين (٢٠٢) .

(٥) مسلكه: فيه اقوال ثلاث . (الف) انه شافعى . (ب) كان حنبليا . (ج) كان مجتهدا مطلقا غير متبوع .

قال الشاه ولى الله المحدث الدهلوى: اما ابو داود و الترمذى فهما مجتهدان منتسبان الى احمد و اسحاق .

(٦) احواله العلميه: الامام طوف البلاد و كتب عن العراقيين و الخراسانيين و الشاميين و المصريين و غيرهم . و جمع كتاب السنن و عرضه على الامام احمد فاستجاده و استحسنه . و كان احد حفاظ الحديث و فى الدرجه العليا من النسک و الصلاح و الورع و الاتقان و العلم فقها و حديثا .

(٧) اقوال العلماء: قال الحافظ موسى بن هارون: خلق ابو داود فى الدنيا للحديث و فى الآخرة للجنه ما رايت افضل منه . قال الامام ابو حاتم: كان الامام ابو داود احد ائمه الدنيا علما و حفظا و فقها و ورعا .

الامام الحاكم كان يقول: ابو داود امام اهل الحديث فى عصره .

جاء الامام سهل بن عبدالله التستری فقال : یا اباداود ! لی الیک حاجۃ . قال : و ما هی ؟ قال : اخرج لسانک الذی حدثت بہ عن رسول الله صلی الله علیہ و سلم حتی اقبلہ . فالامام اخرج لسانہ فقبلہ .

(٨) وفاتہ: توفی الامام بالبصرہ یوم الجمعہ منتصف شوال سنہ خمس و سبعین و مائتین (٢٧٥) .

(٩) اساتذتہ: اخذ الامام الحدیث عن الامام احمد بن حنبل ، الامام عثمان بن ابی شیبہ ، الامام قتیبہ بن سعید ، سید الطائفہ یحی بن معین و رئیس المحدثین علی بن المدینی وغیرهم من ائمہ الحدیث .

(١٠) تلامذتہ: اخذ عن الامام ابنہ عبدالله ، ابو عبدالرحمن النسائی صاحب السنن ، الامام ابوعیسی الترمذی صاحب الجامع ، الامام ابوعلی اللولوی و خلق سواهم .

(١١) تصانیفہ: اشتهر من کتب الامام کتاب السنن و کتاب المراسیل و الرد علی القدریہ و الناسخ و المنسوخ و دلائل النبوہ و کتاب التفسیر و کتاب فضائل القران .

(١٢) المزایا التی تتعلق بالکتاب: قال الامام ابوداود : کتبت عن رسول الله خمس مائہ الف (٥٠٠٠٠٠) حدیث . انتخبت و جمعت فی السنن اربعہ الاف و ثمان مائہ (٤٨٠٠) حدیث من الصحیح و مایقاربہ .

قال الامام ابن السبکی : السنن لابی داود من دواوین الاسلام .

قال الامام حسن بن محمد : رایت رسول الله فی المنام یقول : من اراد ان یستمسک بالسنن فلیقرء سنن ابی داود . قال الفقیہ ابن العربی : ان حصل لاحد علم کتاب الله و سنن ابی داود یکفیہ ذلک فی مقدمات الدین .

قال الحافظ ابوبکر الخطیب : کتاب السنن لابی داود کتاب شریف لم یصنف فی علم الدین کتاب مثلہ و قد رزق القبول من کافۃ الناس و طبقات الفقهاء علی اختلاف مذهبهم .

قال الامام الخطابی : کتاب ابی داود جامع لنوعی الصحیح و الحسن .

تنظیمُ المدارس (اهلُ السُّنَّۃ) پاکستان

السؤال الاول : حرر حیاۃ امام المحدثین ابی داود السجستانی رحمہ الله مشتملا علی سن میلادہ ووصالہ الی الله تعالیٰ مع بیان تبحرہ فی علوم الحدیث النبوی وخدمتہ ممتازہ بین المحدثین وتقواہ ؟

ترجمة الامام الترمذی رح

(۱) الاسم : محمد بن عیسی .   (۲) الکنیہ : ابو عیسی .

(۳) النسب : محمد بن عیسی بن سورہ بن موسی بن ضحاک الترمذی .

(۴) الموطن و النسبہ : السلمی ، البوغی ، الترمذی .

اما السلمی فھو نسبہ الی بنی سلیم . قبیلہ من قیس غیلان .

واما البوغی نسبہ الی بوغ : و ھی قریہ من قری ترمذ علی ستہ (۶) فراسخ .

واما الترمذی : فقال السمعانی فی نسبہ الترمذی : الناس یختلفون فی کیفیتہ : بعضھم یقول : بفتح التاء . و بعضھم یقول : بکسرھا . و بعضھم یقول : بضمھا .

و المتداول علی لسان اھل تلک المدینہ بفتح التاء و کسر المیم .

(۵) ولادۃ : ولد سنہ تسع و مائتین (۲۰۹) . و اختلف العلماء : ان الترمذی ھل ولد اکمہ ام ولد مبصرا وعمی فیما بعد ؟

قال ابن الاثیر : و کان ضریرا . وقد نقل ابن کثیر : انہ ولد اکمہ .

ولکن الراجح الصحیح : انہ ولد مبصرا .

(۶) اساتذہ : الامام استفادہ فی علل الحدیث و الرجال و فنون الحدیث من الامام مسلم صاحب الصحیح و اخذ عن الامام بخاری صاحب الصحیح و لازمہ مدہ طویلہ و انتفع بعلمہ و فضلہ و کذلک استفاد من الامام عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی و الامام ابی ذرعہ الرازی و الامام قتیبہ بن سعید و الامام محمود بن غیلان و الامام محمد بن بشار و الامام احمد بن منیع و الامام محمد بن المثنی و الامام سفیان بن وکیع و غیرھم من ائمہ الحدیث و السنہ فرحمھم اللہ رحمہ واسعہ .

(۷) تلامذۃ : اخذ عن الامام خلق کثیر عددھم یزید من تسعین الف (۹۰۰۰۰) محدث و فقیہ و منھم : ابو العباس محمد بن احمد المبوبی المروزی ، ابو حامد احمد بن عبدالمروزی ، ھیثم بن کلیب الشاشی ، احمد بن یوسف النسفی ، داؤد بن نصر بن سھل البزدوی ، محمد بن محمود ، عبد بن محمد النسفی . (رحمھم اللہ)

(۸) رحلتہ العلم : بدا الامام الترمذی فی اخذ العلم عن مشایخ بلدتہ کما کانت العادہ فی تلک العصور و بعد ان سمع من شیوخ بلدتہ طاف البلاد و سمع خلقا من الخراسانیین و العراقیین و الحجازیین و غیرھم من علماء الامصار .

و لذا نری من مشایخہ جماعہ من البغدادیین و الکوفیین استمع منہم و اخرج عنہم فی جامعہ (جامع ترمذی).

(۹) **ثناء الائمہ و مکانتہ فی الحفظ:** قال السمعانی : امام عصرہ بلا مدافعہ. و قال فی موضع اخر : احد الائمہ الذین یقتدی بہم فی علم الحدیث. و کان یضرب بہ المثل فی الحفظ و الضبط و قال : حفظہ انہ یحکی عنہ قال : کنت فی طریق الحجاز فلستعرت جزاین (۲) من شیخ کان معنا فی الطریق لا کتب و اقرا علیہ فحملت الجزاین الی الرحل و نسختہما و اخذت الوعد من الشیخ لاقرا علیہ فلما قعد الشیخ لاسمع مضیت الی الرحل واخذت الجزاین من الکراس و جزاین من البیاض عوض الفرع الذی نسختہ فلما قعدت بین یدی الشیخ لاقرا و جعل الشیخ ینظر فی اصلہ قلبت الورقہ لاقرا من فرعی فاذا انا غلطت و ترکت الجزء المکتوب فی الرحل واخذت البیاض فستحییت فشرعت اقرء الجزاین من الحفظ و اقلب الورقہ حتی اتیت علی الکل و کان قد حفظت الجزاین حالہ النسخ.

و قال ابن الاثیر الجزری : کان اماما حافظا لہ تصانیف حسنہ.

قال ابو حیان فی کتاب الثقات : کان ابو عیسی ممن جمع و صنف و حفظ.

و قال ابو سعید الادریسی : کان یضرب بہ المثل فی الحفظ.

(۱۰) **مولفاتہ:** و اما کتب الامام الترمذی و مولفاتہ فہی عدیدہ کتب قیمہ مشہودہ بجودتہا دالہ علی امامتہ و غزارہ علمہ. فہی فیما یلی :

(۱) کتاب الصحیح الجامع السنن

(۲) الجامع الکبیر

(۳) کتاب التاریخ

(۴) کتاب العلل

(۵) کتاب الشمائل

(۶) اسماء الصحابہؓ

(۷) کتاب الجرح والتعدیل

(۸) کتاب الزہد

(۹) کتاب الاسماء والکنی

(۱۰) کتاب التفسیر

و یکفی للامام الترمذی فخرا ما قالہ عنہ استاذہ الامام البخاری رحمہما اللہ : ما انتفعت بک اکثر مما

انتفعت بی.

فهذہ شهادہ من مثل الامام البخاری بلغت الغایہ فی الثناء علی تلمیذہ الزکی الذی قیل فیہ: مات البخاری فلم یخلف بخراسان مثل ابی عیسی فی العلم والحفظ والورع والزھد.

(۱۱) وفاتہ: و ھذہ الشمس التی انارت المشرق و المغرب و اضائت الارض افلت بقریہ بوغ سنہ نیف و سبعین و ماتین احدی قری ترمذ.

یقول ابن الاثیر: توفی الامام بترمذ لیلہ الاثنین الثالث عشر (۱۳) من شھر رجب سنہ تسع و سبعین و ماتین (۲۷۹)

و عمر الامام کان سبعین (۷۰) سنہ تقریبا.

رضی اللہ عنہ وارضاہ

(۱۲) مسلک الامام: فیہ قولان: (الف) قال الامام السبکی: ان الامام الترمذی کان شافعیا. (ب) قال الشاہ ولی اللہ الدہلوی: اما ابو دائود و الترمذی فھما مجتھدان منتسبان الی الامام احمد و اسحاق.

(۱۳) مکانہ کتابہ و المزایا و الفوائد المختصہ بہ:

کتاب الامام الترمذی الجامع الصحیح السنن احسن الکتب ترتیبا و اقلھا تکرارا و فیہ ما لیس فی غیرہ من ذکر مذاھب الائمہ و وجوہ الاستدلال و تبیین انواع الحدیث من الصحیح و الحسن و الغریب و فیہ جرح و تعدیل و الامام الترمذی قد جمع فی کتابہ فوائد حسنہ ولذا قیل:

ھو کاف للمجتھد و مغن للمقلد.

قال الامام ابو اسماعیل الھروی: کتاب الترمذی عندی انفع من کتاب البخاری و مسلم لان کتابی البخاری و مسلم لایقف علی فوائدھما الا المتبحر فی العلم و اما کتاب الترمذی فیقف علیہ احد من الناس.

قال الامام الترمذی: صنفت ہذا المسند الصحیح و عرضتہ علی علماء الحجاز فرضوا بہ و عرضتہ علی علماء العراق فرضوا بہ و عرضتہ علی علماء الخراسان فرضوا بہ. فمن کان فی بیتہ ھذا الکتاب فکانما فی بیتہ نبی ینطق و یتکلم.

قال الاستاذ العلامہ انور شاہ الکشمیری ان اول مراتب الصحاح منزلہ صحیح البخاری ثم صحیح مسلم ثم سنن النسائی ثم سنن ابی دائود ثم جامع الترمذی.

تنظیم المدارس (اهل السنّة) پاکستان

اکتب باللغة العربية ترجمة المصنف الامام الترمذی فضائله وعلو مقامه فی علوم الحدیث ولا تکون هذه الترجمة اقل من عشرین سطرًا ۔ ١٠

السؤال الثالث :۔ اکتب باللغة العربية احوال الامام ابی داؤد رضی الله تعالیٰ عنہ ولا تنقص من عشرین سطرا ۔(٢٠)

السؤال الاول : حرر المقالة المشتملة علی ترجمة احد من الائمة المذکورة التالية ولا تکون اقل من عشرین سطرًا ۔ ٢٠
(١) الامام مسلم (٢) الامام ابو عیسیٰ الترمذی
(٣) ابو عبد الله محمد بن یزید القزوینی (۴) الامام مالک بن انس

السؤال الاول : اکتبوا ترجمة الامام النسائی مع خصوصیات السنن للنسائی ٢٠

السؤال الخامس : اذکر ولادة الامام مالک رحمة الله علیه ووفاته ومنزلته بین المحدثین والفقهاء وحبه للنبی صلی الله علیه وسلم ولمدینته وادبه وخصوصیات کتابه مؤطا ووجه تسمیته ۔

السؤال الاول : حرر سوانح المحدث ابی داؤد مفصلًا

السؤال الاول : اکتب باللغة العربية مناقب الامام النسائی واذکر اسماء بعض اساتذته وتلامذته ولا تزد علی خمسة وعشرین سطرًا ٢٠

السؤال الاول : اکتب ترجمة الامام مسلم رحمه الله تعالیٰ بحیث لا تقصر عن خمسة وعشرین سطرًا وبیّن المزایا التی یمتاز بها صحیحه من بین کتب الحدیث

الحصة الاولیٰ ——— نسائی شریف

بیّن اسم صاحب السّنن واسم ابیه وکنیته ونسبته وبعض مناقبه واسماء بعض مشائخه وتلامذته ۔

السؤال الاول : (الجزء الاول) اکتبوا ترجمة الامام الترمذی باللغة العربية وبیّنوا فیه انواع الحدیث التی اورد الامام الترمذی فی صحیحه ولا یکون اقل من عشرین سطرًا ۔ ١٠

السؤال الثانی : دوّن حیاة الامام مسلم رحمه الله تعالیٰ فی مالا یقل عن عشرین سطر امبینا مرتبة کتابه بین کتب الحدیث المعتبرة عند اهل السنة والجماعة وقارن بین صحیحی البخاری ومسلم رحمهما الله تعالیٰ (١٠)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الوحی

۱۔ وحی کے لغوی و اصطلاحی معنی
۲۔ اقسام وحی
۳۔ حدیث سیدۃ عائشہ رضہ
۴۔ حدیث غارِ حراء
۵۔ حدیث مسلسل بتحریک الشفتین
۶۔ حدیث جود مدارسہ
۷۔ حدیث ہرقل

مکتبہ دار العلوم
قدیر آباد ملتان

۱۔ باب کیف کان بدؤ الوحی

(۱) وحی کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ

وَحیٰ، وَحیٰ یَحِیْ سے مصدر اور اسم مصدر ہے۔ جس کے متعدد معانی اہلِ لغت نے بیان کئے ہیں (آ) رازدارانہ گفتگو (۲) خفیہ اشارات (۳) باہمی خط و کتابت (۴) پُراسرار پیغام (۵) مخفی کنایات (۶) کشف والہام (۷) تیز رفتار خبرنامہ ـــــــــــ

اہلِ عرب کہا کرتے ہیں۔ وَحَیْتُ اِلَیْہِ الکَلَامَ وَاَوْحَیْتُہٗ یعنی میں نے اُس سے پُراسرار گفتگو کی۔ دراصل ہر ایسی گفتگو جو پردۂ راز میں ہو۔ اور جسے دورانِ تخاطب سامع و متکلم کے سوا کوئی فرد نہ سمجھ پائے۔ اُسے وحی کہتے ہیں خواہ وہ اشارات و کنایات سے ہو یا تحریر و کتابت سے۔ خواہ غیر واضح کلمات سے ہو یا کشف و الہام سے خواہ اس کا مخاطب انسان ہو یا حیوان، ذی روح ہو یا کوئی شئے جامد یہ عموم قرآنی آیات سے مؤید ہے اور ہر ایک عمومی معنیٰ میں قرآنی آیت موجود ہے۔ علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں الوحی الاشارۃ السریعۃ فی خفیۃ یعنی وحی کا اطلاق ایسی گفتگو پر ہوتا ہے جس میں تین اُمور موجود ہوں (۱) اشارہ کر اختصار سے مفہوم ادا کیا جائے (۲) سرعت (۳) فی خفیہ کر کسی کو خبر بھی نہ ہونے پائے اور مخاطب مفہوم کو سمجھ لے۔ قرآن و حدیث میں عموماً باب افعال سے کلمہ وحی کو استعمال کیا گیا ہے جیسے فرمایا اَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ انا اوحینا الیك کما اوحینا الی نوحٍ والنبیین من بعدہ (الایۃ) اَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ (الایۃ) وغیرہ وغیرہ اور دونوں (وَحیٰ یحیٰ اور اَوْحیٰ یُوْحِیْ) کے معنیٰ لغوی اعتبار سے ایک ہی ہیں۔

اصطلاحِ شریعت میں وحی اس کلام کو کہتے ہیں جس کے متکلم ربِّ ذوالجلال ہوں اور مخاطب اللہ تعالیٰ کا منتخب جلیل القدر نبیؑ (الوحی کلام اللہ المنزل علی نبیؐ من انبیائہٖ)

اقسامِ وحی

وحی اپنے عمومِ معنیٰ، کثرتِ استعمال، بہت زیادہ اہمیت اور انتہائی قابلِ قدر ہونے کے سبب مختلف حیثیتوں کی حامل ہے۔

نمبر ۱ : وحی بحیثیت نزول و انتقال

نمبر ۲ : وحی بحیثیت منزل و تکلم

نمبر ۳ : وحی بحیثیت تلاوت و حجیت

نمبر ۱ : وحی بحیثیت نزول و انتقال : امام حلیمیؒ نے نزولِ وحی کی چھیالیس[۴۶]، علامہ سہیلیؒ نے سات، علامہ کریم نے تین[۳]، علامہ راغب اصفہانی نے چھ[۶] اور اکثر محدثین نے چار قسمیں بیان فرمائی ہیں جبکہ احقر کی ناقص تحقیق میں وحی کی دو[۲] قسمیں ہیں۔ نمبر ۱ : وحی بواسطۂ ملائکہ (INDIRECT)

نمبر ۲ :۔ وحی بلا واسطہ ملائکہ (DIRECT)

پہلی صورت میں نازل ہونے والی وحی کی تین[۳] صورتیں ہیں۔ (۱) ملائکہ انسانی شکل و صورت میں وحی لے کر تشریف لائیں۔ جیسے حضرت جبرئیلؑ عموماً سیدنا دحیہ کلبیؓ کی شبیہ میں حاضر ہوتے۔

(۲) سیدنا جبرئیلؑ، جناب اسرافیلؑ اور دیگر ملائکہ اپنی اصلی شکل و صورت میں وحی لے کر اُتریں۔

(۳) بحالتِ خواب ملائکہ حضرات انبیاءؑ کو پیغامِ ربّانی پہنچائیں۔

دوسری صورت میں نزولِ وحی کی پانچ[۵] کیفیتیں ہیں (۱) خود باری تعالیٰ کا کلام فرمانا۔ جیسے شبِ معراج خالقِ کائنات متکلّم تھے اور مقصودِ کائناتؐ مخاطب (۲) حجابات کے اُٹھائے بغیر محب اور محبوب ہم کلام ہوں (۳) قلب و نظر میں علوم و معارف کو اُتار دیا جائے (۴) سوئے ہوئے بصورتِ خواب وحی نازل ہو (۵) گھنٹی اور زنجیر کی گنگناہٹ اور جھنکار میں وحی کا نزول ہو ——— میرے اس قول کی تائید اُن جملہ آیات و احادیث سے ہوتی ہے۔ جن میں نزولِ وحی کا بیان ہے۔ بطورِ مثال تین دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) حدیث الباب : عَنْ عَائِشَۃَؓ .... یَا رَسُوْلَ اللّٰہِؐ کَیْفَ یَأْتِیْکَ الْوَحْیُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ أَحْیَانًا یَأْتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَۃِ الْجَرَسِ وَ اَحْیَانًا یَتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَکُ رَجُلًا ○ (بخاری ص۲) یعنی مجھ پر وحی دو[۲] انداز میں نازل ہوتی ہے کہ کبھی ملائکہ کے واسطے کے بغیر صَلْصَلَۃُ الْجَرَسِ کی کیفیت میں اور کبھی بواسطۂ ملائکہ کہ فرشتے انسانی شکل و صورت میں تشریف لاتے ہیں۔

(۲) ارشادِ باری : وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا ○ (القرآن پارہ ۲۵) یعنی خالق و مخلوق کا ربط و مکالمہ صرف دو[۲] ہی صورتوں میں ممکن ہے نمبر ۱ :۔ کہ ربّ ذوالجلال حجابات میں خود تکلّم فرمائیں۔ بیچ میں ملائکہ کا واسطہ نہ ہو نمبر ۲ :۔ کسی نمائندہ فرشتے کو بھیج کر انسانِ کامل تک اپنا پیغام پہنچائیں تو گویا آیت مذکورہ میں کلمہ اَوْ، وَحْیًا کی تقسیم کے لئے استعمال ہوا ہے کہ ایک وحی مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ہوتی ہے۔ اور دوسری ارسال رسول (ملائکہ) کے ذریعے سے

۳۔ دلیلِ فکری :

اگر وحی کو دو[۲] سے زیادہ قسموں میں تقسیم کیا جائے تو دو[۲] سے زیادہ اقسام آپس میں ایک دوسرے کے قسیم اور مباین بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جبکہ بالاجماع ایک چیز کے اقسام ایک دوسرے کے قسیم اور مباین ہوتے ہیں۔ جن کا اجتماع محل

واحد میں محال ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ وحی کی حقیقی اقسام دو ہی ہیں۔ بقیہ بیان کردہ اقسام انہی دو قسموں کی مختلف کیفیات کا نام ہے۔

(۲) وحی بحیثیت منزل و تکلم : نزولِ وحی کے بعد بحیثیت کلام کے وحی کی دو قسمیں ہیں نمبر۱: وحی ظاہر نمبر۲: وحی باطن۔ جہاں حضور انور نے پہلے اجتہاد سے کام لیا اور پھر اجتہادی حکم کی تائید، وحی ربانی سے ہوئی تو ایسی وحی حضراتِ فقہاء کے ہاں وحی ظاہر کہلاتی ہے اور جہاں حضور اکرم نے نازل شدہ وحی کے مطابق احکام بیان فرمائے۔ وہ وحی، وحی باطن کے نام سے موسوم ہے۔

نمبر۳: وحی بحیثیت تلاوت و حجیت : اس حیثیت سے وحی کی دو قسمیں ہیں نمبر۱: وحی متلو نمبر۲: وحی غیر متلو۔ ایسی وحی کہ جس کے کلمات کو بصورتِ قرآن تحریر کرا دیا گیا ہو اور اُمتِ مسلمہ کو ان کلمات کے حفظ اور صلوٰۃ و قیام میں تلاوت کا حکم دیا گیا ہو۔ ایسی وحی، وحی متلو کہلاتی ہے اور وہ وحی جس میں شرائطِ بالا نہ پائے جائیں تو وہ وحی، وحی غیر متلو ہے۔ حضرات انبیاء کے علاوہ وہ دیگر جملہ شخصیات جو مقامِ ولایت اور صحابیت پر فائز ہیں۔ یا اُن کا کسی درجے نسبتاً عقیدۃً، خدمۃً حضرات انبیاء سے تعلق ہے۔ انکی طرف نسبت شدہ وحی الہام، کشف اور تسخیر کے معنیٰ میں ہے جیسے مجازاً کلمہ وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳۔ ترجمہ و تشریح حدیث

سیدہ عائشہ رض نقل کرتی ہیں کہ جناب حارث بن ہشام نے حضورِ انور سے دریافت کیا ——— اللہ کے رسول آپ پر وحی کیسے اُترتی ہے جواباً حضور اکرم نے فرمایا کہ بعض اوقات گھنٹی کی جھنکار کی مانند ——— اور یہ طریقۂ نزول مجھ پر بہت ہی زیادہ گراں گزرتا ہے اور جیسے ہی یہ نزولی کیفیت مجھ سے منقطع ہوتی ہے تو میں وہ تمام نازل شدہ وحی کو یاد کر چکا ہوتا ہوں جو کچھ کہ وحی میں کہا گیا ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھار فرشتہ انسانی شکل و صورت میں ہمکلام ہوتا ہے۔ اور یہ وحی بھی میں حفظ کر لیتا ہوں سیدہ عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میں نے موسمِ سرما کے ٹھنڈے دنوں میں نزولِ وحی کے وقت حضور انور کو دیکھا کہ آپ پر سے نزولِ وحی کے منقطع ہو جانے کے باوجود پیشانی مبارک سے پسینہ بہتا تھا جیسے کہ رگ سے خون جاری ہو ———

حدیث الباب میں نزولِ وحی کی کیفیت کے بارے میں حضور انور سے سوال کیا گیا ہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھ پر دو طرح سے وحی کا نزول ہوتا ہے۔ (۱) بواسطہ ملائکہ (۲) بلا واسطہ ملائکہ۔ نیز اس حدیث مبارک سے تین امور ثابت ہو رہے ہیں (۱) صداقتِ وحی (۲) عظمتِ وحی (۳) عصمتِ نبوت۔ موسمِ سرما میں پسینے کا پھوٹ بہنا اور ساتھ ہی حضور انور کا اَشَدُّہٗ عَلَیَّ فرمانا عظمتِ وحی کی دلیل ہے۔ بلا اختیار بغیر کسی تکلف کے موسم جاڑا میں بدن پر پسینے کا جاری ہو جانا صداقتِ وحی کی دلیل ہے۔ کیونکہ انسان فنکاری اور تکلف سے شدید سردی

کے دنوں میں پسینہ ظاہر نہیں کر سکتا۔ اب جب وحی کی عظمت اور صداقت دونوں ثابت ہو چکیں تو عصمت نبوت بھی ثابت ہو گئی۔ کیونکہ بالاجماع صاحبِ وحی والی نبوت معصوم ہوتا ہے۔

۴۔ صَلْصَلَةُ الجَرَس کی حقیقت

نزولِ وحی کے وقت ایک مُسلسل راز دارانہ مُبہم آواز کو حدیث الباب میں مثل صَلصلة الجرس کے کلمات سے نقل کیا گیا ہے۔ جبکہ اسی آواز کو بعض روایات میں کسلسلة علی صفوان (جیسے زنجیر کی آواز پتھر پر) اور کدوی النحل (جیسے شہد

۵۔ ترجمۃ الباب کا حاصل

ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ نے کیف کان بدؤ الوحی فرما کر یہ تاثر دیا ہے کہ ترجمۃ الباب کے ضمن میں صرف ان احادیث کو نقل کیا جائے گا جن کا تعلق ابتداءِ وحی سے ہوگا۔ یعنی کہ نزولِ وحی کی ابتداء کیسے ہوئی جبکہ امام بخاریؒ نے اس ترجمۃ الباب کے ضمن میں اُن تمام احادیث کو نقل کر دیا ہے جن کا کسی درجے وحی سے تناسب ہے۔ چند جوابات ملاحظہ ہوں۔

۱ حضرت شاہ ولی اللہ رح محدّث دہلوی فرماتے ہیں کہ بدؤ الوحی میں اضافت بیانی ہے۔ تو حاصل یہ کہ کیف کان الابتداء الوحی الی ــــ رسول اللہ ﷺ یعنی ترجمۃ الباب کے ضمن میں وحی کی احادیث کو مطلقاً بیان کیا جائے گا خواہ اُن کا تعلق ابتداء سے ہو یا انتہاء سے۔ ۲ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ بدؤ الوحی میں بدء بمعنی ابتداء نہیں بلکہ بدء ظہور اور وجود کے معنی میں ہے اور یہ عدم کی ضد ہے۔ حاصلِ اضافت یہ ہے کہ جو وحی سیدنا عیسیٰؑ کے بعد منقطع ہوئی تھی پھر اس کا ظہور کیسے ہوا اب مندرجہ ذیل تمام احادیث ظہورِ وحی کے بارے میں ہیں خواہ وحی کا ظہور نبوت کے ابتدائی زمانہ میں ہوا ہو یا آخر زمانہ میں۔ ۳ علامہ سُہیلیؒ فرماتے ہیں کہ وحی مصدر بمعنی اسم مفعول (موحیٰ) ہے اور موحیٰ سے مراد قرآن و حدیث ہے یعنی قرآن و سُنّت کی ابتداء کیسے ہوئی۔ جواب ملاکر بواسطہ وحی لہٰذا تمام وحی کی احادیث کو ترجمۃ الباب کے ضمن میں نقل کر دیا گیا۔ ۴ جناب شیخ الہند فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں بیان کردہ تینوں کلمات ۱ کیف ۲ بدء ۳ الوحی میں تعمیم ہے۔ یعنی ترجمۃ الباب میں ان تمام احادیث کو نقل کیا جائے گا۔ جن میں کیفیتِ وحی، ابتداءِ وحی اور مطلقاً وحی کا بیان ہو۔ ۵ احقر کی ناقص رائے میں چونکہ وحی کی اقسام متعدد ہیں اور اُنکی حیثیتیں مختلف جیسا کہ اقسامِ وحی کے ضمن میں تین حیثیتیں تفصیل سے گزریں تو الوحی کو بدء سے مقید کر کے اس جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ یہاں ترجمۃ الباب کے ضمن میں ان تمام احادیث کو نقل کیا جائے گا جن کا تعلق نزول و انتقال اور مبدء (ذاتِ باری) و منتہیٰ (نبیؐ) سے ہے۔ گویا بدء سے نزول و انتقال کی جانب اشارہ ہے۔ اس پر قرینہ کلمۃ اِلی ہے۔ اب عبارت کا حاصل یہ نکلا

کیف کان ــــ نزول الوحی (من مبدأہ) الی ــــ (منتہاہ) رسول اللہ ﷺ ۔

لہٰذا ترجمۃ الباب کے ضمن میں اُن جملہ احادیث کو نقل کر دیا گیا ہے جن میں کیفیتِ نزولِ وحی کا تذکرہ ہے خواہ ابتداءِ زمانہ ہو یا وسط میں یا آخری زمانہ میں۔

۶۔ زیادتیٔ شدّت کی وجوہات

وحی الٰہی میں شدّت اور ثقل ذاتی طور پر موجود ہے ارشادِ ربانی ہے
اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۔

قولِ ثقیل سے وحی الٰہی مُراد ہے یعنی ہم آپ پر ایک بھاری بھرکم کلام نازل کریں گے۔
وحی کی دونوں قسموں میں سے قسمِ اوّل میں زیادہ شدّت کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

(۱) بوجہ کلامِ ربانی : ــــــــ اگر صلصلۃ الجرس وحی الٰہی اور کلامِ نفسی کی اپنی ذاتی آواز ہے تو ظاہر ہے کہ ربِ کائنات کی آواز میں ھیبت بھی ہے اور جلال بھی لہٰذا اس طرح کی وحی آپؐ پر بہت ثقیل رہتی تھی جیسے کہ سیدنا موسیٰؑ کوہِ طور پر بے خود ہوکر گر پڑے تھے۔

(۲) بوجہ تغایرِ صفات : اگر صلصلۃ الجرس ملکوتی آواز ہے تو پھر زیادتیٔ شدت کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اپنی شکل و صورت میں ملکوتی صفات کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے تھے جبکہ امام الانبیاءؑ صفاتِ بشریت میں جلوہ فرما ہوتے تھے، اس تغایرِ صفات کے سبب آپ کو وحی کی شدت زیادہ محسوس ہوتی تھی۔
علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ وحی الٰہی میں شدت و ثقل کا پایا جانا متعدد قرآنی آیات سے ثابت ہے جیسا کہ فرمایا :
لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا (الاٰیۃ) ایسے ہی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے بھی وحی الٰہی کی شدّت کا پتہ چلتا ہے۔ اب یہ شدّت ہمیں وحی الٰہی کی قرأت اور تلاوت کے وقت محسوس کیوں نہیں ہوتی اُسکی وجہ یہ ہے کہ یہ جلالی کلام جب حضور انورؐ کے سینۂ اطہر اور لسانِ مُبارک سے اُمت کی طرف منتقل ہوا تو یہ کلام شانِ جمالی سے موصوف ہوگیا۔ سُبحان اللہ !

۷۔ ترجمۃ الباب سے ربط

حدیث الباب میں عظمتِ وحی کا ذکر ہے لہٰذا ان شراحِ حدیث کے نزدیک مناسبت موجود ہے جو وحی کو ابتداء سے مقید نہیں کرتے جن شارحین کے ہاں بدأ بمعنی ابتداء ہے اور ترجمۃ الباب میں ابتدائے وحی کا دعویٰ ہے اُن کے نزدیک غارِ حرا میں پہلی وحی کی وقت جناب جبرئیل تشریف لائے تھے اور حدیث الباب میں نزولِ ملائکہ کا تذکرہ ہے لہٰذا ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں ربط موجود ہے۔

۸۔ خط کشیدہ الفاظ کی وضاحت

(۱) صلصلۃ الجرس :۔ صلصلہ ایسی مُبہم آواز کو کہتے ہیں جو پہلے پہل نہ سمجھی جاسکے علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں ہر کھڑک دار چیز کی آواز کا نام صلصلہ ہے۔ جیسے لوہے کی آواز، لگام کی آواز، پروں کی آواز وغیرہ وغیرہ **جرس** وہ گھنٹی جو جانوروں کے گلے میں لٹکائی جائے۔

(۲) فیفصم : اس کے اعراب میں تین قول ہیں (۱) یا کی زبر، اور صاد کی زیر یَفْصِم تو یہ ضرب یضرب کے وزن پر مضارع معروف کا صیغہ ہے (۲) یا کی پیش اور صاد کی زبر یُفْصَمُ تو اس صُورت میں یہ مضارع مجہول کا صیغہ ہوگا۔

(۳) یا کی پیش اور صاد کی زیر یُفْصِمُ گویا یہ باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ پہلا قول زیادہ معروف اور ہے فصم کے معنی کاٹنے کے ہیں جیسا کہ کلام ربانی ہے: لا انفصام لھا۔

(۴) وعیت الوعی کے معنی سمجھنے اور یاد کرنے کے ہیں کہا جاتا ہے وعیت العلم میں نے معلومات کو حفظ کر

(۴) یتمثل: یہ مثال سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کے ہم مثل ہوجانے کے ہیں۔

(۵) رجلا: رجل مرأۃ کی ضد ہے اس کی ترکیب میں تین قول ہیں (۱) بوجہ تمیز منصوب ہے (۲) بوجہ حال ہونے کے منصوب ہے (۳) منصوب بنزع الخافض ہے۔ یعنی یہاں کلمۂ صورت مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہو صورۃ رجل لفظ صورت کو حذف کرکے رجل کو منصوب بنا دیا گیا۔

(۶) جبینہ: جبین پیشانی کو کہتے ہیں۔

(۷) لیتفصد: تفصد کے معنی کسی مائع چیز کے بہنے کے ہیں اسی سے کلمۂ فصد ہے جس کے معنی ہیں رگ سے خون نکلوانا

(۸) عرق: ایسی رطوبت جو بدنِ انسانی کے مساموں سے رسے یعنی پسینہ۔

(۹) سوال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی پہلی کیفیت کو بیان فرماتے ہوئے کلماتِ وحی کے حفظ اور یادگیری کو فعل ماضی وعیت سے اور وحی کی دوسری کیفیت کے حفظ کو فعل مضارع (اعی) سے تعبیر فرمایا اس میں کیا حکمت ہے؟ — چند جوابات ملاحظہ ہوں۔

جوابات: (۱) علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں جیسے ہی وحی کا نزول مکمل ہوتا اور وحی کی آمد کا سلسلہ منقطع ہونے لگتا حضور انور اس نازل شدہ وحی کو حفظ فرما چکے ہوتے اس لئے اس حفظ کو فعل ماضی سے تعبیر فرمایا۔ جبکہ دوسری صورت میں نزولِ وحی کے وقت سیدنا جبرئیلؑ حضور انور سے ہم کلام ہوتے اور دورانِ گفتگو حضور انور ساتھ ساتھ وحی کو یاد فرماتے رہتے اس لئے اس حفظ کو زمانۂ حال سے تعبیر فرمایا۔

(۲) علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی کیفیت میں نزولِ وحی کے وقت حضورِ انور ملکی اور نورانی صفات سے موصوف ہوجاتے تھے جیسے ہی نزولِ وحی کا سلسلہ منقطع ہوتا، آپ اپنی پہلی بشری اور فطری کیفیت میں جلوہ افروز ہوجاتے اور نازل شدہ وحی آپ کو یاد ہوچکی ہوتی اس لئے اس حفظ کو آپ نے فعل ماضی سے تعبیر فرمایا جبکہ دوسری کیفیت میں آپ اپنی بشری کمالات کے ساتھ ہی وحی کے کلمات کو سنتے اور ساتھ ساتھ یاد فرماتے اس لئے اس حفظ کو فعل مضارع (زمانۂ حال) سے تعبیر فرمایا۔

(۳) کلمۂ قد کے آجانے سے فعل ماضی زمانۂ حال کے معنی میں ہوجاتا ہے۔ لہٰذا وعیت اور اعی دونوں بمعنیٰ حال ہیں۔ فرق نہ ہونے کے سبب اشکال باقی نہ رہا۔

۱۳۸۴ھ :- عن عائشة رضی الله عنها ان الحارث بن هشام سأل رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقال یا رسول الله کیف یاتیک الوحی؟ فقال رسول الله صلی الله علیہ وسلم: احیاناً یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشدّہ علی فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال واحیاناً یتمثل لی الملک رجلاً فیکلمنی فاعی مایقول، قالت عائشة: ولقد رأیته ینزل علیه الوحی فی یوم شدید البرد فیفصم عنه وان جبینه لیتفصّد عرقاً۔

بینوا شرح الکلمات المخطوطة واوضحوا وجه اشدّیة القسم الاول من الثانی وقد جاء فی صحیح مسلم مرفوعاً ان الملائکة لا تصحب رفقة فیهم جرس فکیف وقع تشبیه الوحی بهذا الشیٔ القبیح؟ وکیف یصح حصر الوحی فی هٰذین القسمین مع ان الوحی قد یکون من غیر توسط الملک فی لیلة الاسراء من فرضیة الصلوٰة وقد یکون فی المنام کما فی حدیث معاذ اتانی ربی فقال فیم یختصم الملاء الاعلیٰ لحدیث اخرجه الحاکم وفبینوا انواع الوحی وفروقها واحکامها وحرروا وجه ارتباط هٰذا الحدیث بترجمة الباب۔

۱۳۹۴ھ :- اخرج المؤلف حدیث عائشة من طریق مالک فی باب بدء الوحی: فیه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: احیاناً یاتینی مثل سلسلة الجرس وهو اشدہ علی فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال واحیاناً یتمثل لی الملک رجلاً فیکلمنی فاعی مایقول۔ علیکم لبشرح الحدیث شرحا وافیا بحیث ینکشف منه الفرق بین قسمی الوحی ثم بینوا ان سلسلة الجرس صوت الوحی او صوت اجنحة الملک؟ ثم حققوا الوحی تحقیقا لغویا و شرعیا مع بیان اقسام الوحی فی ضوء اقوال العلماء والجهابذة فی هٰذا الصدد۔ ولظهر من الحدیث ان الوحی منحصر فی هٰذین القسمین هل هو صحیح؟ وهل هو المراد من قول المؤلف باب بدء الوحی؟

تنظیم المدارس

۱۳۹۴ھ :- سئل رسول الله فقال یا رسول الله کیف یاتیک الوحی۔
اس حدیث میں وحی کی دو کیفیات ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی صورت میں لفظ "وعیت" ماضی اور "فاعی" کیوں ذکر کیا۔

۱۳۹۷ھ :- حدیث مذکور میں وحی کی دو قسموں کا ذکر ہے۔ ان میں فرق بیان کرو اور بتاؤ ان میں پہلی قسم کیوں اشد تھی؟ اور لفظ "صلصلة الجرس" کی تشریح کرو۔ ۱۴۰۵ھ

۳ - حدیثِ غارِ حراؑ

(۱) - ترجمہ

سیّدہ عائشہ رضؓ امّ المومنین نے فرمایا سب سے پہلی وہ چیز جس سے نزولِ وحی کی ابتداء ہوئی۔ (وہ) دورانِ نیند دیکھے جانیوالے سچّے خواب تھے اور حُضورِ انورؐ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ آئے دن روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتے پھر آپؐ نے خلوت نشینی پسند فرمائی اور غارِ حرا میں تن تنہا رہنے لگے۔ جس میں آپؐ گنتی کی محوِ تَحَنُّث رہتے اور تَحَنُّث کے معنیٰ ہیں عبادت کرنا۔ قبل اسکے کہ آپؐ اپنے اہلِ خانہ کی طرف واپس لوٹیں اور ان دِنوں کے لئے توشہ (زادِ راہ) ساتھ لے لیتے۔ پھر (جب زادِ راہ ختم ہو جاتا تو) سیّدہ خدیجہ رضؓ کے ہاں لَوٹ آتے اور اِتنی ہی مقدار میں سامانِ خورد و نوش ساتھ لے لیتے۔ یہاں تک کہ آپؐ غارِ حرا میں خلوت نشین تھے کہ حق و صداقت (وحی) کی نوید آ پہنچی، حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور کہنے لگے۔ اِقْرَأْ جواباً حضور انورؐ نے فرمایا۔ کہ میں (کسی مخلوق سے) پڑھنے والا نہیں، نیز آپؐ نے بیان فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ نے مجھے تھامتے ہوئے ایسا دبوچا کہ میں تکلیف محسوس کرنے لگا تو مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا اقرأ (آپؐ پڑھیئے) میں نے جواب دیا کہ میں (کسی غیر اللہ سے) پڑھنے والا نہیں تو حضرت جبرئیلؑ نے مجھے پکڑتے ہوئے دوبارہ دبوچا، میں نے گرانی محسوس کی تو مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا اِقرأ میں نے حسبِ سابق مَا اَنَا بِقَارِئٍ سے جواب دیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے مجھے تھامتے ہوئے تیسری بار دبوچا، چھوڑا اور کہا، اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ ـــــ خَلَقَ (الآیہ) اے محبوبؐ اپنے مُحبّ کے نام کی برکت سے پڑھیے جو خالقِ انس و جان ہے۔ جس نے گاڑھے خُون سے انسان کو پیدا کیا۔ آپؐ پڑھیے آپؐ کا داتا بہت ہی بزرگ و بالا ہے۔ حُضورِ انورؐ نے کانپتے ہوئے دِل سے کلمات کو بار بار دُھرایا اور اس کیفیّت میں سیّدہ خدیجہ رضؓ ـــــ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ مجھے گرم کپڑا اوڑھا دو، اوڑھا دو۔ حاضرینِ مجلس نے آپکو کمبل اوڑھیا تو آپؐ سے خوف جاتا رہا۔ حضور انورؐ نے سیدہ خدیجہ رضؓ ـــــــــ کو اس واقعہ کے بارے میں بتلایا اور فرمایا کہ مجھے اپنے میں خوف محسوس ہوتا ہے (تو جواباً) حضرت خدیجہ رضؓ نے فرمایا ہرگز نہیں خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رنجیدہ خاطر

(بقیہ ـــ ـــ ص ۳۶)

کی مکھی کی آواز) کے کلمات سے تعبیر کیا گیا ہے مقصود ایک غیر واضح تیز رفتار آواز کی جانب اشارہ کرنا ہے۔ حضرات محدّثین سے اس آواز کے بارے میں چار اقوال مروی ہیں۔ (۱) یہ وحی الٰہی اور کلامِ نفسی کی اپنی ذاتی حقیقی آواز ہے (۲) یہ ایک تنبیہی الارم ہے تاکہ حضرات انبیاءؑ عالمِ قدس کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ (۳) یہ حضرات ملائکہ کے پَروں کی آواز ہے جو تیز رفتاری کے سبب پیدا ہوتی ہے (۴) یہ فرشتوں کے تکلّم گفتگو اور بیانِ وحی کی آواز ہے۔

نہیں فرمائیں گے، کیونکہ آپؐ تو وہ ہیں جو خاندانوں کو جوڑتے ہیں۔ لاوارثوں کے بوجھ کو اُٹھاتے ہیں۔ ایسی نایاب چیزیں جو آپکے علاوہ کسی سے میسر نہیں ہمہ وقت لُٹاتے رہتے ہیں۔ مہمان نوازی میں ہمہ دم رہتے ہیں اور راہِ حق میں تکالیف جھیلنے والوں کے معین و مددگار ہیں۔ سیدہ خدیجہؓ آپؐ کو ساتھ لئے جناب ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں جو سیدہ خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے اور وہ ایک ایسے شخص تھے جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی بنے خطِ عبرانی لکھنا جانتے تھے اور انجیلِ مقدس کو مشیتِ ایزدی کے مُطابق عبرانی زبان میں لکھتے تھے زیادہ بوڑھے ہو جانے کے سبب نابینا ہو گئے تھے۔ اُن سے حضرت خدیجہؓ مخاطب ہوئیں اور فرمایا کہ اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سُنیئے۔ تو جناب ورقہؓ نے پوچھا کہ اے بھتیجے آپؐ نے کیا دیکھا۔ حضورِ انورؐ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرما دیا۔ جناب ورقہ نے فرمایا یہ وہ برگزیدہ فرشتے ہیں جنہیں ربِ کائنات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ کاش! میں ان دنوں جوان ہوتا اے کاش میں اُس وقت تک زندہ رہتا جب آپکی قوم آپ کو مکہ سے روانہ کرے گی۔ حُضورِ انورؐ نے فرمایا۔ کیا یہ اہلِ مکہؐ مجھے ہجرت پر مجبور کر دیں گے؟ جناب ورقہؓ نے کہا ہاں کیونکہ جب کبھی انسانِ کامل اس طرح کی نوید لے کر آئے جو آپ لائے ہیں۔ تو اُن کے ساتھ دُشمنی کا برتاؤ کیا گیا۔ اور اگر میں اُن دِنوں تک جیتا رہا تو آپکی بھرپور معاونت کرونگا۔ پھر زیادہ زمانہ نہ گزرا کہ جناب ورقہؓ انتقال کر گئے اور وحی کا آنا بند ہو گیا۔

علامہ ابن شہاب جناب ابو سلمہؓ کے واسطے سے حضرت جابرؓ کی وہ حدیث نقل کرتے ہیں جس کا تعلق انقطاع وحی کے زمانہ سے ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ میں ایک روز چلا جا رہا تھا کہ مجھے اچانک ایک آسمانی آواز سُنائی دی نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ فرشتے جو غارِ حرا میں تشریف لائے تھے۔ آسمان و زمین کے مابین کرسی بچھائے تشریف فرما ہیں۔ میں قدرے خوف زدہ ہو کر گھر واپس لوٹا اور کہا کہ مجھے گرم کپڑا اوڑھا دو، کمبل اوڑھا دو تو اللہ تعالیٰ نے یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ــــ الخ کی آیات نازل فرمائیں (اے کملی والے اُٹھئے۔ اُمت کو ڈرائیے۔ اپنے پروردگار کی عظمت و بڑائی بیان کیجئے۔ کپڑوں کو پاک رکھیئے اور معبودانِ باطلہ سے کنارہ کش رہیئے)۔ ان آیات کے بعد وحی کا تانتا بندھ گیا اور مسلسل وحی کا نزول ہوتا رہا۔

۲۔ فقہ و نظر

حدیث الباب سے کئی امور ثابت ہوئے ہیں جن کی اجمالی تفصیل درج ذیل ہے (۱) سب سے پہلی وحی اقرأ باسم ربک الذی خلق الآیۃ کا نزول غارِ حرا میں ہوا (۲) نزولِ وحی سے قبل کئی مُدت تک حضورِ انورؐ پر سچے خوابوں کے ذریعے علومِ تکوینیہ غیبیہ کا نزول ہوتا رہا (۳) جو کچھ مستقبل میں ہونے والا ہوتا آپ کو بذریعہ خواب پہلے مطلع کر دیا جاتا (۴) تقربِ الٰہی کی خاطر خلوت نشینی مسنون ہے (۵) حضورِ انورؐ کا غیر اللہ سے نہ پڑھنے کا اعلان (۶) سیدہ خدیجہؓ اور جناب ورقہؓ کی تصدیق ساتھ ہی جناب ورقہؓ کا اجمالی تعارف (۷) جناب ورقہؓ کی بصیرت و دیدۂ بینا پیشین گوئیاں (۸) زمانۂ فترت کے بعد نازل شدہ سورہ مدثر کی چند آیات کا تذکرہ

۳۔ غارِ حرا کا انتخاب

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضورِ انورؐ نے خلوت و عبادت کے لئے غارِ حرا کا چناؤ درج ذیل اُمور کے سبب فرمایا ہے۔ (۱) آپ کے جدِ امجد جناب عبدالمطلبؓ حضرات انبیاء سابقین اور اولیاء عارفین اسی غارِ حرا میں عبادت کرتے چلے آ رہے تھے (۲) اس غار کا محلِ وقوع کچھ ایسا ہے کہ یہ غار عبادت و خلوت کے لئے نہایت موزوں ہے۔ مکہ مکرمہ سے نہ ہی بہت زیادہ دُور ہے اور نہ ہی بالکل قریب۔ پہاڑ کی اونچائی نہ ہی بہت زیادہ بلند ہے اور نہ ہی انتہائی مختصر۔ غار ایک مربع شکل میں ہے جس میں آدمی بسہولت قیام کر سکتا ہے اور رکوع و سجدہ کی بجا آوری اسمیں باآسانی ممکن ہے (۳) غارِ حرا کا مغربی حصّہ بیت اللہ کی جانب جھکا ہوا ہے۔ جہاں سے کعبۃ اللہ، میزابِ رحمت اور ملتزم کے در و دیوار باآسانی نظر آتے ہیں۔ یقیناً ان مقاماتِ مقدسہ کی زیارت افضل ترین عبادت ہے۔ گویا غارِ حرا میں خلوت گزینی سے تین سعادتیں میسر آتی ہیں (۱) فکر :۔ خلوت و مراقبہ (۲) ذکر :۔ عبادت و مجاہدہ (۳) نظر :۔ بیت اللہ اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت۔

۴۔ عبادت کا تعیّن

اعلانِ نبوّت سے قبل غارِ حرا میں کی جانیوالی عبادت کس شریعت کے مطابق ہوتی تھی؟ اس بارے میں حضراتِ محدّثین سے آٹھ اقوال مروی ہیں (۱) سیدنا آدم کے دین کے مطابق (۲) سیدنا نوحؑ کی شریعت کے مطابق (۳) ملّتِ ابراہیمیؑ کے مطابق (۴) دینِ موسویؑ کے مطابق (۵) شریعتِ عیسویؑ کے مطابق۔ (۶) فطرتِ سلیمہ کے مطابق (۷) اپنی عقل و فراست کے مطابق (۸) صرف مراقبہ اور کائناتِ فطرت میں غور و فکر ہوتا تھا عملی عبادت نہ ہوتی تھی۔ احقر کی ناقص رائے میں حضورِ انورؐ کی خلوت و عبادت اُن سچّے الہامی خوابوں کے مطابق ہوتی تھی، جنکی آمد کا سلسلہ نزول وحی سے قبل ہو چکا تھا۔ آپؐ کی ہر طرح کی راہنمائی خواہ اُس کا تعلق خلوت و عبادت سے ہو یا غارِ حرا کے چناؤ سے، خواہ گنتی کی چند راتوں سے ہو یا زادِ راہ سے۔ تمام امور میں مقصودِ کائنات کی رہنمائی ربِّ کائنات کی جانب سے خوابوں میں کر دی جاتی تھی۔ میرے اس قول کی تائید درج ذیل دلائل و قرائن سے ہوتی ہے (۱) حضورِ انورؐ بالاجماعِ انبیاء کے نبی (نبی الانبیاء) رسولوں کے رسول اور تمام متبوعین کے متبوع تھے۔ کسی نبی اور رسول کی نبوت و رسالت کی اتباع و اطاعت حضورؐ کے مقام و منصب کے منافی ہے (۲) اقوالِ بالا سے اُن تمام نصوص و احادیث کی مخالفت لازم آتی ہے جن میں حضورِ انورؐ کی ذاتِ طیبہ اور آپکے اسوۂ حسنہ کو مُطلقاً بالکلیہ کامل و اکمل اور ائمہ و انبیاء کے لئے متبوع و مطاع قرار دیا گیا ہے (۳) حدیث الباب کے سیاق و سباق سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ ابتدا" رویائے صالحہ کی آمد ہی اسکے بعد آپؐ نے خلوت نشینی کو غارِ حرا میں پسند فرمایا اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے یقیناً خلوت و عبادت کا اشتیاق، غارِ حرا کا چناؤ، بابرکت راتوں کا تعیّن اور طریقۂ عبادت کی تعیین انہی خوابوں ہی کے ذریعے سے ہو چکی تھی۔

۵۔ تین بار معانقہ میں حکمت

اس عنوان کے ضمن میں حضراتِ محدّثین نے دو طرح سے بحث کی ہے۔ (۱) جنابِ جبرئیل نے حضورِ انورؐ سے معانقہ کیوں کیا (۲) معانقہ

تین مرتبہ کیوں کیا گیا۔ تفصیل درج ذیل ہے (۱) ان دونوں اُمور کی حکمت ربّ کائنات ہی جانتے ہیں، آب و گل کی آمیزش سے تیار شدہ انسان ان حقائق کے ادراک سے عاجز ہے (۲) علامہ سُہیلیؒ فرماتے ہیں کہ متعدد بار دبوچنے سے مقصود حضور انورؐ کو عالمِ نورانیت، نظام بانے رُوحانیت کی طرف متوجہ کرنا تھا (۳) علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ پہلے معانقے سے مقصود حضور انورؐ کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز کرنا تھا۔ دوسرے ملاپ سے اخذِ وحی کے لئے استعداد اور تیسرے قرب سے عالم ملکیت سے اتحاد و موانست پیدا کرنا مقصود تھا (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ ان متعدد ملاپوں کے ذریعے رُوحانی تأثیرات حضورؐ کی جانب منتقل فرما رہے تھے اور ہر بار ملاپ سے تدریجاً حضورِ انورؐ میں ایک نئی کیفیت پیدا ہوئی، اور جب تیسری بار دبوچنے سے نسبتِ اتحادی پیدا ہوئی تو حضور انورؐ نے نازل شُدہ آیات کی تلاوت فرمائی ——— حضرات صوفیاء نے چار طرح کی نسبتیں بیان فرمائی ہیں (۱) نسبتِ انعکاسی (۲) نسبتِ القائی (۳) نسبتِ اصلاحی (۴) نسبت اتحادی۔ جناب جبرائیل کی مُلاقات سے نسبتِ انعکاسی تینؔ بار معانقوں سے بالترتیب نسبتِ القائی، اصلاحی اور اتحادی پیدا ہوئی۔ (۵) علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ تین بار دبوچ کر تین عظیم مصائب کی طرف اشارہ فرمایا۔ کہ آپؐ کو اعلانِ نبوت کے بعد تین کٹھن مراحل سے گزرنا ہوگا (۱) قریشِ مکہ کی مخالفت اور اُن کا بائیکاٹ جیسے شعب ابی طالب میں نظر بندی (۲) ترکِ وطن جیسے ہجرتِ مدینہ (۳) متعدد غزوات میں شمولیت ———

۶۔ خشیتِ نفس کی وضاحت

حدیث کے جُملے لقد خشیت، علی ——— نفسی کی تفسیر میں حضراتِ محدثین سے بارہ اقوال مروی ہیں جن میں سے اکثر صحیح نہیں کیونکہ شارحین نے اس جُملے کی تشریح کے وقت منصبِ نبوت اور امامتِ رسالت سے صرف نظر کیا ہے۔ صحیح توجیہات درج ذیل ہیں ———

(۱) علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ حضور انورؐ واقعہ گزشتہ کی اطلاع دے رہے ہیں کہ جب جبرائیلؑ تشریف لائے تو اُن کی اچانک آمد سے مجھے خوف محسوس ہوا (۲) علامہ گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ حضورِ انورؐ نے مستقبل میں پیش آمدہ خطرات و مصائب کے پیش نظر فرمایا کہ مجھے ان کے تصور سے کپکپی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی جیسا کہ اس بات کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ما ادری ما یفعل بی ولا بکم (الایہ) (۳) مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جناب جبرائیل کے تینؔ مرتبہ دبوچنے سے حضور انورؐ کو جو گرانی سی محسوس ہوئی۔ اس گرانی کا اظہار اس جُملے سے فرما رہے ہیں (۴) اکثر کو مذکورہ جملے کے سیاق و سباق سے جو بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ حضور انورؐ کو خارجی واقعات کی خبر دیتے ہوئے دوبارہ ویسے خوف محسوس ہونے لگا جیسا خوف نزولِ وحی اور جناب جبرائیل کی ملاقات کے وقت آپؐ کو پیش آیا تھا۔ یعنی حضور انورؐ جب بحالت خوف و اضطراب گھر تشریف لائے کمبل طلب فرمایا تو کمبل اوڑھنے کے بعد خوف جاتا رہا۔ جیسا کہ حدیث الباب میں ہے فزملوہ حتی ذھب ——— عنہ الروع ——— لیکن جب ان واقعات کی تفصیل حضور انورؐ نے

سیدہ خدیجہ [illegible] فرمایا تو دوران بیان دوبارہ حضور انور ؐ کو خوف محسوس ہوا تو فرمایا لقد خشیت علی نفسی کہ مجھے دوبارہ [illegible] ہے۔

۷۔ پہلی وحی کی تاریخ

اکثر محدثین کے نزدیک غار حرا میں جناب جبرائیل ؑ بروز پیر سترہ رمضان المبارک کو تشریف لائے یہ حضور اکرم ؐ کی ولادت کا چالیسواں سال تھا۔

۸۔ سیدنا موسیٰ سے تشبیہ کی وجوہات

جناب ورقہ عیسائی تھے جیسا کہ حدیث الباب کے جملے کان امرأ تنصر فی الجاھلیۃ [illegible] سے ظاہر ہے لہذا جناب ورقہ کو [illegible] علیہ [illegible] موسیٰ کی بجائے نزل اللہ علی عیسیٰ کہنا مناسب تھا۔ چند جوابات ملاحظہ ہو۔

۱۔ جامعیت:- دینِ عیسوی کے مقابلے میں دین موسوی قدرے جامع ہے کہ جمال وجلال اور احکام و مواعظ کی دونوں صورتیں شریعت موسوی میں نظر آتی ہیں۔ لہذا جناب ورقہ نے سیدنا موسیٰ ؑ کے نام کو ترجیح دی۔

۲۔ مخالفت و تصادم:- جناب ورقہ نے توراۃ وانجیل کے مطالعہ سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ خاتم النبیین کی مخالفت و مزاحمت سب انبیاء ؑ کی نسبت زیادہ ہوگی اور حضرت موسیٰ ؑ کا تصادم بھی حکومت وفراعنہ وقت سے رہا۔ لہذا اس مناسبت کے سبب سیدنا موسیٰ ؑ کا اسم گرامی لیا گیا۔

۳۔ کثرت وغلبہ:- یثرب وبطحا اور مکہ وحجاز میں حضرت موسیٰ ؑ کے پیروکار سیدنا عیسیٰ ؑ کے متبعین سے کہیں زیادہ تھے۔ نیز سیدنا موسیٰ کو نبوت کے ساتھ امارت ملوکیت بھی عطا کی گئی تھی مقصود کائنات حضور انور ؐ کی ذاتِ مقدسہ میں رسالت و امارت کو جمع ہونا تھا۔ لہذا جناب ورقہ نے سیدنا موسیٰ ؑ سے تشبیہ دی۔

۴۔ استقلال و اکملیت:- سیدنا موسیٰ کی شریعت مستقل بھی تھی اور کسی درجے کامل و اکمل بھی۔ جبکہ سیدنا عیسیٰ کی شریعت، شریعت موسوی کے تابع تھی۔ جناب ورقہ کو معلوم تھا کہ خاتم الانبیاء کی نبوت و رسالت تمام شرائعِ سابقہ کی نسبت کامل و اکمل بھی ہوگی اور مستقل و محکم بھی۔ لہذا جناب ورقہ نے نبوت موسوی سے نبوت محمدیہ کو تشبیہ دی۔

۹۔ زمانۂ فترت

فترت اور انقطاع وحی کی مدت میں اہل سیر سے مختلف اقوال مروی ہیں ۱۔ تین سال ۲۔ دو سال چھ ماہ ۳۔ صرف چھ ماہ۔ پہلا قول صحیح بھی ہے اور تاریخ و حدیث سے مؤید بھی۔

۱۰۔ پہلی وحی کا تعین

قرآن کی سب سے پہلی نازل شدہ آیات کے بارے میں تین طرح کی احادیث حضرات محدثین سے منقول ہیں ۱۔ حدیث الباب جس میں سورۃ العلق کی پانچ آیات کو سب سے پہلی وحی قرار دیا گیا ہے ۲۔ سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات کو پہلی وحی کہا گیا ۳۔ سورۃ الفاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی۔

ان تینوں احادیث میں حضرات محدثین نے ترتیب یُوں دی کہ قرآنی آیات کے نزول کے اعتبار سے سُورۃ علق کی مذکورہ پانچ آیات کو شرف اوّلیت حاصل ہے، پھر چونکہ تین سال تک وحی کا نزول نہ ہوُا اور دوبارہ وحی کی ابتدا سورہ مدثر کی آیات سے ہوئی تو اس حیثیت سے سورہ مدثر کی ابتدائی آیات کو پہلی وحی قرار دیا۔

ایسے ہی پُوری سورۃ جو سب سے پہلے نازل ہوئی وہ سورۃ فاتحہ ہے تو اس اعتبار سے اُسے اول ما انزل قرار دیا حاصل یہ ہے کہ مختلف تین حیثیتوں سے ہر ایک کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔

۱۱۔ جناب ورقہ کا اجمالی تعارف

زمانہ جاہلیت میں جناب ورقہ بن نوفل اور جناب زید بن نفیل یہ مشہور صحابی رسول سیدنا سعید بن زید جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کے والد ہیں) دینِ حق کی تلاش میں ہمہ دم محوِ تجسس رہتے۔ مُشرکینِ مکہ کے عقائد اعمال اور اخلاقیات سے تنفر کرتے۔ جناب زید بن نفیل تو خود ساختہ مورتیوں کی بناوٹ اور انکی عبادت کی ہر محفل میں مخالفت کرتے اور اسے خلاف عقل قرار دیتے۔ علماءِ یہود سے مُلاقات کی، عیسائی پادریوں سے ملے آخر کار جناب ورقہ بن نوفل نے عیسائیت کو قبول کیا اور جناب زید بن نفیل نے ملتِ ابراہیمی کو۔ جناب زید بن نفیل اعلانِ نُبوت سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے، جبکہ ورقہ بن نوفل نے حضور ؐ کی زیارت بھی کی، نبوت و رسالت کی تصدیق سے مُشرف بھی ہوئے، اور حدیث الباب کے حوالے سے ہر طرح کی نصرت وتعاون کا اظہار بھی کیا جناب ورقہ کی وفات کے بعد حُضور انور ؐ نے فرمایا کہ میں نے انہیں جنّت میں سفید ریشمی لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

جناب ورقہ سیّدہ خدیجہ سے تیسری پُشت میں ملتے ہیں سلسلۂ نسب یُوں ہے۔ خدیجہ ؓ بنت خویلد بن اسد اور ورقہ بن نوفل بن اسد۔

۱۲۔ کیا حدیث الباب مُرسل ہے

حدیث الباب سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے۔ جو اس واقعہ غارِ حرا سے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور آپ کا سن پیدائش سن پانچ نبوی ؐ ہے۔ گویا حدیث الباب مرسل ہے، متصل نہیں۔ حضرات محدثین نے دو طرح سے اس اشکال کا جواب دیا ہے

۱۔ سیّدہ عائشہ ؓ نے نکاح ہو جانے کے بعد آنحضرت ؐ سے اس واقعہ کی تفصیل سُنی ہوگی جسے سیّدہ عائشہ نے بیان فرمایا ہے۔

۲۔ حضرات صحابہ ؓ اور حضرات صحابیات ؓ میں سے ایک یا متعدد افراد سے اس واقعہ کو سُنا ہو گا جسے سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ بیان فرما رہی ہیں۔ بہر حال یہ حدیث مرسل ہونے کے باوجود صحیح بھی ہے۔ اور قابلِ استدلال بھی۔

۱۳۔ مشکل اور اہم کلمات کی لُغوی و علمی تحقیق

(۱) فلق الصبح — فلق اور فرق کے معنی روشنی کے ہیں تو فلق الصبح کے معنی ہوئے سپیدۂ سحر۔ اس تشبیہ میں ایک لطیف اشارہ اس جانب ہے کہ اب آسمانِ نبوّت پر حضور انور ؐ کا آفتاب نبوت طلوع ہونے والا ہے جس سے تمام عالم ہدایت و روحانیت سے منوّر ہو جائے گا جس طرح سپیدۂ سحر اس بات کی غماز ہوتی ہے کہ آفتاب مادی اُفقِ آسمان سے طلوع ہونیوالا ہے اسی طرح رؤیا صادقہ اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ

عنقریب آفتاب روحانی کائنات کے افق پر روشن ہونے والا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح سورج عالم مادیت میں یکتا ہے اسی طرح آپؐ عالم رُوحانیت میں یکتا ہیں۔ آفتاب مادّی سے زمین زمان کو روشنی ملتی ہے اور آفتابِ نبوت سے کون و مکان مُنوّر ہیں۔ سُورج کی روشنی سے صُورتیں نُمایاں ہو جاتی ہیں اس آفتاب رُوحانی سے حقائق و معارف واضح ہو رہے ہیں جس طرح آفتابِ مادی کا فیض عام ہے کسی شُعبۂ مخلوق کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اُسکی روشنی دگرمی ہمہ گیر ہے بعینہٖ اسی طرح آفتابِ نبوت کا فیضانِ کرم بھی عام ہے کہ بلاکسی تفریق کے سب کے لئے پیغام رحمت و امن ہے۔ اور اس کے جود و عطا سے ہر کس و ناکس مستفید ہو رہا ہے۔

(۲) ان ینزع :- نزع کے معنی رجوع اور لوٹنے کے ہیں۔ موت کے وقت رجوع و اخراجِ روح کی حالت کو نزع سے تعبیر اسی معنی کے اعتبار سے کرتے ہیں۔

(۳) بلغ منّی الجهد :- یہ بفتح الجیم اور بضم الجیم دونوں طرح مذکور ہے اگر بفتح الجیم جهد ہو تو اس کے معنی قوت و طاقت اور اگر بضم الجیم جُهد ہو اُس کے معنی مشقّت کے ہیں۔ ترکیبِ صرف کے اعتبار سے الجهد فاعل بھی بن سکتا ہے اور مفعول بھی۔ تو اس لحاظ سے شراحِ حدیث نے اس جُملے کا چار طرح سے مطلب بیان کیا ہے کما هو الظاهر :

(۴) یرجف فؤادہٗ :- رَجَفَ یَرْجُفُ کے معنی پریشان ہو جانا اور کپکپی کا طاری ہونا۔ یعنی آپؐ کا قلب اطہر بہت زیادہ حرکت کر رہا تھا۔

(۵) وتحمل الكلّ :- کل کلال سے ماخوذ ہے جس کے معنی ناتواں، عاجز، اپاہج اور کمزور کے ہیں۔ اسی سے کلالہ ہے کہ ایسا انسان جس کے نہ ہی اصول (ماں باپ) زندہ ہوں اور نہ ہی فروع (اھل و اولاد)

(۶) وتکسب المعدوم :- معدوم عام ہے۔ معدُم المال یعنی فقیر و نادار اور معدوم الاسم یعنی گمنام، ناواقف دونوں کو شامل ہے۔ اور تکسب میں بھی حضراتِ شراح نے دو۲ قول بیان فرمائے ہیں یا تو متعدی بیک مفعول ہے یا متعدی بدو مفعول لہٰذا اس جملے کے بھی چار معنی ہیں۔

(۷) تقری الضیف :- یہ قراء سے ماخوذ ہے اور قراء کے معنی مہمانی دینا۔

(۸) نوائب الحق :- نوائب نائبہ کی جمع ہے۔ نائبہ کے معنی یکے بعد دیگرے پیش آنوالے حوادث اور مصائب کے ہیں۔

(۹) الناموس :- ناموس رازدار کو کہتے ہیں جو خیر میں رازدار ہو اُسے ناموس کہا جاتا ہے اور جو شر میں رازدار ہوئے جاسوس کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک ناموس اور جاسوس ہم معنی ہیں۔ اور یہاں ناموس سے مراد حضرت جبرئیلؑ ہیں۔

(۱۰) جذعا :- جزع کے معنی طاقتور اور جوان کے ہیں۔ اصل میں جزع اُس اونٹنی کے بچے کو کہتے ہیں جو جوان ہونے کے قریب ہو۔

(۱۱) نصرا مئو زرا :- حضرات شراح نے مؤزر کے دو ماخذ بیان فرمائے ہیں (۱)، اَزر ، الف کی زبر یا زیر دونوں طرح جس کے معنی طاقت اور امداد کے ہیں، جیسا کہ قرآن میں ہے۔ ھارون اخی اشدد بہ ازری (۲) ازار ۔ جس کے معنی تہہ بند کے ہیں مؤزر کے معنی ہوں گے کمر بستہ اور لنگوٹ باندھا ہوا۔

(۱۲) لم ینشب :- نشب کے معنی ٹھہرنے کے ہیں۔ ویسے اس کے مشہور معنی گاڑ دینے کے ہیں جیسا کہ ایک معروف مقولہ ہے النشب المنیۃ اظفارھا ۔۔۔ کہ موت نے اپنے پنجوں کو گاڑ دیا۔

(۱۳) فترالوحی :- فتر کے معنی رک جانے اور سست ہوجانے کے ہیں یعنی وحی کا نزول بند ہوگیا۔ اب یہ وحی کتنی مدت بند رہی اس میں محدثین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ تین دن سے لیکر تین سال تک کی روایات کتب احادیث میں موجود ہیں۔

(۱۴) حمی الوحی :- حمی کے معنی کسی چیز کے پے در پے مسلسل آنے کے ہیں، یہ فتر کی ضد ہے۔ یعنی اس واقعہ کے بعد وحی کا نزول تیزی سے مسلسل ہونے لگا۔

۱۴۔ سوال مع جوابات

سوال، حدیث الباب کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انورؐ کو (خاکم بدھن) اپنی نبوت کا علم نہ تھا۔ جناب ورقہ کے بتلانے پر آپؐ کو معلوم ہوا کہ آج کے روز غارِ حرا میں تشریف لانے والے فرشتے سیدنا جبرائیل تھے اور انکی آمد سے آپکو نبوت و رسالت کے منصب پر جلوہ افروز کر دیا گیا ہے۔؟

جواب :- ۱۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سوال اس صورت میں پیدا ہوتا اگر حضور انورؐ سیدہ خدیجہؓ کو خود فرماتے کہ مجھے جناب ورقہ کے پاس لے چلو۔ جبکہ کسی روایت سے بھی یہ بات ثابت نہیں بلکہ سیدہ خدیجہؓ اپنی محبت و تعلق کی بنا پر خود ہی حضور انورؐ کو جناب ورقہ کے پاس لے گئیں۔ جیسا کہ حدیث الباب کے منطوق سے ظاہر ہے۔

۲۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جناب ورقہ اور سیدہ خدیجہؓ کی زبانی حضور انورؐ کی نبوت و رسالت کے اعلان کرانے کا منشا یہ تھا کہ آپکی نبوت ضرب المثل ہوجانے کہ ہر برگزیدہ نبیؑ نے اپنی نبوت کا اعلان خود فرمایا جبکہ امام الانبیاءؐ کی نبوت کا اعلان ایک تلاشِ حق کے راہ رو اور کتب سماویہ کے باصلاحیت عالم اور ایک ذہین، تجربے کار عورت کے زبانی کرایا گیا۔ نیز ہر نبی و رسول نے پہلے دعویٰ کیا بعد میں امت نے تصدیق کی یہاں تصدیق پہلے ہے اور دعویٰ بعد میں، سبحان اللہ! یہ ایک گونہ محبوب کی فضیلت کا اظہار ہے۔

۳۔ احقر کے نزدیک ایسی شخصیت جن پر اظہارِ نبوت سے قبل مسلسل چھ ماہ سے سچے اور واضح خوابوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہو جنہیں عرب کے پہاڑ سلام بھیجتے ہوں، جنکی گزرگاہ میں واقع درخت عقیدت و محبت سے جھک جاتے ہوں جن کے جسم مبارک کی راحت کے لئے سفر و حضر میں بادل سایہ فگن رہتے ہوں اور جنکی ولادتِ شریفہ سے باعصمت جوانی تک کے سینکڑوں

معجزنما خارقِ عادات واقعات وردِ زبان عام وخاص بن چکے ہوں کیا انہیں اپنی نبوت کا علم جناب ورقہ کی زبانی ہو گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ــــ اس ایک سوال کے ذہن میں لانے سے نہ معلوم کتنی سینکڑوں صحیح احادیث کا انکار لازم آئے گا جن میں ارھاصاتِ نبوت کا بیان ہے لہٰذا ! یہ سوال اُن احادیثِ صحیحہ صریحہ کی بدولت صرف مردود ہی نہیں بلکہ قابلِ اتلاف ہے۔ اگر منصبِ نبوت کی عظمت ذہن میں نقش ہوتی تو ایسے بیہودہ اور لغو سوال فکر و نظر سے کوسوں دور رہتے۔ ربّ کائنات ہمیں اور جملہ طالبینِ حدیث کو ایسے گستاخانہ سوالات کے قیل وقال سے مامون و محفوظ فرمائیں اور ممتحن حضرات بھی اس طرح کی ہرزہ سرائی سے دور رہیں۔

۱۵۔ دوسری سند معلّق ہے یا مسند

علامہ کرمانی کی تحقیق میں سندِ مذکور معلّق ہے کیونکہ امام ابن شہاب زہری امام بخاری کے استاد نہیں تو گویا امام بخاری اور امام ابنِ شہاب زہری کے مابین تین واسطوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔

(۲) علامہ ابنِ حجر عسقلانی کے نزدیک سندِ مذکور ماقبل والی بیان کردہ سند سے مسند ہے گویا سندِ مذکور یوں ہے۔
حدثنا یحیی بن بکیر قال اخبرنا اللیث عن عقیل عن ابن شهاب قال اخبرنی ابو سلمة بن عبد الرحمٰن
اس قول کی تائید درج ذیل دو دلائل سے ہوتی ہے (۱) مذکورہ روایت کو امام بخاریؒ نے کتاب الادب کے باب رفع البصر الی السماء میں اسی سند سے نقل فرمایا ہے (۲) سندِ مذکور میں قال ابن شہاب کے بعد واؤ موجود ہے اور واؤ عطف پر دلالت کر رہی ہے کہ ابنِ شہاب تک دونوں روایات کی سند ایک ہے اور ابنِ شہاب کے بعد پہلی روایت مسند عائشہؓ سے ہے اور دوسری روایت مسندِ جابرؓ سے۔ یہ تحویلِ سند کی ایک صورت ہے اور حضراتِ اصولیین کے نزدیک تحویلِ سند کی دو صورتیں ہیں (۱) تحویلِ عام (۲) تحویلِ خاص۔ (۱) تحویلِ عام یہ ہے کہ مؤلفِ کتاب کے قریبی ابتدائی اسناد باہم مختلف ہوں اور مدارِ اسناد کے بعد کی سند متحد اس طرح کی تحویل کتبِ احادیث میں کثیر الوقوع ہے (۲) تحویلِ خاص یہ ہے کہ ابتدائی سند ایک ہو اور بعد کی اسناد مختلف، حدیث الباب میں یہی صورت مرقوم ہے۔

۱۶۔ نحوی و صرفی تحقیق

قال وھو یحدث ــــــ فقال فی حدیثہ۔
پہلے قال کی ضمیر کا مرجع بالاتفاق سیدنا جابرؓ ہیں۔۔ اس قال کے بعد کے ضمائر میں دو قول ہیں (۱) جملہ ضمائر مثلاً ھو یحدث، فقال اور حدیثہ ــــ کا مرجع حضور انورؐ ہیں۔ اسطور یہی رائے اختیار کی گئی ہے اس صورت میں ھو سے قبل قال النبیؐ کی عبارت مقدر تسلیم کرنی پڑے گی ورنہ کلام بے ربط سا ہو جائے گا۔ اس رائے کی تائید کتاب التفسیر اور کتاب الادب کی روایات سے ہوتی ہے جسے امام بخاری نے یوں روایت کیا ہے۔
ان جابر قال قال رسول اللہ وھو یحدث عن فترة الوحی
(۲) قال کی مانند ھو اور یحدث کی ضمیر کا مرجع سیدنا جابرؓ ہیں اس صورت میں اگرچہ کلام تو مربوط ہو جاتا ہے ــــ

لیکن حدیث الباب موقوف ہے گی کیونکہ سیدنا جابرؓ نے حضور انور کا ذکر نہیں کیا آحقر کے نزدیک اگر نقال کا مرجع حضور انور ہوں تو حدیث الباب مرفوع ہوگی موقوف نہ رہے گی لیکن چونکہ پہلا قول دوسری روایات سے مؤید ہے اس لئے وہی قول راجح ہوگا ورنہ مفہوم و ربط کے اعتبار سے قول ثانی راجح ہے

۱۶۔ ابن عمّ خدیجہ کا اعراب و ترکیب

ابن مضاف عمّ مضاف الیہ ہے اور دوبارہ خدیجہ کے لئے مضاف اور خدیجہ مضاف الیہ ہے لیکن چونکہ خدیجہ غیر منصرف ہے اس لئے خدیجہ کا آخری کلمہ مفتوح ہوگا مجرور نہیں۔ ابن ورقہ سے بدل ہے لہذا جس طرح ورقہ بوجہ مفعول بہ ہونے کے منصوب ہے اسی طرح ابن بھی منصوب ہوگا کیونکہ مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے۔

وفاق المدارس

سنہ ۱۳۹۸ھ:۔ حدثنا یحیی بن بکیر قال اخبرنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا انہا قالت اول ما بدئ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حراء الحدیث،

ایہا الفضلاء بینوا واوضحوا امورا۔ منہا ان ھذا الحدیث مرسل، لان عائشۃ ام المؤمنین لم تدرک ھذہ الواقعۃ لان ولادتہا بعد ھذہ القضیۃ فکیف یکون الحدیث حجۃ وکیف یکون علی شرط الامام البخاریؒ، ومنہا رجال السند واحوالہم ومنہا بیان الحکمۃ فی ان حُبّبَ الیہ الخلوۃ فی غار حراء ومنہا بیان ان عبادتہ علیہ السلام قبل نزول الوحی ھل کان اتباعا لشریعۃ نبی قبلہ ام کیف کانت۔ ومنہا بیان الحکمۃ فی غطہ ثلث مرات ومنہا انہ علیہ السلام قال لخدیجۃ ام المومنین رضی اللہ عنہا حین اخبرہا الخبر لقد خشیت علی نفسی ما معنی الخشیۃ۔ ومنہا ان نزول الملک اولا فی غار حراء متی کان۔

تنظیم المدارس

سنہ ۱۴۰۳ھ:۔ عن عائشۃ انہا قالت ..... فی ھذا الحدیث لفظ ابن عم خدیجۃ ما اعرابہم و ترجموا ھذا الحدیث و لما لم یقل ھذا الناموس الذی نزل علی عیسی

سنہ ۱۴۰۶ھ:۔ یظہر من الحدیث ان الرسول ﷺ لم یعلم رسالتہ اذکر وجہہ فی ضوء الحدیث

(سنہ ۱۳۹۷ھ ، سنہ ۱۳۹۸ھ ، اور دیگر چند سنوات)

۴- حدیث مُسلسل بتحریک الشفتین

(۱) ترجمہ

جناب سعیدؒ بن جبیر، سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان۔
" لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ " (کہ اے محبوب آپ اس (قرآن) کو جلدی از بر
کرنے کے لئے اپنی زبانِ مبارک کو حرکت دیجئے) کی تفسیر کے ضمن میں نقل فرماتے ہیں کہ حضور انورﷺ نزولِ وحی کے وقت انتہائی بوجھ
محسوس فرماتے اور بار بار آپ ﷺ اپنے لبہائے مبارک کو حرکت دیتے رہتے سیدنا عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ اے سعیدؒ!
میں تمہارے سامنے اپنے لبوں کو اس انداز سے حرکت دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے لب ہائے مبارک کو جنبش دیا کرتے
تھے اور سیدنا سعیدؒ نے فرمایا کہ میں بھی ویسے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جیسے میں نے سیدنا ابن عباس ؓ کو ہلاتے دیکھا تھا۔
تو سیدنا سعیدؒ نے اپنے لبوں کو اسی انداز سے حرکت دی بہرحال اللہ تبارک تعالیٰ نے لا تحرک بہ لسانک لتعجل
بہ ان علینا جمعہ وقرآنہ (کہ آپ وحی کو جلدی لینے کیلئے زبان کو مت ہلائیے کیونکہ اس کا جمع کرنا اور اس کا
پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے) کی آیات نازل فرمائیں۔ سیدنا ابن عباس ؓ (جمعہ وقرآنہ کی تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ یعنی وحی کو سینۂ
اطہر میں سما دینا اور اس کو پڑھا دینا فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ (پھر جب ہم اس وحی کی تلاوت
کریں تو آپ اس کی پیروی فرمایئے) سیدنا ابن عباس نے فرمایا کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ خاموش رہتے ہوئے بغور اس وحی
کو سنیئے ثم ان علینا بیانہ (پھر اس وحی کا بیان ہمارے ذمہ ہے) یعنی یہ ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم آپ کو یہ وحی
پڑھائیں ان آیات کے نازل ہو جانے کے بعد حضور اکرمﷺ ہمہ تن گوش ہوکر وحی سنتے جب بھی سیدنا جبرئیلؑ بارگاہِ نبوت
میں حاضر ہوتے۔ پھر جب حضرت جبرئیلؑ واپس لوٹتے تو حضور اکرمﷺ انہی الفاظ میں قرآن کی تلاوت فرماتے جیسے کلمات حضرت
جبرئیلؑ نے پڑھے تھے۔

۲- تشریح

حدیثِ مذکور اساتذۂ حدیث کے ہاں مسلسل بتحریک الشفتین کے نام سے معروف ہے یعنی
ائمۂ حدیث نے حدیثِ مذکور کو روایت کرتے وقت عملی طور پر اپنے اپنے لبوں کو اس انداز
میں حرکت دی جس انداز کو سیدنا ابن عباس ؓ نے حضور انورﷺ سے نقل فرمایا۔ جیسا کہ ایک حدیث مسلسل بالماء والتمر کے نام
سے مشہور ہے کہ ہر شیخ حدیث نے روایتِ حدیث کے وقت اپنے تلامذہ کی کھجور اور پانی سے ضیافت کی ایسے ہی وہ روایات
مسلسل بالحنفیہ کہلاتی ہیں جن کے ناقلین حضرات از اول تا آخر حنفی محدثین ہوں۔
حدیث الباب میں (۱) عظمتِ وحی (۲) حلاوۃِ وحی اور (۳) حفاظتِ وحی کا بیان ہے۔ عظمتِ وحی کا ثبوت دو جملوں

سے واضح ہے (۱) یعالج من التنزیل شدۃ ــــ کہ حضور انور نزولِ وحی کے وقت انتہائی بوجھ محسوس فرماتے
یقیناً وحی کا ثقل اُسکی عظمت پر دال ہے (۲) ان علینا جمعہ و قرآنہ الخ کہ حضور انور کے قلب اطہر
پر وحی کو نقش فرمانے کے بعد لسانِ مُبارک پر بغیر کسی کمی اور زیادتی کے جاری فرما دینا بھی عظمتِ وحی کی اعلیٰ دلیل ہے۔
حلاوۃ وحی کا ثبوت کان ممّا یُحرّک شفتیہ سے ظاہر ہے یعنی آپ کلام محب (اللہ تبارک و تعالیٰ) کی حلاوۃ و
لذّت کے پیشِ نظر ادھر جناب جبرئیل نے تلاوتِ کلام کا آغاز فرمایا اُدھر آپ کے لب ہائے مُبارک جُنبش میں آنے لگے یقیناً
آپ کا یہ انداز حلاوۃ وحی کی عملی دلیل ہے۔
حفاظتِ وحی کے بیان پر تو آیاتِ قرآنی ان علینا جمعہ و قرآنہ فاذا قرأنہ فاتبع قرآنہ
ثم ان علینا بیانہ ــــ اور سیّدنا ابنِ عباس رض کے تفسیری کلمات نص ہیں۔

۳۔ لفظی تحقیق

(۱) آیاتِ مذکورہ میں مفرد غائب کی تمام ضمیریں وحی اور قرآن کی جانب راجع ہیں۔
(۲) یُعالج شدۃ کے معنی ہیں مشقت برداشت کرنا (۳) ممّا، ربما، بہت زیادہ
کے معنی میں ہے (۴) و قرآنہ میں قرآن بطور مصدر بمعنی قرأۃ کے مستعمل ہے نہ کہ بطور علم یعنی کتابِ ربانی کے

۴۔ ترجمہ اور حدیث الباب میں مُناسبت

جن شرّاحِ حدیث کے نزدیک باب کیف کان بدأ الوحی ــــ کے معنی مطلق
وحی یا ظہورِ وحی یا کیفیّتِ وحی کے ہیں اُن حضرات کے ہاں حدیث الباب اور ترجمۃ الباب میں مناسبت واضح طور پر موجود
ہے البتہ جن محدّثین کے ہاں بدأ الوحی سے ابتدائی وحی مُراد ہے اُن کے ہاں مُناسبت اس حیثیت سے ہے کہ سیّدنا ابن
عباس رض حدیث الباب میں حضورِ اکرم کے ابتدائی وحی کی عادت و کیفیت کو بیان فرما رہے ہیں کیونکہ تحریک شفتین کی کیفیت
اور آیات بالا کا نزول اعلانِ نبوت کے ابتدائی زمانہ سے متعلّق ہے۔

۵۔ آیاتِ مذکورہ کا سیاق و سباق سے ربط

سورۂ قیامہ کی مذکورہ چار آیات کا ما قبل یا بعد سے کوئی واضح اور ظاہری ربط نہیں
کیونکہ ان آیات سے قبل قیامت کبریٰ کے واقعات و احوال کی تفصیلاً تصویر کشی کی گئی ہے اور بعد کی آیات میں قیامت
صغریٰ (موت) کا بیان ہے۔ لہٰذا ان آیات کا موت اور قیامت سے کوئی جوڑ نہیں۔
اشکال مذکور کے چند جوابات ملاحظ ہوں

عجز انسانی از معرفت ربطِ کلامِ ربانی علمائے محققین کی رائے یہ ہے کہ کلام ربانی میں ربط و مُناسبت کو تلاش
کرنا اور پھر اپنے عقل و فکر کے ذریعے مناسبت و عدمِ مُناسبت کا فیصلہ کرنا ایک طرح کی دیوانگی ہے۔ اور یہ انسانی بس کی
بات نہیں کیونکہ قرآن مجید جس طرح مُصحفِ قولی ہے اسی طرح یہ عالم بحر و بر مصحفِ فعلی۔ شیخ سلوک حضرتِ عطارؒ فرماتے ہیں

ہر دو عالم مصحفِ آیات اوست

جس طرح صحیفۂ فعلی کی ترتیب و تکوین فہم انسانی سے بالاتر ہے اسی طرح صحیفۂ قولی کی ترتیب و مناسبت بھی فہمِ انسانی سے بالا ہے۔

(۲) ربطِ تضاد :- ربطِ تضاد کے معنی ہیں کہ دو اشیاء کا تذکرہ اس انداز سے کیا جائے کہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے کی ضد ہو۔ جیسے دن اور رات، حق اور باطل، کفار اور اہلِ ایمان ان کلمات میں باہم جوڑ کا نام ربطِ تضاد ہے۔ مشہور مقولہ ہے الاشیاء تعرف باضدادھا۔ سورۂ قیامہ کی ابتدائی آیات میں ان محروم القسمت لوگوں کا تذکرہ ہے جو تلاوتِ قرآن اور بیانِ قرآن سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ آیاتِ مذکورہ میں اُس برگزیدہ ذات کا ذکرِ مسعود ہے جو ہر لمحہ اپنی لسانِ مُبارک کو تلاوتِ قرآن سے شاغل و متحرک رکھتے ہیں۔ تو ربِ کائنات نے اپنے محبوبؐ کو روکتے ہوئے فرمایا کہ آپؐ تلاوتِ جبرئیلی کے دوران اپنے لب ہائے مبارک کو حرکت نہ دیا کریں۔

(۳) بطورِ جُملہ معترضہ :- امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ حرکتِ لسان کا واقعہ سورۂ قیامہ کی ابتدائی آیات کے نزول کے وقت پیش آیا کہ ادھر سیدنا جبرئیلؑ سورۂ قیامہ کی ابتدائی آیات کو تلاوت فرما رہے تھے تو دوسری جانب حضور انورؐ نے حفظِ وحی اور قرأتِ وحی کے سبب اپنے لب ہائے مُبارک کو جُنبش دی زبانِ اطہر متحرک ہوئی تو سورۂ قیامہ کی ابتدائی آیات کے بعد یہ چار آیات بطورِ جملہ معترضہ لاکر دوبارہ — احوالِ قیامت کے تذکرہ کی تکمیل فرمادی۔

(۴) اجتماعِ کتابین :- علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں دو طرح کی کتابوں کا ذکر ہے۔ (۱) کتاب الاعمال یعنی نامۂ اعمال جو روزِ قیامت اہلِ جنت و جہنم کے سپرد کیا جائے گا۔ (۲) کتاب الاحکام یعنی قرآنِ مجید، اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بارہا کتاب الاعمال اور کتاب الاحکام کا ذکر یکے بعد دیگرے کیا ہے تو سورۂ قیامہ میں بھی اُسی طرز پر پہلے کتاب الاعمال یعنی نامۂ اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اُس کے بعد کتاب الاحکام یعنی قرآن مجید کا۔

(۵) قیاس المغیب علی المشاھد :- علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ قیامہ کی ابتدائی آیات میں مُردہ انسانی ہڈیوں کو جمع کرنے کا ذکر ہے نیز شمس و قمر اور اگلے پچھلے جُملہ انسانی اعمال کو یکجا کرنے کا تذکرہ ہے۔ مشرکینِ مکہ قیامت، آخرت، احوالِ قیامت اور بعث بعد الممات کے مُنکر تھے۔ ربِ کائنات نے ان چار آیاتِ مذکورہ کے ذریعے اُنہیں دعوتِ فکر دی ہے کہ اے کورِ چشم و باطن انسانو یہ چیز تمہارے مشاہدہ اور علم میں ہے کہ انسانِ اُمّی جنہیں نزولِ وحی کے وقت تلاوت و حفظِ وحی سے روک دیا گیا ہے وہ آنِ واحد میں بیسیوں آیاتِ قرآنیہ کو نہ فقط حفظ فرمالیتے ہیں بلکہ اُن آیات کے حروف، کلمات اور معانی و مفاہیم کو انکے سینۂ اطہر پر یکجا کرکے نقش کر دیا جاتا ہے جو ذاتِ باری بکھرے ہوئے کلمات و حروف کو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر میں جمع فرماسکتی ہے۔ کیا وہ

مٹی کے ذرّات میں مخلوط انسانی ہڈیوں کو جمع کرنے پر قادر نہیں ؟ بلیٰ وھو یحیی الموتی وھو علی کل شیئ قدیر

۶۔ آیات و تفسیر پر اجمالی بحث و نظر

آیاتِ مذکورہ کے دُو جملے (آ) فاذا قرأ ناہ (۲) فاتبع قرآ انہ ۔ فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں حضراتِ احنفیہ کے مسلک کی حقانیت و صداقت پر شاہد عدل ہیں پہلے جملے فاذا قرء ناہ ۔ میں ربّ کائنات نے جنابِ جبرئیلؑ کی قرارت کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے کیونکہ جناب جبرئیلؑ انتقالِ وحی میں اللہ کے نمائندے ہیں۔ اور نمائندے کی بات اصل کی بات سمجھی جاتی ہے ۔ ایسے ہی جناب امام مقتدیوں کی جانب سے بطور نمائندہ کے ربّ کائنات سے ہم کلام ہوتے ہیں ۔ لہٰذا امامِ نماز کی "تلاوت و قرأت جیسے خود امام کی جانب منسوب ہوگی ایسے ہی مقتدیینِ نماز کی جانب بھی اِسی نظریے کی تائید میں فرمانِ شارع ہے ۔ من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراءۃ ۔

دُوسرے جملے فاتبع قرآ انہ کی تفسیر میں سیدنا ابنِ عباسؓ نے فرمایا فاستمع لہ وانصت یعنی قرأتِ قرآن کے وقت سامع پر لازم ہے کہ ہمہ تن گوش ہوکر قرآن سُنے اور خاموش رہے تو اس کا حاصل یہ کہ مقتدی پر لازم ہے کہ امام صاحب کی قرأتِ فاتحہ و سورت کے وقت بالکل خاموش رہے اور زبان کو حرکت نہ دے اس مسئلے کی تحقیق مزید کے لئے مفتاح النجاح ص۔۔۔ کا مطالعہ فرمائیں ۔

(۲) سیدنا ابن عباسؓ نے وقرآنہ اور بیانہٗ دونوں کلمات کی تفسیر ان یقرأہٗ یعنی قرأتِ قرآن سے فرمائی ہے جس سے کلام میں تکرار لازم آرہا ہے ۔ یقیناً جدّۃِ مفہوم ، تکرارِ مفہوم سے بہتر ہے ۔ لہٰذا علماء نے اس تکرار کی مندرجہ ذیل توجیہات فرمائی ہیں (آ) قرأتِ قرآن کی دُو صورتیں ہیں (آ) قرأۃ لنفسہ اپنی ذات کے لئے پڑھنا (۲) قرأۃ لغیرہ کہ دوسروں کی تعلیم و تربیت کے لئے پڑھنا وقرءانہ سے قرأۃِ اولیٰ یعنی قراۃ لنفسہ اور بیانہ سے قرأۃ ثانیہ یعنی قرأۃِ لغیرہ مُراد ہے (۲) بعض شرّاحِ حدیث کے نزدیک بیانہٗ کی تفسیر ان تقرأہٗ سے کرنا وہم راوی ہے کہ جنابِ راوی نے وقرءانہ کی تفسیر کو بیانہ کی تفسیر میں نقل کردیا ہے اس راوی کی غلطی کی تائید صحیح بخاری کی کتاب التفسیر کی اسی حدیث سے ہوتی ہے جس میں بیانہ کی تفسیر ان تبینہ بلسانک سے کی گئی ہے الغرض اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان آیاتِ مذکورہ میں تین اہم امور کی ذمّہ داری کا وعدہ فرمایا ہے (۱) جمع قرآن کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سینۂ نبوت پر قرآنی حروف و کلمات کو نقش فرمائیں گے ۔

(۲) قرأۃ قرآن کہ حضور انورؐ قرآن کی جس آیت و سورت کی تلاوت کا ارادہ فرمائیں گے اُن قرآنی کلمات کو بغیر کسی کمی بیشی کے آپ کے لسانِ اطہر پر جاری و ساری کر دیا جائے گا (۳) بیانِ قرآن کہ حضور انورؐ اپنی اُمت کو قرآنی آیات کی تعلیم دیں گے مجمل و مبہم احکام کی عملاً و قولاً وضاحت فرمائیں گے ۔ یہاں تک کہ کوئی قرآنی آیت ایسی نہ ہوگی جس کی آپ نے قولی و عملی تفسیر اُمت کو بیان نہ فرمادی ہو ۔

وفاق المدارس

۱۴۰۸ھ: حدثنا موسیٰ بن اسمعیل قال اخبرنا ابو عوانة قال حدثنا موسیٰ بن ابی عائشة قال حدثنا سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ تعالیٰ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعالج من التنزیل شدة وکان مما یحرک شفتیه فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما فانا احرکہما لك کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرکہما وقال سعید انا احرکہما کما رأیت ابن عباس رضی اللہ عنہما یحرکہما فحرك شفتیه فانزل اللہ تعالیٰ لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علینا جمعه وقرانه قال جمعه لك صدرك فتقرأه فاذا قرانه فاتبع قرانه قال فاستمع له وانصت ثم ان علینا بیانه ثم ان علینا ان تقرأه فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلك اذا اتاه جبرئیل استمع فاذا انطلق جبرئیل قرأه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما قرأه

ترجموا الحدیث مع بیان المناسبة مع ترجمة الباب ومنشا البخاری رحمہ اللہ، ثم الذی یقلق البال ان الآیة فی احوال القیامة، وشان نزول الآیة لا یوافقها، فاذکروا المناسبة لشان نزول الحدیث، ولکم الشکر والمنة۔

طلباء شہادۃ العالمیہ کی مساعدۃ و رہنمائی کے لئے

حضرت مؤلف موصوف کی درج ذیل علمی و تحقیقی تالیفات ان شاء اللہ العزیز ماہ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ سے منظر عام پر آنا شروع ہو جائیں گی، مطالعہ فرما کر اپنے آخری اور فائنل تعلیمی سال کو زیادہ سے زیادہ اپنے لئے مفید و قیمتی بنائیے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو جلا بخشئے تاکہ مستقبل کے درخشندہ تابناک عزائم کے حصول میں مانع ہر سازشی و خسیس ذہن ھباءً منثوراً ہو کر حوالۂ باد صرصر ہو سکے، اور آپ اُخروی سعادتوں کی طرح فرمان شارع لا تنس نصیبك من الدنیا دنیا کی تمام فلاح و کامرانیوں کو حاصل فرما سکیں۔

۱۔ مفردات الفاظ الحدیث "صحاح میں مستعمل مشکل اور اصطلاحی کلمات کی وضاحت و تفسیر"

۲۔ طویل و صعب احادیث کا لفظی و بامحاورہ ترجمہ

۳۔ بعض مشہور احادیث کے متعلق علماء محققین کی مفید علمی تحقیقات

۴۔ جدید مسائل اور انگریزی ذہن کی بے اعتدالیوں کا رد احادیث کی روشنی میں اور ان کے مسکت جوابات

۵ - حدیث جود و مدارسہ

۱۔ ترجمہ سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ تمام لوگوں سے زیادہ صاحبِ جود و عطا تھے اور آپؐ ماہِ رمضان میں سراپا جود و سخا ہوتے جب سیدنا جبرئیلؑ آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوتے جناب جبرئیل رمضان المبارک کی ہر رات بہر ملاقات تشریف لاتے اور قرآن مجید کا دَور کرتے۔ یقیناً حضورِ انورؐ کا فیضانِ جود و کرم اُمورِ خیر میں تند و تیز ہواؤں سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔

۲۔ ترکیب حدیث الباب کے جملے کان اجود ما یکون فی رمضان کے اعراب اور ترکیب کے بارے میں علما و محدثین سے مختلف اقوال منقول ہیں (۱) کان افعالِ ناقصہ سے ہے۔ اجود مرفوع ہے کان کا اسم ہے اور ما یکون کی طرف مضاف ہے۔ ما مصدریہ ہے۔ یکون پھر افعال ناقصہ میں سے ہے۔ فی رمضان جار مجرور حاصلاً محذوف کے متعلق ہے جو حال ہے لیکن قائم مقام خبر کے ہے اس ترکیب کی رُو سے معنی یہ ہو گا کہ ماہِ رمضان میں حضور اکرمؐ کی سخاوت بہت زیادہ ہوتی تھی (۲) کان افعالِ ناقصہ سے ہے ضمیر ھو جو لفظ رسول اللہؐ کی جانب راجع ہے وہ اسم کان ہے۔ اجود اعرابی اعتبار سے منصوب ہے اور ترکیب کی رُو سے مضاف، ما یکون فی رمضان پورا جملہ مضاف الیہ ہے۔ مضاف بشمول مضاف الیہ کان کی خبر ہے تو حاصل مفہوم یہ کہ حضور اکرمؐ ماہِ رمضان میں بہت زیادہ سخی ہوتے تھے۔ (۳) کان افعالِ ناقصہ سے ہے اسمیں ضمیر ھو ضمیر شان ہے۔ اجود حالتِ رفعی میں مضاف اور ما یکون مضاف الیہ ہے مضاف اور مضاف الیہ دونوں مبتدا ہیں فی رمضان جار مجرور متعلق حاصلٌ کے ہے جو خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ حضور اکرمؐ کی شان یہ تھی کہ رسول اللہ کا بہت زیادہ سخی ہونا ماہِ رمضان میں ہوتا تھا۔ حاصل کلام یہ کہ دو ترکیبوں کے رُو سے اجود مرفوع ہے اور ایک روایت کی رُو سے اجود منصوب ہے۔

۳۔ جود کے معنی اجود جود سے اسم تفصیل ہے جود کے معنی سخاوت و عطا کے ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ جود کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ھو اعطاء ما ینبغی لمن ینبغی یعنی جود صرف اعطا مال کا نام نہیں بلکہ جو شئے جس کے لئے مناسب ہو اُسے دے دینے کا نام جود ہے مثلاً فقراء کو مال دے دینا، تشنگانِ علوم کو علم و فضل سے بہرہ ور کر دینا، گم کردہ راہ کو صحیح راہ پر گامزن کر دینا۔ الحاصل انسانیت کی ہر طرح سے احتیاجی کو دُور کرنے کا نام جود ہے شیخ کامل علامہ بدرالدین عینیؒ بیان اللغات کے عنوان کے ضمن میں جود کی تعریف کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ یقیناً اجود الناس ہیں۔ کیونکہ آپؐ نے مخلوق کے ہر فرد کو اُسکی احتیاجی کے مناسب عطا فرمایا

ہے۔ یقیناً وہ ذات جو شخصیت کے اعتبار سے اشرف النفوس ہو، مزاج وطبیعت کے اعتبار سے اعدل الامزجہ ہو، فعل وعمل کے لحاظ سے احسن الافعال ہو، شکل وصورت کے اعتبار سے املح الاشکال ہو، سیرت وخلق کے اعتبار سے احسن الاخلاق ہو یقیناً وہ جود وسخاوت کے اعتبار سے اجود الناس ہوگی۔

۴۔ جود اور سخاوت میں فرق

علامہ شارح کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ جود اور سخاوت میں تین وجوہ سے فرق ہے (۱) سخاوت مالی اعانت کا نام ہے جبکہ جود تقسیم عام کا نام ہے خواہ مال ہو یا علم، ہدایت ہو یا اصلاحِ نفس یعنی مخلوق کی ہر طرح سے رفعِ احتیاجی کا نام جود ہے (۲) سخاوت کسی دنیاوی یا اُخروی غرض کے تحت ہوتی ہے مثلاً عوام الناس میں شہرت، یا ثوابِ آخرت یا رضائے الٰہی وغیرہ جبکہ جود میں صاحب جود بغیر کسی غرض وطمع کے عطاء وبخشش کرتا ہے (۳) جود ایک روحانی قوت اور انسانی ملکہ کا نام ہے جبکہ سخاوت اُس کا ایک اثر اور نتیجہ ہے الحاصل جود سخاوت سے زیادہ بلیغ اور نہایت اعلیٰ اقدار کی حامل ایک صفت ہے اس لئے ربِ کائنات اور رحمتِ کائنات کو جوّاد اور اجود کہا جاتا ہے سخی اور اسخیٰ نہیں۔

۵۔ رمضان میں زیادتیٔ جود کی وجوہات

(۱) بوجہ اجتماع برکات:۔ رمضان المبارک میں متعدد برکات کے اجتماع کے سبب حضورِ اکرم ﷺ کے جود وعطا میں کثرت وبرکت پیدا ہو جاتی تھی۔ یقیناً سیدنا جبرئیلؑ کا نزول، حضورِ انور ﷺ اور جناب جبرائیل کا باہمی دَور، قرآن مجید کا نزول اور ماہِ رمضان اسبابِ برکت ورحمت ہیں۔

(۲) بوجہ زیادتیٔ اجر:۔ رمضان المبارک میں ربّ کائنات کی جانب سے احسانات وخیر کی بارش پیہم برسنے لگتی ہے۔ قولِ شارعؑ ہے کہ ماہِ رمضان میں نفلی عبادت کا اجر وثواب فرض کے برابر اور فرضی عبادت کی قدر وقیمت ستّر فرائض کے برابر ہو جاتی ہے۔ تو اِسی لئے اس ماہِ مُبارک میں حضورِ اکرم ﷺ کا جود وکرم زیادہ ہو جایا کرتا تھا ——

(۳) بوجہ کثرتِ فرحت:۔ حدیث میں آتا ہے کہ شہرِ رمضان میں حضورِ اکرم ﷺ بہت زیادہ مبسوط وفرحان ہوتے تھے۔ یہ ایک مشاہدہ ہے کہ جب انسان فرحت ومسرت میں ہو تو خوب خرچ کرنے لگتا ہے تو اس لئے حضورِ اکرم ﷺ کی سخاوت وعطاء بھی بڑھ جایا کرتی تھی حتیٰ کہ حضرات صحابہؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ قرض لے کر بھی لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے۔

۶۔ ہوا اور سخاوتِ نبوت میں اشتراک وکثرت

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کے جود اور تند وتیز ہوا میں مندرجہ ذیل اُمور وجہِ اشتراک ہیں۔

(۱) وجہِ حیات:- انسانی زندگی کا مدار ہوا پر ہے اگر ایک لمحے کے لئے فضائی ہوا بند ہو جائے تو عرصۂ حیات تنگ ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی انسانی وجود کی تخلیق و بقا حضور انورؐ کے جود و عطاء کے طفیل ہے ارشادِ شارعؑ ہے کہ اگر آپؐ کا وجود جود و کرم نہ ہوتا تو نہ زندگی ہوتی اور نہ ہی زندگی کی رونقیں لیکن یہ ہوا سراپا سبب خیر و نفع نہیں کیونکہ اگر رُک جائے تو پریشانی، تیز چل پڑے تو نقصانات کا سامنا، جبکہ رحمت للعلمینؐ کا وجود سرتا سر خیر ہی خیر، اور نعمت ہی نعمت ہے۔ حسبِ ضرورت و احتیاج جود و عطا کے پُر از رحمت جھونکوں نے ہر لمحہ اُمّت کے لئے بہار کا سا ساماں پیدا کر رکھا ہے۔

(۲) عمومِ فیض:- تُند و تیز ہواؤں کا فیضان بغیر کسی امتیاز کے عام ہوتا ہے۔ امیر و غریب اور ہر کس و ناکس کے لئے ہوا باعثِ رحمت و کیف ہوتی ہے۔ اسی طرح حضورِ انورؐ کا فیضِ عطاء و کرم بھی انسانیت کے ہر ایک فرد کے لئے موجبِ خیر و برکت ہے بغیر کسی طلب و خواہش اور معرفت و عدم معرفت کے ہر ایک جودِ محمّدی سے مستفیض ہو رہا ہے۔ لیکن ہوا کا فائدہ عارضی، محدود اور دُنیاوی زندگی کے لئے ہے جبکہ آپؐ کا جود و سخا عام ہے جو دُنیاوی و اخروی زندگی، فیوض و انوار، عُلوم و معارف، ہدایت و اسرار کو شامل ہے

(۳) سببِ احیاء: ہوا بادلوں کو لاتی ہے جس سے پانی برستا ہے اور بنجر، مُردہ زمینیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح حضور اکرمؐ کے جود و کرم کے طفیل مُردہ دِل زندہ ہو جاتے ہیں۔

۷۔ دَورِ قرآن کے فوائد

مدارسہ مفاعلہ کے وزن پر مصدر ہے جو اشتراکِ عمل کا مقتضی ہے جس کے معنی باہم دَور کرنے کے ہیں۔ اس باہمی دَور میں کئی حکمتیں پنہاں ہیں۔

(۱) اُمّتِ مُسلمہ کو باہمی دَورِ قرآن کی ترغیب دینا (۲) باہمی دَور سے قرآن کا ذہن میں محفوظ رہنا (۳) قرأت اور تجوید کے اعتبار سے حروف کے صحیح تلفظ کو پہچاننا (۴) قرآنِ الٰہی کے اسرار کا ہر وقت ذہن میں مستحضر رہنا۔ سیّدنا فاروقِ اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں نماز، تراویح، تلاوتِ قرآن اور باہمی دَور کے جن اعمالِ مسنونہ کا احیاء فرمایا ہے اور انہیں قیامت تک آنیوالی انسانیت کے لئے سُنّت قرار دیا ہے اُنکا ماخذ و مستدل حدیث الباب کے یدارسہ القرآن کے کلمات ہیں۔

۸۔ حدیث الباب سے مستنبط مسائل

حضراتِ فقہاء نے مندرجہ ذیل مسائل کو حدیث الباب سے مستنبط فرمایا ہے۔

(۱) ترغیبِ سخاوت:- اُمّتِ محمّدیہ کے ہر فرد کو نبی الانبیاءؐ کے صاحبِ جود و کرم ہونے کے ناطے سے سخی ہونا چاہیئے بالخصوص ماہِ رمضان میں اُسکی سخاوت باقی مہینوں سے کہیں زیادہ ہو نیز یہ سخاوت صرف مالی نہ ہو بلکہ علمی، عملی، روحانی اعتبار سے بھی ہونی چاہیئے۔

(۲) زیارتِ اہلِ فضل:- سیّدنا جبریلؑ کی تشریف آوری سے معلوم ہوا کہ ماہِ رمضان میں اہلِ علم،

اہلِ فضل اور اہلِ خیر کی خدمت میں حاضری اور اُنکی زیارت سُنّتِ جبرائیل ؑ ہے اور اُمّتِ محمّدیہ کے لئے یہ عمل مسنون ہے۔

(۳) تلاوتِ دَور :- ماہِ رمضان میں قرآنِ مجید کی تلاوت کثرت سے ہونی چاہیئے اور باہمی قرآنی دَور حفاظ کے لئے مسنون ہے۔

(۴) فضائل وشمائلِ محمدیہ ؐ کو تشبیہ وتمثیل سے سمجھانا حضراتِ صحابہؓ کی سُنّت ہے جیسا کہ سیدنا ابنِ عباس رضؓ نے جودِ محمدیہ کو ریحِ مرسلہ سے تشبیہ دینے کی بعد جودِ محمّدیہ ؐ کو افضل وافید اور اعلیٰ قرار دیا۔

۹۔ حدیث وترجمۃ الباب میں مُناسبت

(آ) تذکرۂ وحی :- جن شراحِ حدیث کے ہاں ترجمۃ الباب سے مطلق وحی یا عظمتِ وحی کو ثابت کرنا ہے اُن کے ہاں حدیث الباب میں چونکہ وحی قرآنی کے باہمی دَور کا تذکرہ موجود ہے۔ لہٰذا حدیث الباب سے ترجمۃ الباب کا مدعیٰ ثابت ہوجاتا ہے لیکن جن شراحِ حدیث کے ہاں ترجمۃ الباب کے ضمن میں ابتدائی وحی کو بیان کرنا مقصود ہے اُن کے ہاں وجہ مناسبت یہ ہے کہ پہلی وحی چونکہ رمضان میں نازل ہوئی اور حدیث الباب میں ماہِ رمضان میں تلاوتِ وحی کا تذکرہ ہے لہٰذا ترجمۃ وحدیث الباب میں مناسبت پائی جاتی ہے (۲) احقر کے نزدیک امام بخاریؒ نے وحی کی نسبت سے صرف ایک عنوان قائم فرمایا ہے" باب کیف کان بدأ الوحی " اور اس عنوان کے ضمن میں چھ ۶ مختلف المفہوم احادیث جن میں ظاہری، لفظی اور معنوی، باہمی کوئی مُناسبت نہیں کو نقل فرما دیا جبکہ کتاب الایمان سے آخر کتاب تک امام بخاریؒ کا طرزِ تالیف یہ رہا کہ ہر ایک حدیث یا زیادہ سے زیادہ دو تین احادیث کے لئے جن میں الفاظ ومعنی کے اعتبار سے مناسبت ہو کو علیحدہ علیحدہ ترجمۃ الباب وعنوان سے مترجم فرمایا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنے اس طرزِ تالیف کو باب الوحی میں اختیار نہیں فرمایا جس کے سبب شراحِ بخاریؒ اس ترجمۃ الباب ' باب الوحی ' اور اس کے ضمن میں روایت شدہ احادیث میں مُناسبت پیدا کرتے وقت انتہائی مضطرب اور پریشان نظر آتے ہیں۔ مختلف علمی، عقلی اور فنی اصطلاحات وتوجیہات کے ذریعے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش فرماتے ہیں جن میں یقیناً علوِ فکر، زورِ قلم اور قوتِ علم کا اظہار تو ضرور ہوتا ہے لیکن طالبِ حدیث زبانِ حال وقال سے ہمیشہ شاکی رہتا ہے کہ ترجمۃ الباب اور احادیث الباب میں حقیقی مناسبت پیدا نہیں ہوئی اور وہ اُسکی صحیح معرفت سے تاحال ناواقف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس ایک ترجمۃ الباب کے ضمن میں وحی قرآنی سے تعلق رکھنے والی ہر طرح کی احادیث کو جمع فرما دیا ہے خواہ اُن کا تعلق نزولِ وحی سے ہو یا ظہورِ وحی سے، صداقتِ وحی سے ہو یا عظمتِ وحی سے، عصمتِ وحی سے ہو یا حلاوۃِ وحی سے۔ صاحبِ وحی محمد رسول اللہ ﷺ سے ہو یا واسطۂ وحی جنابِ جبرئیل ؑ سے۔ زمانۂ وحی رمضان المُبارک سے ہو یا مکانِ وحی غارِ حرا سے

۱۰۔ سند کی وضاحت

(آ) حدیث الباب کی سند میں کلمۂ ح واقع ہے اور یہ ح تبدیلی وتحویلِ سند پر دلالت کرتی ہے اس ح کے کیا معنی ہیں، یہ کس کلمہ سے مخفف

ہے یا یہ ح مہملہ ہے۔ یا ح معجمہ اسکی تفصیل کے لئے مفتاح النجاح جلد اول صفحہ ۱۱۶ کا مطالعہ فرمائیں (۲) حدیث الباب کو امام بخاریؒ نے دو سندوں سے نقل فرمایا ہے (۱) عبدان، عن عبد اللہ، عن یونس عن زہری (۲) بشر عن عبد اللہ عن یونس و معمر عن الزہری:
گویا علامہ عبدانؒ امام زہری کے صرف ایک شاگرد امام یونس سے حدیث الباب کو نقل فرماتے ہیں جبکہ بشر امام زہری کے دو شاگردوں امام یونس اور امام معمر سے حدیث مذکور کو روایت فرماتے ہیں (۳) دوران سند امام بخاریؒ نحوہ کا کلمہ لائے ہیں۔ علماء اصول کے نزدیک اگر ایک حدیث مختلف اسناد سے مروی ہو تو حضرات محدثین تحویل سند (کلمہ ح) کے بعد مثلہ یا نحوہ کا کلمہ تحریر فرماتے ہیں۔ کلمہ مثلہ کا حاصل یہ ہے کہ سند میں مذکور تمام رواۃ حدیث الباب کو ایک ہی طرح کے الفاظ و کلمات سے نقل فرماتے ہیں اور تمام رواۃ الفاظ حدیث میں بھی متفق ہیں اور معنیٰ حدیث میں بھی۔ اور اگر کلمہ نحوہ لایا جائے تو اس کا معنیٰ یہ کہ دونوں طرح کے رواۃ حدیث کے معنیٰ و مفہوم میں تو متفق ہیں البتہ الفاظ و کلمات میں مختلف یعنی ہر ایک کے کلمات دوسرے سے قدرے بدلے ہوئے ہیں۔
تو حدیث الباب میں امام بخاریؒ نے اخبرنا یونس و معمر نحوہ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ؛ ہم حدیث الباب کو امام یونس کے کلمات کے موافق نقل فرما رہے ہیں کیونکہ نحوہٗ کی ضمیر کا مرجع امام یونس ہیں، امام معمر کے الفاظ کے مطابق نہیں اگرچہ مفہوم و معنی میں یونس و معمر دونوں متفق ہیں۔
فائدہ :۔ صحفِ ابراہیمؑ رمضان المبارک کی پہلی رات، توراۃ شریف چھٹی رات، انجیل مقدس تیرھویں رات، اور قرآن مجید چوبیسویں یا ستائیسویں رات لوح محفوظ سے نازل ہوئے۔

وفاق المدارس

۱۴۰۵ھ :۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اجود الناس وکان اجود ما یکون فی رمضان ما معنی الجود وما الفرق بین الجود والسخا (۲) بینوا ترکیب الجملۃ المخطوطۃ ومعناها (۳) ما وجہ کونہ اجود فی رمضان (۴) ما الحکمۃ فی المدارسۃ (۵) ما القدر المشترک بین جود النبی وجود الریح المرسلۃ وما وجہ کونہ اجود منہ (۶) الارتباط بین الحدیث وبدء الوحی (۷) استنبطوا المسائل من ھذا الحدیث ما استطعتم

تنظیم المدارس

نسائی، ۱۴۰۲ھ :۔ باب [illegible] والجود فی شہر رمضان۔ اخبرنا داؤد عن ابن وھب
(۱) اعربوا الحدیث (۲) طبقوا ترجمۃ الباب تطبیقا (۳) بینوا مدارج جودہ صلی اللہ علیہ وسلم نظرا الی جودہ فی غیر رمضان وفی رمضان من لیالیہ وأنہرہ (۴) حققوا الجود [illegible] فمیزوہ عن السخاء۔

٦- حدیثِ ہرقل

ا۔ ترجمہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضؓ کو سیّدنا ابوسفیان رضؓ نے بتلایا کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے انہیں اور اُن کے دیگر قریشی ہمسفر سواروں کو اپنے ہاں طلب کیا اور یہ اہلِ قریش تجارت سوداگری کے لئے ملکِ شام آئے ہوئے تھے۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب حضور انور ؐ جناب ابوسفیان رضؓ اور مشرکینِ مکہ کے مابین ایک مدت (دس سال) کے لئے معاہدہ صُلح طے پا گیا تھا۔ الغرض یہ لوگ ہرقل کے پاس پہنچے جب وہ اور اُس کے رُفقاءِ کار مقام (ایلیا) بیت المقدس میں قیام پذیر تھے۔ ہرقل نے ان مشرکینِ قریش کو دربارِ شاہی میں طلب کیا۔ اور اُس کے گرد اگرد سردارانِ روم جمع تھے مُشرکینِ مکّہ اور ایک مترجم کو اپنے قریب بُلایا اور پُوچھنے لگا کہ تم میں سے کون اُس جوان سے رِشتے داری میں زیادہ قریب ہے جنہوں نے اعلانِ نبوّت فرمایا ہے۔ جناب ابوسفیان رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں اُنکا زیادہ قریبی رِشتے دار ہوں۔ ہرقل نے کہا کہ اِسے میرے قریب بٹھاؤ اور اُسکے ہمسفر ساتھیوں کو اسکی پُشت کی جانب سے قریب کرلو۔ پھر ہرقل نے اپنے مترجم کیواسطے سے جناب ابوسُفیان رضؓ کے ساتھیوں سے کہا کہ میں ان (ابوسفیان رضؓ) سے اُس انسانِ کامل کے بارے میں کچھ سُوالات کرنا چاہتا ہوں اگر یہ غلط بیانی کریں تو تم کہہ دینا کہ یہ جھُوٹے ہیں (ابوسفیان فرماتے ہیں) خدا کی قسم! اگر میرے لئے یہ بات باعث شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ مجھے جھُوٹا کہیں گے تو میں یقیناً غلط بیانی کرتا۔ خیر پہلی بات جو ہرقل نے آنحضور ؐ کے بارے میں مجھُ سے پوچھی وہ یہ تھی کہ آپکا خاندان کیسا ہے؟ تو میں نے جواباً کہا کہ وہ ایک اعلیٰ خاندان کے فرد ہیں۔ دوسرے سوال میں اُس نے کہا کہ کیا تمہارے اہلِ خاندان میں سے کسی نے آج تک اُس سے پہلے اسطرح کی گفتگو کی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ تیسرے سوال میں اُس نے پوچھا کہ کیا اُن کے اسلاف میں سے کوئی صاحب بادشاہ بھی گُزرے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ چوتھے سُوال میں ہرقل نے پوچھا کہ آیا مالدار لوگ اُن کے پیچھے قدم بہ قدم چل رہے ہیں یا کمزور لوگ؟ میں نے کہا کمزور لوگ۔ پانچویں سوال میں اُس نے پُوچھا کہ کیا اُن کے متبّعین بڑھتے چلے جا رہے ہیں یا اُن میں کمی آ رہی ہے؟ —— میں نے جواباً کہا وہ بڑھتے چلے جا رہے ہیں —— چھٹے سوال میں ہرقل نے نے پوچھا کہ کیا اُن کے صحابہ میں سے کوئی ایک صحابی حلقۂ صحابیت میں داخل ہونے کے بعد اپنے دین سے نالاں ہو کر پیچھے بھی ہٹا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ ساتویں سوال میں ہرقل نے پوچھا کہ کیا حضور انور ؐ کے اعلانِ نبوّت سے قبل تم نے اُن پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے؟ میں نے کہا نہیں —— آٹھویں سوال میں ہرقل نے

پوچھا کہ کیا وہ وعدہ خلافی فرماتے ہیں ؟ ——— میں نے کہا نہیں - ہاں البتہ ہم اسوقت ایک میعادی وعدے کے
دورانیے میں ہیں نہ معلوم اس میں آئندہ کے لئے اُن کا طرزِ عمل کیا ہوگا ۔ جناب ابوسفیانؓ فرماتے ہیں کہ اس جملے
کے علاوہ مجھے کوئی اور نامناسب بات درمیان میں شامل کرنے کا موقع نہ مل سکا ——— نویں سوال میں ہرقل
نے پُوچھا کہ کیا تم نے اُن سے کوئی لڑائی لڑی ہے ؟ میں نے کہا جی ہاں تو دسویں سُوال میں ہرقل نے پوچھا کہ تمہاری لڑائی
کا نتیجہ کیسے رہا ؟ میں نے جواباً کہا کہ ہماری باہمی جنگ ڈول کی رسّی کی مانند پانسہ بدلتی رہتی ہے کبھی وہ ہم سے معرکہ
جیت لیتے ہیں اور کبھی ہم اُن سے ہرقل نے گیارہویں سوال میں پوچھا کہ وہ تمہیں کیا حکم دیتے ہیں ؟ میں نے کہا وہ فرماتے ہیں کہ
بس صرف اللہ ہی کی عبادت کرو ، کسی کو اُس کا شریک ٹھہراؤ ، اپنے باپ دادا کی باتوں کو چھوڑ دو ، اور ہمیں نماز ،
سچائی ، پاکبازی اور ناطہ جوڑنے کا حکم دیتے ہیں ، ہرقل نے مترجم سے کہا کہ تو انہیں بتا دے کہ میں نے تم سے اُنؐ کے
خاندان کے بارے پُوچھا تو تم نے جواباً کہا کہ وہ ایک اعلیٰ خاندان والے ہیں اور اسی طرح انبیاءؑ اپنی قوم کے اعلیٰ خاندان
میں مبعوث فرمائے جاتے ہیں اور اسی طرح میں نے تم سے پُوچھا کہ کیا تم میں سے کسی ایک نے کبھی اس طرح کی بات کی ہے ؟
تم نے جواباً کہا نہیں ، میں نے دل میں کہا کہ اگر کسی ایک نے اسطرح کی بات اُن سے پہلے کہی ہوتی تو میں کہتا کہ وہ ایک
پُرانی کہی ہوئی بات کو دہرا رہے ہیں اور اسی طرح میں نے تم سے یہ بھی پُوچھا کہ ان کے اسلاف میں کوئی بادشاہ بھی گزرا
ہے ، تو تم نے جواباً کہا نہیں تو اس سے میرا مطلب تھا کہ اگر اُنکے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہ
صاحب خاندانی بادشاہت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسی طرح میں نے پوچھا کہ کیا تم نے انہیں کبھی اعلانِ نبوّت سے
قبل غلط بیانی کا الزام دیا ہے ؟ تم نے جواباً کہا نہیں تو مجھے یقین ہوگیا کہ بیشک وہ جو انسانیت پر غلط بیانی سے
احتراز فرماتے ہیں وہ اللہ کی جانب غلط بات کیسے منسوب فرما سکتے ہیں ——— اسی طرح میں نے تم سے پوچھا کہ
اُنکے پیروکار مالدار لوگ ہیں یا مالی اعتبار سے کمزور ؟ تم نے جواباً بتلایا کہ وہ کمزور و نادار ہیں - اور یقیناً ایسے ہی طرح
کے لوگ حضرات انبیاءؑ کے پیرو ہوتے ہیں - اور اسی طرح میں نے تم سے پُوچھا کہ اُنکی تعداد بڑھتی جارہی ہے یا وہ
کم ہو رہے ہیں ؟ تم نے جواباً بتلایا کہ وہ بڑھتے جارہے ہیں اور یہی اہلِ ایمان کی شان ہے کہ وہ تکمیل ایمان تک روبہ
ترقی رہتے ہیں اور اسی طرح میں نے تم سے سوال کیا کہ انکا کوئی ایک ساتھی حلقۂ ارادت میں داخل ہو جانے کے بعد اپنے
دین سے نالاں ہوکر دین سے متنفر بھی ہوا ہے ؟ تم نے بیان کیا نہیں اور یہی شان ایمان ہے کہ جس کی تروتازگی ہر آن
دلوں پر سایہ فگن رہتی ہے ۔ اسی طرح میں نے تم سے پُوچھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں ——— ؟ تم نے بتلایا کہ نہیں ۔
ہاں اسی طرح انبیاءؑ عہد شکن نہیں ہوتے ——— اور میں نے تم سے سوال کیا کہ وہ کن چیزوں کے بارے حکم فرماتے
ہیں ؟ تم نے بتلایا کہ وہ حکم فرماتے ہیں

کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو ، کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہراؤ ——— اور وہ بتوں کی عبادت سے روکتے

ہیں، نیز وہ نماز، سچائی اور پاکبازی کا حکم فرماتے ہیں۔ پس اگر تمہاری بتائی ہوئی باتیں درست ہیں تو عنقریب میرے زیرِ قدم علاقے اُن (حضورِ انورؐ) کے زیرِ تصرف ہوں گے۔ اور یہ مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ دنیا میں تشریف لانے والے ہیں۔ اور یہ بات میرے ذہن میں نہ تھی کہ وہ خاتم الانبیاءؑ تمہارے خاندان میں سے ہوں گے۔ پس اگر مجھے یقین ہو جائے کہ میں آپؐ کی بارگاہ میں پہنچ سکوں گا تو میں آپؐ کی زیارت کے لئے ہر حال میں پہنچتا اور کاش اگر میں اِس وقت بارگاہِ نبوت میں موجود ہوتا تو آپؐ کے قدم مبارک دھو کر پیتا۔ پھر جناب ہرقل نے حضورِ اکرمؐ کے نوازش نامہ کو طلب کیا جو حضرت دحیہ کلبی کے توسط سے بصریٰ کے گورنر کی جانب روانہ کیا گیا تھا اُس نے یہ خط جناب ہرقل کی جانب بھیج دیا تو ہرقل نے اُسکو پڑھا تو اُس میں درج ذیل عبارت لکھی ہوئی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط —— محمدؐ جو اللہ کے بندے اور اس کے نمائندہ ہیں اُنکی جانب سے یہ خط رُوم کے فرمانروا ہرقل کی جانب بھیجا جا رہا ہے۔ امن وسلامتی ہے ہر اُس انسان کے لئے جس نے راہِ ہدایت کی پیروی کی اس کے بعد بیشک میں دعوتِ اسلام کی جانب تجھے بلاتا ہوں اسلام لائیے امن و آشتی میں رہیں گے اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر عطا فرمائیں گے لیکن اگر تم نے اسلامی دعوت سے منہ موڑا تو بیشک غریب رعایا کا گناہ و وبال تمہارے سر ہوگا۔ اور اے اہلِ کتاب تم ایک ایسے نظریئے کی جانب آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان قدرِ مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے ماسوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اور اُس کا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں۔ اور نہ ہی ہم اہلِ کتاب میں سے کوئی اللہ کے ماسوا کسی کو اپنا رب بنائے۔ پھر اگر وہ لوگ اس نظریئے کو تسلیم نہ کریں تو آپ اُنہیں فرما دیں کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو اسی نظریئے ہی کے پیرو ہیں۔

جناب ابوسفیانؓ فرماتے ہیں کہ جب ہرقل سوال وجواب کے بعد اپنی رائے کا اظہار کر چکا اور حضورِ انورؐ کے خطِ مبارک کو پڑھنے سے فارغ ہوا تو اسکی موجودگی میں آوازیں بلند ہوئیں اور شور وغل زیادہ ہونے لگا تو ہمیں مجلس سے نکال دیا گیا۔ میں نے اپنے ہمسفر ساتھیوں کو محفل سے نکالے جانے کے بعد کہا کہ محمدؐ رسول اللہ کا پیغام بہت بڑھ چکا ہے کہ روم کا بادشاہ بھی اُنکی عظمت سے خوفزدہ نظر آتا ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ عنقریب اہلِ روم پر غالب ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ نے مجھے اسلام میں داخل فرما دیا۔

علامہ زہری فرماتے ہیں کہ ابن ناطور بیت المقدس کا گورنر تھا، ہرقل کا دوست اور شام کے عیسائیوں کا پادری تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جب ہرقل بیت المقدس میں آیا تو ایک روز وہ پریشان سا دکھائی دیا۔ اُس کے کچھ مقربین نے پوچھا کہ ہم آپکے چہرے کو اُترا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ جناب ابن ناطور فرماتے ہیں کہ ہرقل ایک ماہر نجومی تھا جو علمِ نجوم میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔ تو ہرقل نے اپنے ہم نشینوں کے سوال کے جواب میں کہا کہ آج رات جب میں نے ستاروں پر نظر ڈالی —— میں نے دیکھا کہ ختنہ کرنیوالوں کی مملکت اہلِ روم پر غالب ہو رہی ہے تو اس وقت

کونسی قوم ختنہ کرتی ہے۔ منجمین نے جواب دیا کہ یہودیوں کے ماسوا کوئی اور قوم ختنہ نہیں کرتی۔ لیکن آپ یہودیت کے معاملے میں ہرگز پریشان نہ ہوں اور آپ اپنی مملکت کے شہروں میں یہ حکم نامہ تحریری بھجوا دیں کہ اُن میں جتنے ہی یہودی آباد ہوں اُنہیں قتل کر دیا جائے۔ ابھی یہ معاملہ اُن کے ہاں زیرِ غور تھا کہ اِس دوران ہرقل کے پاس ایک آدمی آیا جسے مملکت غسّان کے فرمانروا نے حضور اکرمؐ کے حالات بیان کرنے کے لئے ہرقل کے پاس بھیجا تھا۔ جب اُن صاحب سے ہرقل نے تمام حالات و واقعات پُوچھ لئے تو کہا انہیں لیجا کر دیکھو کہ یہ ختنہ بیٹھے ہوئے ہیں یا نہیں ــــــــ؟ دیکھنے والوں نے بیان کیا کہ وہ ختنہ شُدہ ہیں۔ ہرقل نے اس آدمی سے اہلِ عرب کے بارے پُوچھا تو اُس نے جواباً کہا ہاں اہلِ عرب ختنہ کرتے ہیں تو ہرقل کہنے لگا کہ ہاں یہی اہلِ عرب کے بادشاہ ہم پر غالب ہوں گے۔ پھر ہرقل نے اپنے ایک دوست کو جو روم میں رہتے تھے یہ حالات لکھے اور وہ ہرقل کا دوست علمِ نجوم میں ہرقل کا ہم پلّہ تھا۔ پھر ہرقل حمص کی جانب چل دیا ابھی وہ حمص ہی میں تھا کہ اُس کے پاس اُس کے دوست کا خط پہنچا ــــــــ جس میں اُس نے ہرقل کی رائے کی موافقت کرتے ہوئے لکھا کہ حضور اکرمؐ بحیثیتِ نبیؐ کے دنیا میں تشریف لا چُکے ہیں اور وہ اللہ کے نبی ہیں ــــــــ پھر ہرقل نے روم کے تمام اربابِ حل و عقد کو حمص کے محل میں طلب کیا۔ تمام دروازے بند کرنے کا حُکم دیا۔ پھر محل میں آکر خطاب کیا کہ اے اہلِ روم اگر تم ہدایت و کامیابی چاہتے ہو، اور تم اپنی مملکت کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس عربی نبیٔ امیؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لو۔ محل میں موجود یہ لوگ جنگلی گدھوں کے مانند دروازوں کی طرف لپکے لیکن انہیں بند پایا۔ پھر جب ہرقل نے اُن کی اس وحشت کو دیکھا تو نا اُمید ہوگیا کہ یہ ایمان لائیں گے۔ کہنے لگا کہ میری جانب متوجہ ہو جاؤ۔ میں نے ابھی جو بات تمہارے سامنے رکھی ہے اُس سے تمہاری دینی عصبیت و غیرت کا امتحان لینا تھا۔ وہ تمہارا امتحان میں لے چُکا۔ اس کے بعد اُن بدنصیبوں نے ہرقل کو سجدہ کیا اور اُس کی بات کی حمایت کرنے لگے۔ یہ ہرقل کی زندگی کا آخری واقعہ ہے۔

۲۔ حدیث الباب کا اجمالی پس منظر

۵۷۰ء میں حضور انورؐ کی ولادت ہوئی اور ۶۱۰ء میں آپؐ نے اعلانِ نبوّت فرمایا۔ اس زمانے میں دو عظیم سلطنتیں رُوم و فارس کے نام سے دُنیا پر حکمرانی کر رہی تھیں۔ رومی اہلِ کتاب عیسائی تھے اور فارسی ایران کے آگ پرست مجوسی، مسلمانوں کی دِلی ہمدردیاں اہلِ روم سے اور مشرکین مکہ کی عقیدت و محبّت اہلِ فارس سے وابستہ تھی۔ نبوت کے ابتدائی ہی دِنوں میں رُوم و فارس کے مابین ایک زوردار جنگی معرکہ ہوا۔ جس میں ایران نے روم کو شکست دے کر شام، مصر اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ نوّے ہزار (۹۰،۰۰۰) عیسائی صرف ایلیا (بیت المقدس) میں قتل ہوئے گئے۔ رومیوں کے سب سے زیادہ مقدس گرجے کو تہ و بالا کر دیا گیا۔ اہلِ روم کی اس عبرت آموز مثالی

شکست پر مشرکینِ مکہ بغلیں بجا رہے تھے اور حضراتِ صحابہؓ رنجیدہ خاطر تھے۔ حضراتِ صحابہؓ کی اس رنجیدہ خاطری کو دیکھ کر ربِ کائنات نے سورۂ روم کی ابتدائی آیات کو نازل فرمایا ——— بہرحال اس شکست کے سات سال بعد اہلِ روم نے ہرقل کی قیادت میں اہلِ فارس پر حملہ کر دیا۔ تاریخی کامیابی حاصل کی۔ اپنے مقبوضہ علاقوں کو واگزار کرایا۔ یہاں تک کہ آذربائیجان پر حملہ کرکے ایران کے سب سے بڑے آتش کدے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہرقل نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی تو میں بمع اپنے وزراء و عظمائے سلطنت کے حمص سے ایلیا بیت المقدس تک پیدل سفر کرونگا۔ اس فتح و کامرانی کی اطلاع حضراتِ صحابہؓ کو مدینہ منورہ میں اس وقت پہنچی جب حضراتِ صحابہؓ غزوۂ بدر میں کامیابی کے بعد بہت ہی زیادہ خوش تھے۔ ماہ ذیقعد ۶ھ میں حضور انورؐ نے مشرکینِ مکہ سے حدیبیہ کے مقام پر ایک معاہدہ فرمایا کہ دس سال تک آپ میں اور ہم میں صلح رہے گی اسی صلح کے زمانے میں حضور انورؐ نے ماہ ذوالحجہ ۶ھ کو مختلف بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ فرمائے۔ دوسری جانب مشرکین مکہ صلح حدیبیہ کے بعد جنگ و جدل سے اطمینانِ خاطر ہو کر تجارت کی غرض سے راہیٔ ملک شام ہوئے۔ ادھر ہرقل اپنی منت کو پورا کرنے کے ارادے سے اپنے وزراء و عظماء کے ساتھ ایلیا (بیت المقدس) پہنچا۔ حضور انورؐ کا نامۂ مبارک بصرہ کے گورنر سے ہوتا ہوا ماہِ محرم ۷ھ کو حضرت دحیہؓ کلبی کے ہاتھوں یہاں ایلیا میں پہنچا جس پر ہرقل نے حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے انتیس ۲۹ ہمسفر رؤسائے مکہ کو طلب کیا اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت، آپکے پیغام اور آپکے متبعین حضراتِ صحابہؓ کے بارے گیارہ سوال کئے جو حدیث الباب میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

حضور انورؐ کے خط پہنچنے سے قبل ہرقل نے ایلیا (بیت المقدس) میں رات کو ستاروں میں غور و فکر کیا تو اُسے علمِ نجوم کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ وہ قوم جو ختنہ کرتی ہے اُن کا حکم، اُن کا مشن اور انکی خلافت اہلِ روم پر غالب ہو جائے گی۔ جس پر ہرقل نے اپنے اس علم کی تصدیق و تائید کے لئے اپنے ایک دوست علمِ نجوم کے ماہر جس کا نام ضغاطر تھا کو خط لکھا ضغاطر علمِ نجوم اور عیسائیت کا بہت بڑا عالم تھا۔ دار الخلافہ اٹلی کا گورنر تھا۔ اس نے ہرقل کو جواباً لکھا کہ حضور انورؐ نبی الانبیاءؐ ہیں جن کی بشارت انجیل و توراۃ میں موجود ہے یہ وہی ہیں انکی نبوت کی فوری تصدیق کر دی جائے۔ چنانچہ اس جوابی خط کے بعد ضغاطر نے عربی لباس پہنا، شہر کے ایک وسیع میدان میں آکر لوگوں کو خطاب کرکے اسلام کی دعوت دی۔ حضور انورؐ کی تشریف آوری، اعلانِ نبوت اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو لوگوں نے انہیں شہید کر دیا ——— یہ خبر ہرقل تک پہنچی تو اس نے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے کا حتمی ارادہ کر لیا۔ محل کے دیوانِ عام میں وزراء، عمائدینِ سلطنت اور اپنے رفقاءِ کار کو بلایا، بالاخانے کی چھت پر کھڑے ہو کر تقریر کی۔ انہیں فلاح و رشد کی جانب متوجہ کیا لیکن مخاطبین بگڑ گئے۔ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے تو ہرقل نے پینترہ بدلا اور اعترافِ حق کے باوجود قبولِ حق سے محروم رہا۔

۳۔ حدیث الباب کے چند اہم کلمات اور جملوں کی وضاحت

۱۔ أبا سفیان اخبرہٗ:- سیّدنا ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد سیّدنا ابن عباسؓ کو مذکورہ واقعہ بیان کیا جبکہ یہ واقعہ انہیں حالتِ کفر میں پیش آیا تھا۔

۲۔ رکب من قریش:- رکبٌ اسمِ جمع ہے جس کے معنی اونٹ یا گھوڑوں کے سوار کے ہیں۔ جبکہ انکی تعداد دس سے زیادہ ہو۔ رکبٌ راکب کی جمع ہے جیسے تجر تاجر کی جمع ہے علامہ سیبویہ کی تحقیق میں

۳۔ مادّ فیھا:- مادّ فعلِ ماضی کا صیغہ ہے مماددۃ" باب مفاعلہ سے مشتق ہے جو لفظ مُدّۃ سے ماخوذ ہے یعنی اُس آدمی نے مُدّت طے کی۔

۴۔ ایلیا:- ایل کے معنی اللہ کے اور یا کے معنی بیت یعنی گھر کے ہیں۔ تو ایلیا کے معنی بیت اللہ کے ہوں گے اور اس سے مُراد بیت المقدس ہے۔

۵۔ ترجمان: اہلِ لغت نے ترجمان کی تعریف المفسرؔ عن لغۃ بلغۃ سے کی ہے یعنی ایسا آدمی جو ایک زبان کی بات کو دوسری زبان میں منتقل کرے جسے عام طور پر مترجم کہا جاتا ہے۔ ترجمان کو اس لئے بلایا گیا کہ سیّدنا ابوسفیانؓ اور انکے ساتھی عربی جانتے تھے جبکہ ہرقل اور مملکتِ روم کے فرمانرواؤں کی زبان یونانی تھی۔

۶۔ انا اقربھم نسباً:- سیّدنا ابوسفیانؓ اور حضور اکرمؐ پانچویں پشت میں جناب عبدمناف پر ایک ہو جاتے ہیں۔ حضور اکرمؐ کا نسب نامہ اسطرح ہے۔ سیدنا محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف، سیّدنا ابوسفیانؓ کا نسب یوں ہے۔ ابوسفیانؓ بن حرب بن اُمیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔ اقرب النسب کا سوال ہرقل نے اس لئے کیا کہ قریبی رشتے دار حالات سے جس قدر باخبر ہوتا ہے دوسرا انسان اس قدر نہیں۔

۷۔ ان یأثروا علیَّ:- یأثروا اثر سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی بات کو نقل کرنا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں اثرت الحدیث ای رویتہٗ یعنی میں نے بات کو نقل کیا۔ اسی معنی کی رُو سے حدیث کو اثر کہا جاتا ہے جسکی جمع آثار آتی ہے۔

۸۔ سخطۃ لدینہ:- اپنے دین اور مذہب کو چھوڑنے کے مختلف وجوہ ہو سکتے ہیں۔ (۱) مال و دولت کی لالچ (۲) کسی عورت کے حسن و جمال پر فریفتگی۔

۳۔ منصب وجاہ ۴۔ مصاحبت و دوستی ۵۔ شکوک شبہات اور اعتراضات و اشکالات ۔ یہ آخری وجہ بھی دین کے نقص اور غیر معیاری ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے اسلئے ہرقل نے اپنی ذہانت کی وجہ سے ارتداد کے ساتھ سخطہ لدینہ کی قید لگائی کیونکہ بقیہ وجوہ کے سبب مرتد ہوجانے سے دین پر کوئی حرف نہیں آتا ۔

۹۔ ولو تمکنی کلمۃ :۔ تمکن یا تو باب افتعال امکان سے مشتق ہے یا باب تفعیل تمکین سے یعنی مجھے موقع ملتا۔

۱۰۔ الحرب سجال :۔ سجال سجل کی جمع ہے جس کے معنی بڑے ڈول کے آتے ہیں ۔ سؤال پیدا ہوتا ہے کہ الحرب مفرد مبتدا ہے اور سجال خبر جمع ہے حالانکہ مبتدا و خبر میں مفرد و جمع کے لحاظ سے مناسبت ضروری ہے ۔ جواب : الحرب مصدر ہے جو قلیل کثیر مفرد اور جمع ——— سب کو شامل ہے بالسجال جمع نہیں بلکہ مصدر ہے ۔ لہذا مناسبت مبتدا و خبر میں موجود ہے ۔ بڑے ڈول کو ایک انسان مسلسل نہیں کھینچ سکتا اس لئے باری باری سے مختلف جوان ڈول کو کھینچتے ہیں تو جملے کا مطلب ہے کہ کبھی وہ میدان جنگ میں غلبہ حاصل کرلیتے ہیں اور کبھی ہم ———

۱۱۔ یأتسی :۔ کے معنی یقتدی کے ہیں یہ باب افتعال پر اسوہ سے ماخوذ ہے یعنی وہ اسکی پیروی کرتا ہے ۔

۱۲۔ أخلص :۔ اسے اصل میں پہنچ جاؤنگا کہا جاتا ہے خلص الی کذا ای وصل الیہ

۱۳۔ لتجشمت :۔ تجشم کے معنی تکلف کے ہیں یعنی میں حتی الامکان مشقت اٹھاؤ نگا اور کوشش کرونگا ۔

۱۴۔ دحیۃ الکلبی رضی اللہ عنہ :۔ عمومی طور پر مراسلت کے لئے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بطور سفیر اور نمائندہ کے روانہ کیا جاتا کیونکہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ بہت ہی حسن وجمال کے مالک تھے اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ شام پہنچے تو انکے حسن وجمال کو دیکھ کر عورتیں فریفتہ وار اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں ۔ اس زمانے کا دستور تھا کہ سلاطین وعظماء کے پاس خوبصورت لوگوں کو بطور قاصد روانہ کیا جاتا تھا ۔

۱۵۔ عظیم بصریٰ :۔ بصریٰ کے گورنر کا نام حارث بن ابی شمر الغسانی تھا ۔

۱۶۔ دِعایۃ :۔ دعایۃ کے معنی دعوت و تبلیغ کے ہیں ۔

۱۷۔ إثم الیریسیین :۔ یہ کلمہ یا اور الف دونوں طرح مذکور ہے یعنی یہ یریس یا اریس کی جمع ہے جس کے معنی کاشتکار اور کھیتی باڑی کرنیوالے کے ہیں کیونکہ اکثر اہل روم کاشتکار تھے اس لئے ہرقل بادشاہ کی رعایا کو اس صفت سے یاد کیا گیا ہے ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ارشاد باری ہے : " ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ " ——— یعنی کوئی انسان بھی دوسرے گناہوں کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گا ۔ حدیث الباب میں رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ ہرقل پر ڈالا گیا ہے جس سے قرآن و حدیث کے مفہوم میں تناقض نظر آتا ہے ۔

جواب : گناہ کی دو قسمیں ہیں (۱) اثم مباشرت یعنی انسان کا فی ذاتہ خود گناہ کرنا (۲) إثم المتسبب کہ کسی گناہ

کا سبب بنا۔ آیت میں پہلے گناہ کی نفی ہے اور حدیث الباب میں دوسرے گناہ کا اثبات ہے یعنی اگر کوئی انسان کسی بات کا سبب بنے تو جس طرح اسکا گناہ فاعل اور مباشر پر ہوگا اسی طرح اس کا وبال مسبب و دال پر۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا من سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا (الحدیث

۱۷۔ الصخب :۔ صخب کے معنی شور و غل کے ہیں یعنی جب حاضرین مجلس نے یہ دیکھا کہ ہرقل تو تمام باتوں کی تصدیق کر رہا ہے اور ساتھ ہی اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے آپؐ کے غلبے کا اعلان کر رہا ہے تو حاشیہ نشین شور و غل کے ذریعے ہرقل سے اظہار تنفر کرنے لگے۔

۱۸۔ ابن ابی کبشہ :۔ یہ وہ غیر معروف کنیت ہے جسے بطور توہین مشرکین مکہ حضور اکرم ﷺ کے لئے استعمال کرتے تھے جبکہ آپکی مشہور کنیتیں ابو القاسم اور ابن عبد المطلب ہے۔ یہ کنیت کس کی ہے؟ اور کس وجہ سے اس کنیت کی نسبت آپؐ کی جانب کیجاتی تھی؟ اس میں محدثین سے چار اقوال منقول ہیں۔
(۱) ابوکبشہ قبیلہ بنوخزاعہ کا ایک کوکب پرست عربی تھا جس نے بت پرستی کے معاملے میں قریش کی مخالفت کی اس بت پرستی میں مخالفت کے سبب حضور انورؐ کی نسبت ابوکبشہ کی جانب کر دی (۲) ابوکبشہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے خاوند کی کنیت ہے تو مشرکین مکہ نے آپؐ کی نسبت آپکے رضاعی والد کیجانب کر دی۔ (۳) ابوکبشہ آپؐ کے ننھیال میں کوئی صاحب تھے جنکی یہ کنیت ہے (۴) یہ ایک گمنام سی کنیت ہے اس سے یاد کرنے کی وجہ آپؐ سے گمنامی کا اظہار ہے اور آپؐ کے مشن کو مٹانے کی ناکام کوشش ---- بہرحال مشرکین مکہ علیہ ما علیہ تحقیر و استہزا کے لئے آپؐ کو اس نسبت سے یاد کرتے تھے۔

۱۹۔ بنی الاصفر :۔ یہ رومیوں کی کنیت ہے کیونکہ اہل روم اصفر بن روم بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم کی اولاد تھے

۲۰۔ ابن الناطور :۔ ناطور کے معنی مالی کے آتے ہیں اس کا بیٹا ابن ناطور بیت المقدس کا گورنر تھا اور ہرقل بادشاہ کا دوست، ملک شام میں آباد عیسائیوں کا پادری تھا بعد میں مسلمان ہو گئے خلیفہ عبد الملک کے زمانے تک یہ زندہ رہے علامہ ابن شہاب زہری نے اسی زمانے ان سے ملاقات کی اور حدیث الباب کو سنا ----

۲۱۔ سقف :۔ سقف بڑے اور لاٹ پادری کو کہتے ہیں۔

۲۲۔ بطارقۃ :۔ بطارقہ بطریق کی جمع ہے جس کے معنی خاص ہمراز ساتھی اور دوست کے ہیں۔

۲۳۔ حزاء :۔ حزاء کاہن اور نجومی کو کہتے ہیں حزا ہجزی کے معنی اندازہ اور ٹوہ لگانے کے ہیں۔

۲۴۔ غسان :۔ غسان یمن کے قریب ایک علاقے کا نام ہے اسکے لغوی معنی تالاب کے ہیں۔

۲۵۔ صاحب لنہ :۔ ہرقل کے اس دوست کا نام حضرت ضغاطر ہے۔ جن کا اجمالی تعارف پہلے گزر چکا

۲۶۔ دسکرۃ :۔ اسمبلی ہال۔ علامہ عینی رح فرماتے ہیں کہ دسکرۃ ایسے بڑے ہال کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد

چھوٹے چھوٹے کمرے ہوں۔

۲۷۔ فتبایعوا هذا النبی: ہرقل ایمان لایا ہے یا نہیں؟ اس میں محدثین سے دو اقوال منقول ہیں۔ (۱) علامہ ابنِ عبدالبر مالکی فرماتے ہیں کہ ہرقل مومن ہے اور اس نے حضور انورؐ کے پیغامِ اسلام کو دل سے تسلیم کر لیا تھا جیسا کہ حدیث الباب میں اس کے قول لو کنت عندہ لغسلت عن قدمیہ اور وکذلك الرسل تبعث جیسے کلمات سے ظاہر ہے۔ نیز اس نے فتبایعوا هذا النبی کہہ کر اپنے ایمان کا اعلان بھی کیا ہے اور اہلِ روم کو ایمان لانے کی دعوت بھی دی ہے۔ (۲) جمہور علماء کی تحقیق میں ہرقل ایمان نہیں لایا۔ زبانی طور پر اس نے عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے لیکن حکومت اور رعایا کے حالات کے پیشِ نظر اس کے خیالات صرف زبان تک ہی رہے۔ انہیں وہ عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اور اس نے غزوۂ موتہ اور غزوۂ تبوک میں حضراتِ صحابہؓ کے ایمانی لشکر کا مقابلہ کیا اور ناکام و ذلیل ہو کر واپس لوٹا۔

۲۸۔ حیصة حمر الوحش: حاص یحیص کے معنی پیٹھ دکھا کر بھاگنے کے ہیں۔ تو حاصل یہ کہ وہ اہلِ روم وحشی گدھوں کی مانند پشت دکھا کر بھاگے۔

۲۹:۔ آخر شأن ہرقل: یہ جملہ براعتِ اختتام پر دلالت کرتا ہے کہ امام بخاریؒ نے جہاں اس جملے سے ہرقل کے آخری حالات کی جانب اشارہ کیا ہے۔ تو ساتھ ہی باب الوحی کے اختتام کی جانب بھی اشارہ فرما دیا ہے اسے براعتِ اختتام کہتے ہیں۔

۴۔ مکتوبِ نبوی کا علمی و ادبی تجزیہ مکتوبِ گرامی فصاحت و بلاغت اور معانی و بیان کا حسین مجموعہ ہے جس کا ہر ہر جملہ حضور اکرمؐ کے صاحبِ جوامع الکلم ہونے پر شاہدِ عدل ہے۔ کامل و عظیم کی بات ہے جو سراسر باعظمت ہے۔ کہا جاتا ہے کلام الملوک ملوک الکلام چند علمی و ادبی نکات ملاحظہ ہوں۔ (۱) ابتدائے خط میں حضور انورؐ نے اپنا اسمِ گرامی پہلے لکھا اور ہرقل کا بعد میں کیونکہ کاتب و مرسل کا نام مرسل الیہ سے پہلے ہونا چاہیے تاکہ یہ اشکال پیدا نہ ہو کہ خط لکھنے والا کون ہے (۲) آپؐ نے اپنی صفت عبداللہ تحریر فرمائی جس سے عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث کا ابطال ہے اور عیسائیت کو انتہائی حسین پیرائے میں یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ میں محمد خاتم الانبیاءؐ، نبی الانبیاء، امام الانبیاء اور افضل الرسل ہونے کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ کا بندہ ہوں تو سیدنا عیسیٰؑ ابن اللہ یا جزء اللہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ (۳) آپؐ نے ہرقل کے تعارف میں عظیم الروم کے جملے کا انتخاب فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ نہ ہی کافر کی تنقیص درست ہے اور نہ ہی بہت زیادہ تعریف۔ البتہ اُسے اپنے عہدے اور منصب کے مطابق کسی مناسب لقب سے یاد کیا جائے (۴) آپؐ نے ہرقل کو صفتِ عظیم سے موصوف کیا ہے امیر اور ملک سے نہیں یوں نہیں فرمایا کہ امیر الروم یا ملک الروم۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی تشریف آوری کے بعد اب کوئی

امیر ہے اور نہ ہی کوئی ملک، اب امارت و شہنشاہیت صرف سرورِ کونین کو ہی حاصل ہے۔ مخلوق کے کسی فرد یا جماعت کو نہیں ہاں وہ خوش نصیب بھی امیر و ملک بن سکتے ہیں جو سرورِ کونین کے پیغام کے خادم و مطیع ہوں۔

(۵) سلام علی من اتبع الھدیٰ میں اُمتِ مسلمہ کو آپ نے یہ تعلیم دی کہ اگر کسی کافر کو مخاطب کرنا ہو یا اُسے جوابِ سلام دینا ہو تو ایسے جملے سے اُس پر سلامتی و عافیت کی دُعا کی جائے (۶) آپؐ نے یہ ایک ذو معنی جملہ استعمال فرمایا ہے کہ اے ہرقل تو بزعمِ خویش اہلِ کتاب اور مذہبِ عیسائیت کے متبع ہونے کے سبب ہدایت پر ہے تو تو اُس سلام کا مستحق ہے ورنہ نہیں۔ گویا اس جملے میں اسلامی اصول کی پابندی بھی ہے اور ملاطفت و دعوتِ اصلاح کا عجیب انداز بھی۔ (۷) اسلم تسلم یہ ایک انتہائی مختصر سا جملہ ہے جو مفہوم و معنی کے اعتبار سے نہایت کامل و اکمل ہے۔ محققینِ اُمت نے اس جملے کو جوامع الکلم میں شمار کیا ہے (۸) کلمہ تسلم میں دنیا و آخرت دونوں کی سلامتی کا وعدہ ہے یعنی دُنیا میں سلامتی اس حیثیت سے کہ تمہاری سلطنت اسی طرح قائم و دائم رہے گی جیسی کہ اب ہے اور آخرت میں سلامتی کے یہ معنی کہ عذاب و نارِ جہنم سے باسلامت رہو گے (۹) ہرقل کو آپؐ نے دوگنے اجر کی خوشخبری سُنائی ہے۔ وہ اس لئے کہ ہرقل اہلِ کتاب عیسائی تھا اور اہلِ کتاب اگر اسلامی دعوت قبول کرلے تو حضور انورؐ کے فرمان کے مطابق اُسے اجر دوگنا ملتا ہے۔ یہ دوگنا اجر اس وجہ سے بھی کہ ایک اپنے اسلام لانے اور دُوسرا اُس کے رعایا کے مسلمان ہونے کے سبب۔ (۱۰) آپؐ نے فان تولیت فرمایا ہے فان کفرت نہیں کیونکہ کلمۂ کفر ہر انسان کے ہاں ایک قبیح کلمہ ہے اسطرح کے غیر پسندیدہ کلمات کے استعمال سے دعوت و تبلیغ کی رُوح معدوم ہو جاتی ہے۔ داعی کی عظمت و دانائی کا عروج و کمال اس کے تبلیغی کلمات سے معلوم ہوتا ہے۔ دعوت میں ایسے کلمات استعمال کئے جائیں جن میں تالیفِ قلب اور ترغیب و تبشیر کی شان ہو (۱۱) مکتوبِ گرامی کے ان تین جملوں میں دعوت و تبلیغ کی تمام اسالیب کو بہت ہی حسین پیرائے میں جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ تین جملے خیر الکلام ما قلّ و دلّ کا حقیقی مصداق ہیں۔ ان تین جملوں میں امر، ترغیب و ترھیب، زجر و توبیخ اور تبشیر و انذار کو نہایت ہی لطیف انداز میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ کلمۂ اسلم میں امر، تسلم میں ترغیب، یؤتک اللہ میں تبشیر و ترغیب، فان تولیت میں زجر و توبیخ، فان علیک میں ترھیب و انذار عجیب انداز میں موجود ہیں۔

(۱۲) مخاطب کو ہمنوا بنانے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ایسے اقدار و اوصاف کو تلاش کیا جائے جو داعی اور مخاطب میں مشترک ہوں اور بطورِ اظہارِ ہمدردی اُسے اپنا جیسا ثابت کیا جائے اس اصولِ دعوت کے پیشِ نظر حضور اکرمؐ نے مذکورہ آیت کو تحریر فرمایا کہ اے اہلِ کتاب تم اور ہم دعوئ توحید اور ترکِ شرک میں ایک دُوسرے کے مماثل ہیں لہذا آگے رسالت و ختمِ رسالت کے نظریئے میں بھی ہمیں ایک جیسا ہونا چاہیئے۔

۵۔ حدیث اور ترجمۃ الباب میں ربط

(۱) حدیث الباب میں چونکہ ھو حی الیہ حضور اکرمؐ کے فضائل و شمائل مذکور ہیں۔ اس نسبت سے ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں مناسبت موجود ہے۔

(۲) خطوط و مکاتیب کے ذریعے وحی و قرآن کی دعوت دنیا کے کونے کونے میں پہنچی اور اس کا چار دانگ عالم میں چرچا ہو۔ لہذا ترجمۃ الباب سے ظہور وجودِ وحی کے اعتبار سے حدیث الباب کا ربط موجود ہے۔

(۳) یہ واقعہ ۶ھ میں پیش آیا چونکہ تقریباً یہ ابتدائی زمانے کی بات ہے اس لئے اس کا بدأ الوحی سے ربط موجود ہے۔ — لیکن یہ بات خاصی محل نظر ہے۔

فائدہ: مختلف علاقوں اور زمانوں میں گزرنے والے فرمانرواؤں کے القاب کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

(۱) روم کے ہر بادشاہ کا لقب قیصر، ایران و فارس کے فرمانروا کا لقب کسریٰ، ترک کے شاہ کا لقب خاقان، شاہان حبش کا لقب نجاشی، قبطیوں کے حکمرانوں کا لقب فرعون والیٔ مصر کا لقب عزیز، اہل حمیر کے حاکم کا لقب تُبّع، ہندوستان کے صدر کا لقب دھمی اور چین کے فرمانروا کا نام فغفور ہوتا تھا۔

تنظیم المدارس

۱۴۰۲ھ:

باب کیف کان بدء الوحی کی چھٹی حدیث جو حدیث ہرقل کے نام سے مشہور ہے جس میں ابو سفیان اور ہرقل کا مکالمہ مذکور ہے اور شاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرامی نامے کا بھی ذکر ہے جو ہرقل کو بھیجا گیا تھا۔ اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ بیان کیجئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

کتاب الایمان

۱۔ بَابُ قولِ النّبیؐ الخ

۱۔ ایمان کے لغوی معنیٰ

ایمان کے حروفِ اصلیہ ء، م، ن ہیں۔ مجرد میں یہ کلمہ تین ابواب میں مستعمل ہے (۱) اَمَنَ یَأمِنُ اَمْنًا (باب ضرب) اس کے معنی ہیں اعتماد کرنا بھروسہ کرنا (۲) اَمُنَ یَأمُنُ اَمَانَۃً (باب کرم) اس کے معنی ہیں امانت دار ہونا، امین ہونا معتمد علیہ ہونا۔ (۳) اَمِنَ یَأمَنُ اَمْنًا و اَمَانًا (باب سمع) اس کے معنی ہیں مطمئن ہونا، سکون سے رہنا، بے خوف ہونا، محفوظ رہنا۔ یہ خوف کی ضد ہے۔ اسی مجرد اَمِنَ کو باب افعال میں لائے تو اٰمَنَ یُؤْمِنُ اِیْمَانًا ہوا۔ یہ کلمہ ایمان چار طرح سے استعمال ہوتا ہے (۱) بطور فعلِ لازم:۔ اسوقت ایمان کے معنی ہوں گے با امن ہونا جیسے آمنتُ۔ (۲) بطور متعدی بنفسہ:۔ اسوقت ایمان کے معنی ہوں گے، امن دینا، بے خوف کر دینا جیسے قرآن حکیم میں ہے۔ وآمنھم من خوف۔ (۳) متعدی بالباء: اس میں معنی ہوں گے تصدیق کرنا، دل سے مان لینا، اعتماد و بھروسہ کرنا جیسے ارشادِ باری ہے اٰمن الرسول بما انزل۔ اٰمنت باللہ وملٰئکتہٖ وکتبہٖ ورسولہٖ۔ (۴) متعدی ب لام اور ب علی: اس کے معنی ہیں تابعدار و مطیع ہونا۔ جیسے قرآن میں ہے وما انت بمؤمنٍ لنا۔

۲۔ اصطلاحی معنیٰ

اصطلاحِ شریعت میں ایمان اُن جملہ اُمور کو مان لینے کا نام ہے جو اُمور حضور انورؐ سے یقینی طور پر ثابت ہوں۔ صاحب رُوح المعانی فرماتے ہیں:

الایمان ھو التصدیق بما علم مجیٔ الرسول بہٖ ضرورۃً اجمالاً و تفصیلاً

(حضور انورؐ جو دین لائے ہیں اُسے پورے طور پر مان لینے کا نام ایمان ہے) شریعت نے جن مسائل کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ جیسے نماز کے اوقات، رکعاتِ نماز کی تعداد، نصابِ زکوٰۃ وغیرہ۔ اُنہیں پوری تفصیل کے ساتھ ماننا اور جو احکام شریعت نے بغیر تفصیل کے اجمالاً بیان فرمائے ہیں جیسے عذابِ قبر وغیرہ اُس پر اجمالاً ایمان لانا فرض ہے۔ ضرورۃً کا معنی ہے کہ وہ احکام جو حضور انورؐ سے یقینی طور پر ثابت ہوں جیسے توحید، رسالت، ختمِ رسالت، نماز پنجگانہ، عذابِ قبر اور شراب، جوئے وغیرہ کی حُرمت۔ علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ایمان جان لینے کا نام نہیں بلکہ ایمان مان لینے کا نام ہے۔

۳ - ایمان کیا ہے ؟

حضرات فقہاء، سادات متکلمین اور اہل قبلہ علماء و محققین کے مابین ایمان کے مصداق، ایمان کی حقیقت اور ایمان کی حیثیت میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے وجہ خلاف آیات و روایت کے ظاہری مفہوم کا اختلاف ہے، نیز ایمان کا مدار باطن و قلب پر ہے جس کی حقیقت کا علم انسانی بس میں نہیں۔ مشہور اختلافی عنوانات درج ذیل ہے (۱) ایمان بسیط ہے یا مرکب ؟ (۲) اعمال کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ کہ اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہیں یا نہ ؟ (۳) ایمان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) ایمان بسیط ہے یا مرکب

(۱) بسیط فقط تصدیق :- امام اعظم ابو حنیفہ حضرات صاحبین امام غزالی، امام الحرمین اکثر فقہاء، اور جمہور محققین متکلمین کے نزدیک ایمان بسیط ہے تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے اقرارِ لسان اسلامی احکامات کے اجراء و تنفید کیلئے شرط ہے شطر یعنی جزء نہیں۔ اس لئے اقرار حقیقتِ ایمان سے خارج ہے۔

(۲) بسیط فقط معرفت : علامہ جہم بن صفوان فرقہ جہمیہ اور اہل تشیع کے نزدیک ایمان بسیط ہے معرفتِ حق (دل سے حق کو پہچاننے) کا نام ایمان ہے تصدیق و اقرار ضروری نہیں۔

(۳) بسیط فقط اقرار : علامہ محمد بن اکرام اور اسکے ہم نواؤں کرامیہ کے ہاں ایمان بسیط ہے فقط اقرارِ لسانی کا نام ایمان ہے تصدیق قلبی ضروری نہیں۔

(۴) مرکب ثنائی : علامہ نعمان اور اسکے متبعین فرقہ مرجئہ کے نزدیک ایمان مرکب ثنائی ہے یعنی تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی کا نام ایمان ہے (بعض شراح نے مرجئہ کا مسلک بسیط فقط تصدیق قلبی بتلایا ہے جو نادرست ہے اصلاح فرمالیں)

(۵) مرکب ثلاثی : امام مالک، امام شافعی، امام احمد (فی روایۃ) امام بخاری، معتزلہ، خوارج اور اکثر محدثین کے نزدیک ایمان تین امور سے مرکب ہے تصدیقِ قلبی اقرارِ لسانی، اعمالِ جوارح ان تین کے مجموعہ کا نام ایمان ہے

(۲) اعمال کی شرعی حیثیت :

(۱) مکمّلِ ایمان :- امام اعظم ابو حنیفہ، حضراتِ فقہاء و محدثینِ حنفیہ، جمہور اہل سنّت اور جملہ علماءِ اہلِ کلام کے نزدیک اعمال حقیقتِ ایمان سے خارج ہیں ایمان کا جزء نہیں البتہ اعمالِ حسنہ تکمیل ایمان کے لئے ضروری ہیں اور نجاتِ کامل عملِ صالح پر موقوف ہے تارکِ اعمالِ حسنہ فاسق ہے جو اعمالِ حسنہ میں کوتاہی کے سبب ایک مقررہ مدت تک جہنم میں داخل ہوگا۔ پھر تصدیقِ قلبی کے سبب آخر کار جنّت میں داخل ہو جائے گا۔

(۲) مکمّلِ ایمان : حضراتِ ائمہ ثلثہ اور جمہور محدثین کے نزدیک اعمال حقیقتِ ایمان سے خارج ہیں۔ لیکن کمالِ ایمان کا جزء ہیں اسلئے تارکِ اعمال کمالِ ایمان میں نقص کے سبب جہنم میں جائے گا اور حقیقتِ ایمان سے

خارج ہونے کے سبب آخر کار ناجی ہوگا۔

پہلے اور اس قول کا حاصل ایک ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ کہ قولِ ثانی کے قائلین کے اقوال میں باہم تعارض ہے ایک جانب اعمال کو حقیقتِ ایمان کا جزء قرار دیا جیسا کہ ایمان کی ترکیب کے قول سے ظاہر ہے۔ دوسری جانب عدمِ اعمال حسنہ سے حقیقتِ ایمان کو باقی رکھا، حالانکہ انتفاءِ جزء انتفاءِ کل کو مستلزم ہے۔

(۳) نرائد از ضرورت: فتنۂ مرجئہ اور فرقۂ کرامیہ کے نزدیک اعمالِ صالحہ کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں، مومن کے لئے اعمالِ حسنہ اور شرعی احکام کی پابندی قطعی غیر ضروری ہے۔ اعمالِ سیئہ اس کیلئے مضر نہیں، مومن جسے تصدیق قلبی اور اقرار لسانی حاصل ہو وہ اگر تمام عمر معاصی و کبائر میں غرق رہے۔ اعمالِ حسنہ اور توبہ سے غافل ہو تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی جہنم میں داخل نہ ہوگا بلکہ جنت ہی اس کا مستقر ہے۔ ہاں اگر اچھے اعمال کئے تو جنت کے درجات میں ترقی ہوتی رہے گی۔

(۴) خوارج کے ہاں اعمال ایمان کا جزء ہیں۔ معاصی و کبائر کے ارتکاب سے ایمان ختم ہو جائے گا۔ ایسا انسان کافر ہے ایمان سے خارج ہے دائمی جہنمی ہے۔

(۵) معتزلہ کے نزدیک ایمان اعمال سے مرکب ہے اعمال ایمان کا جزء ہیں معاصی و کبیرہ کا مرتکب حدِ اسلام سے خارج ہے فاسق ہے کافر نہیں۔

(۳) ایمان میں زیادتی و کمی

(۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ، جمہور متکلمین، اکثر فقہاء، اور جملہ ایسے فرق جن کے ہاں ایمان بسیط یا مرکب ثنائی ہے کے نزدیک ایمان میں نہ ہی زیادتی ممکن ہے اور نہ ہی کمی ــــ (۲) امام ابوحنیفہؒ (فی روایۃ) امام مالکؒ اور بعض فقہاء کے نزدیک ایمان میں زیادتی تو ممکن ہے کمی کا امکان نہیں ــــ (۳) امام شافعیؒ، امام احمدؒ، معتزلہ، خوارج اور جمہور محدثین کے نزدیک ایمان میں زیادتی بھی ہو سکتی ہے اور کمی بھی۔

۴۔ اہلِ حق کے دلائل:

ایمان میں زیادتی و کمی اور اعمال میں شرعی حیثیت کا اختلاف، ایمان کی بساطت اور ترکیب کے اختلاف پر مبنی ہے۔

لہٰذا مندرجہ ذیل دلائل اہلِ حق کے تینوں طرح کے اقوال و مذاہب کے لئے مثبت و مؤید ہیں۔ دلائل و براہین کے میدان میں کلام اللہ (قرآن مجید) کو ماخذ اور فیصل کے اعتبار سے شرفِ اولیت اور اعزازِ اولویت حاصل ہے۔ کلام اللہ میں انفرادی اور جزئی دلائل کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے جنہیں ہم پانچ اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ انہی اقسام میں سے ہر قسم کی صرف ایک ایک دلیل تحریر کی جاتی ہے۔ جو درجِ ذیل ہیں۔

(۱) عطف الاعمال علی الایمان: وہ آیات جن میں اعمالِ صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے یعنی کہ معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہے تو معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں جیسے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الآیہ) اور وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً (الآیۃ) اس قسم کی آیات تین سو سے زائد ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے یہ اشکال پیش فرمایا کہ آیاتِ مذکورہ میں عطف مغایرت کے لئے نہیں بلکہ تخصیص بعد تعمیم کیلئے ہے۔ یہ اشکال چنداں درست نہیں کیونکہ تخصیص بعد التعمیم میں معطوف، معطوف علیہ سے شرافت اور شان میں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ یہاں اعمال ایمان سے یقیناً زیادہ مہتم بالشان نہیں بلکہ ایمان افضل ہے اور اعمال مفضول۔ علامہ عسقلانیؒ نے یہ اشکال پیش فرمایا کہ ان آیات میں عطف تفسیری ہے یعنی ایمان اور اعمالِ صالحہ ایک ہی چیز ہیں۔ یہ اشکال قطعی غلط ہے۔ کیونکہ ایمان عین اعمال نہیں بلکہ مغایر اعمال ہے۔ (کما قال الفقہاء) یا جزء ایمان ہیں (کما قال المحدثون) - نیز تسلیم عینیت میں تکرار ہے جو فصاحت کے منافی ہے۔

(۲) شرطیتُ الایمان لقبولیت الاعمال: وہ جملہ قرآنی آیات جن میں ایمان کو اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ اجماعی قاعدہ ہے کہ شرط مشروط کا غیر ہوتا ہے جیسے (۱) فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ (الآیۃ) (۲) اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ——— ایسی آیات کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے ———

(۳) حکم التوبۃ عند الایمان: ایسی آیات جن میں مؤمنین کو اٰمنوا سے مخاطب کرکے توبہ واستغفار کا حکم دیا گیا ہے اور توبہ معصیت پر موقوف ہے اگر معصیت سے ایمان منتفی ہو جاتا تو توبہ کے لئے لفظ اٰمنوا سے تخاطب درست نہ ہوتا کیونکہ ایمان معصیت کی ضد ہے اور ضابطہ ہے کہ الشئی لایجمع مع ضدہ۔ نیز معلوم ہوا کہ ایمان اور معاصی ایک ہی فرد میں جمع ہو سکتے ہیں — — جیسے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحاً ——— (الآیۃ)
ایسی آیات قرآن مجید میں بیس کے لگ بھگ ہیں۔

(۴) اطلاق المؤمن علی العاصی: وہ آیاتِ قرآنیہ جن میں مرتکبِ معصیت مؤمن کو وصفِ ایمان سے موصوف کیا گیا ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے۔
وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا (الآیۃ) قتال بالاجماع گناہ کبیرہ ہے۔ اس کے باوجود طائفۂ مقاتل کو مؤمن کہا گیا ہے تو معلوم ہوا گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے ایمان منتفی نہیں ہوتا۔ امام بخاریؒ نے صحیح پر باب المعاصی

ولا یکفر صاحبہا بارتکابہا سے اسی بات کو ثابت کیا ہے کہ صاحب معاصی مؤمن ہے کافر نہیں۔

(۵) قلب محلِ ایمان ہے: قرآن مجید کی متعدد آیات میں ایمان کا محل دل اور سینے کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح تصدیق کا محل بھی سینہ اور دل ہے جبکہ اعمال کا محل اعضاء و جوارح ہیں معلوم ہوا کہ ایمان اور اعمال میں مغایرت ہے اور اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں جیسے ارشادِ ربانی ہے۔

(۱)۔ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ الآیۃ (۲) وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الآیۃ)

(۳)۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (الآیۃ) (۴) قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ـــ (الآیۃ)

ایسی آیات چالیس سے زائد ہیں۔

دلائل و شواہد کے باب میں ثانوی حیثیت احادیثِ محمدیہ کو حاصل ہے۔ ایسی احادیث جن سے مسلک احق کی تائید ہوتی ہے انکی تعداد شمار سے کہیں باہر ہے۔ چند اہم اصولی احادیث کو ذکر کیا جاتا ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ حدیثِ جبرئیلی: سیدنا جبرئیل کے استفسار پر حضور انور نے ایمان کی تعریف تصدیق قلبی سے اور اسلام کی تعریف اعمالِ جوارح سے فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے اور اعمالِ صالحہ اسلام کا جزء ہیں ایمان کا نہیں۔

۲۔ محلیّۃ القلب: ایسی احادیث جن میں ایمان کا محل قلب کو قرار دیا گیا ہے۔ جیسے کہ سیدنا اسامہؓ کی حدیث میں آپؐ نے فرمایا: هَلَّا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ (صحیح مسلم)

(۳) حدیثِ قولی: ایسی احادیث کہ جن میں آپؐ نے تصدیق اور اقرارِ توحید پر جنت کی خوشخبری دی۔ اور مرتکبِ معصیت کو ایمان اور جنت سے خارج نہیں فرمایا جیسے سیدنا ابوذرؓ کی مشہور حدیث میں ہے: مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنْ زَنٰى ـــ وَاِنْ سَرَقَ۔

(۴) ارشادِ شارع: متعدد ایسی احادیث جن میں حضور انور نے مخاطب سے توحید اور رسالت کے بارے میں پوچھا اور مخاطب نے درست جواب دیا تو آپؐ نے اُسے مؤمن قرار دیا جبکہ آپؐ نے اعمال کے بارے میں نہ ہی سؤال کیا اور نہ ہی مخاطب نے جواب دیا۔ جیسا کہ آپؐ نے ایک باندی سے پوچھا مَنْ رَبُّكِ باندی نے جواب دیا۔ اللّٰه ـــ دوسرے سؤال میں آپؐ نے پوچھا مَنْ اَنَا اُس نے جواب دیا رسول اللّٰه آپ نے فرمایا۔ فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ

(۵) فرامین نبوت: سیدنا معاویہؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا جابرؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ، سیدنا عبادہ بن صامتؓ سے صحیحین میں ایسی احادیث مروی ہیں کہ جن میں تصریح ہے کہ نجاتِ اُخروی اعمال

حسنہ پر موقوف نہیں ۔

۱۔ **دلائلِ قیاسیّہ** :- ایمان کے لغوی معنی تصدیق کرنے اور دل سے مان لینے کے ہیں۔ لغوی معنیٰ شرعی اور اصطلاحی معنی میں ملحوظ ہوتے ہیں۔ ہاں اگر حضرتِ شارعؑ سے کوئی دوسرے شرعی معنی ثابت ہو جائیں تو پھر لغوی معنیٰ شرعی معنی میں معتبر نہیں ہوتے۔ اب ایمان کے کوئی شرعی معنی حضرت شارعؑ سے منقول نہیں ـــــ لہذا ایمان کے لغوی معنی جو تصدیق قلبی کے ہیں وہی شرعی معنیٰ میں اسی معتبر ہوں گے۔

۲۔ **دلیلِ عقلی** :- روزِ اوّل سے اس مسئلے پر تمام اُمتِ اسلامیہ کا اجماع ہے کہ فاسق مسلمان کے مرنے پر وہی مذہبی، تعظیمی سلوک رَوا رکھا جائے جو ایک مؤمن کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے جیسے نمازِ جنازہ کی ادائیگی اور مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین ـــــ جبکہ یہ طرزِ عمل کافر کے معاملے میں بالاتفاق حرام ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ معاصی و کبائر کا مرتکب مؤمن ہے کافر نہیں ۔

۳۔ **دلیل لغوی** :- بالاجماع ایمان کُفر کی ضد ہے اور کُفر کے معنی انکار و تکذیب کے آتے ہیں۔ جس کا محل انسانی قلب ہے۔ تو کفر کی ضد یعنی ایمان کا محل قلب ہی ہوگا ۔

۴۔ **دلیل فکری** :- ہمیشہ سے دعوت و تبلیغ کا اُصول رہا ہے کہ پہلے ایمان اور اس کے بعد اعمال کی جانب اُمّت کو متوجہ کیا جاتا ہے۔ اگر اعمال ایمان کا جُزء ہوتے تو دعوتِ ایمان کے بعد دعوتِ عمل تحصیل حاصل ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی یہی انداز اپنایا گیا ہے کہ مخاطبین کو وصفِ ایمان سے مخاطب کر کے پھر انہیں مختلف اعمال کی بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ نماز، روزہ، وضو، حج اور جہاد وغیرہ کی آیات واحادیث۔

۵۔ معتزلہ اور خوارج کے شُبہات مع جوابات

ارشادِ ربّانی ہے۔ وَاِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (الآیۃ) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ربِ کائنات کی جانب سے مغفرت و بخشش ہر اُس شخص کے لئے ہے۔ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرے۔ گویا اعمالِ صالحہ کے بغیر مغفرت نہیں۔ مغفرت کا نہ ہونا عدمِ ایمان اور وجودِ کُفر کی دلیل ہے ۔

جواب :- اھل الحق کے دلائل کے ضمن میں آمدہ نصوص قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں ایسی آیات کمالِ مغفرت پر موقوف ہیں۔ یعنی کامل و مکمل بخشش اعمالِ صالحہ کے طفیل نصیب ہوگی۔

۲۔ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابٍ مُّقِیۡمٍ (الآیۃ) یعنی ظلم جو ایک قبیح عمل ہے۔ اس سے انسان عذابِ مقیم کا مستحق بن جاتا ہے۔ اور عذابِ مقیم کفار کے لئے ہوتا ہے۔

جواب :- ظلم سے مُراد کُفر ہے۔ جو ظلم کا فردِ کامل ہے ۔

۳۔ ارشادِ باری ہے ۔ ومن یّقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنّم خالداً فیھا (الآیۃ)

۴۔ ومن یعص اللہ ورسولہ فانّ لہ نار جھنّم خالدین فیھا (الآیۃ)

نیز ایسی جملہ آیات جن میں مرتکبِ کبائر اور اصحابِ معصیّت کے لئے جہنّم میں ہمیشہ رہنے کی خبر دی گئی ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے جہنّم میں رہنا کفّار کے لئے مخصوص ہے۔

جواب : ۱۔ خلود سے مکثِ طویل یعنی بہت مدّت تک جہنم میں رہنا مُراد ہے۔

۲۔ یہ آیات مستحل پر محمول ہیں یعنی جو قتل عصیان اور گناہوں کو حلال سمجھ کر اُنکا مرتکب ہو

۳۔ ایسی آیات میں نفسِ سزا کا ذکر ہے یعنی قاتل، عاصی اور مرتکبِ کبیرہ اس بات کا مستحق ہے کہ اُسے ہمیشہ کے لئے جہنّم میں رکھا جائے لیکن تصدیقِ قلبی اور ایمان کے سبب اُسے اسطرح کی سزا نہیں دی جائیگی۔

۵۔ قولِ شارع ہے : من ترک الصّلوٰۃ متعمّدًا فقد کفر (الحدیث) قرآن میں ہے : ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الکافرون (الآیۃ) نیز وہ جملہ آیات و احادیث جن میں ترکِ عمل پر کُفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ **جواب :** ۱۔ یہاں کُفر سے کُفرِ عملی مراد ہے یعنی ایسے انسان نے باوجود مؤمن ہونے کے ایسا عمل کیا جیسا عمل کفار سے سرزد ہوتا ہے۔

۲۔ یہ کفر شکر کی ضد ہے یعنی ایسے گناہگار نے کفرانِ نعمت کیا ہے اور شکرِ خداوندی بجا نہیں لایا۔

۳۔ یہ استحلال پر محمول ہے کہ ایسے کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کو گناہ نہ سمجھے بلکہ حلال و جائز تصوّر کرے۔

۶۔ حدیث میں ہے لا ایمان لمن لا امانۃ لہ (الحدیث) اور اس طرح کی وہ جملہ احادیث جن میں کسی معصیّت کے صدور پر ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ **جواب :** ایسی جملہ احادیث میں ایمان کامل کی نفی ہے کہ اعمال سیّئہ کے ارتکاب سے ایمان میں نقص آجاتا ہے کامل نہیں رہتا۔ اس پر قرینہ سابقہ دلائل کے علاوہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے جسے امام بخاریؒ نے ص۶ پر نقل فرمایا ہے۔ انّ للایمان فرائض و شرائع فمن استکملھا استکمل الایمان نیز اس طرح کی ایک حدیثِ مرفوع سُننِ ابی داؤد میں بھی مروی ہے۔ فرمایا : من احبّ للہ والبغض للہ فقد استکمل الایمان (الحدیث)

۶۔ مرجئہ کے دلائل مع جوابات

(آ) ارشادِ ربّانی ہے۔ فمن یؤمن بربّہ فلا یخاف بخساولا رھقاً (الآیۃ) اس سے معلوم ہوا کہ نفسِ ایمان نجات کے لئے کافی ہے اور اعمالِ صالحہ کی قطعی ضرورت نہیں۔ **جواب :** ایسی آیات میں ایمان سے ایمانِ کامل مراد ہے جس میں اعمالِ صالحہ بھی داخل ہیں۔

۲۔ آیتِ قرآنی ہے : ان العذاب علی من کذّب وتولّی (الآیۃ)

۳۔ لا یصلاھا الا الاشقی الذی کذّب و تولّٰی ــــــــ (الآیۃ)
ان دو آیات سے معلوم ہوا کہ جہنّم کا عذاب فقط مکذّب کے لئے ہوگا۔ جبکہ اعمالِ سیئہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے مکذب نہیں کیونکہ تصدیق اس کے دِل میں موجود ہے۔

جواب :- یہاں عذاب سے عذاب کامل مراد ہے یعنی ہمیشہ کا عذاب مکذّب کے لئے ہے۔ فاسق کے لئے نہیں۔

۴۔ ایسی جملہ احادیث جن میں کلمۂ طیبّہ اور توحید و رسالت کے اقرار پر نجات اور جنّت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث ہے :(۱) من ـــــ قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ (۲) عن معاذ بن جبل رض قال قال رسول اللہؐ مفاتیح الجنۃ شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ (بخاری)

جواب : ۱۔ ایسی تمام روایات مکّی ہیں اور اس زمانے کی ہیں جبکہ ابھی احکام کا نزول نہ ہوا تھا۔ اور اس وقت یقیناً مدارِ نجات صِرف توحید و رسالت کی تصدیق تھی۔

۲۔ امام غزالی رح فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں نجات فی الجملہ مراد ہے۔ نجاتِ کامل نہیں۔ مطلب ہے کہ ایسا انسان آخر کار جنّت میں ضرور جائے گا۔

۳۔ ایسی احادیث میں کلمہ طیبّہ کی تاثیر بیان کی گئی ہے کہ یہ کلمہ ایسا عالی اور عظیم المرتبت ہے کہ اسکی تصدیق کرنے والا جنّت میں ہی داخل ہوگا۔

الحاصل :- امام غزالی رح نے احیاء العلوم میں معتزلہ، خوارج اور مرجئہ کے دلائل لکھنے کے بعد ایک اصولی جواب تحریر فرمایا ہے کہ معتزلہ و خوارج ایک کنارے پر ہیں۔ مرجئہ دُوسرے کنارے پر۔ یہ فرقے افراط و تفریط کا شکار ہیں جبکہ اھلِ سُنّت نکتۂ اعتدال پر ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان اور نجات کے دو دو درجے ہیں ۱۔ نفسِ ایمان ۲۔ ایمانِ کامل ــــــ اسی طرح نجات فی الجملہ اور ۲۔ نجاتِ کامل ــــــ معتزلہ و خوارج کے دلائل ایمانِ کامل اور نجاتِ کامل پر محمول ہیں۔ اور مرجئہ کے دلائل نفسِ ایمان اور نجات فی الجملہ پر محمول ہیں نیز ان دونوں افراط و تفریط زدہ طبقوں کے لئے یہ آیت سیفِ قاطع ہے۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء (الآیۃ) یعنی کافر و مشرک کی بخشش قطعاً نہیں ہوگی۔ جبکہ فاسق و عاصی کی بخشش مشیتِ ایزدی پر موقوف ہے۔ معتزلہ و خوارج کے ہاں فاسق چونکہ مؤمن نہیں لہٰذا اسکی بخشش نہیں ہوگی۔ آیتِ مذکورہ میں انکی تردید ہو گئی کہ فاسق کی بخشش ہوگی۔ جبکہ مرجئہ کے ہاں عاصی و فاسق کی سزا نہیں تو اس آیت سے انکی بھی تردید ہو رہی ہے کیونکہ انکی بخشش اللہ کی مشیّت پر موقوف ہے۔

۷۔ حضراتِ محدّثین کے دلائل و جوابات

۱۔ امام بخاری رح نے ترجمۃ الباب میں متعدد قرآنی آیات، احادیثِ طیبہ

اور آثارِ صحابہ و مجتہدینؒ سے ایمان کی زیادتی کو ثابت کیا ہے جس کے چند جوابات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ باعتبار مؤمن بہ :۔ ایمان میں زیادتی، احکام و اعمال کے اعتبار سے ہے جیسے جیسے اسلام، احکام، شرائع سے مزین ہوتا چلا گیا ویسے ہی حضراتِ صحابہ اور مؤمنین کا ایمان بھی بڑھتا رہا۔ جبکہ نفسِ ایمان تو ایک ہے۔ اور وہ ہے حضور انورؐ کے تمام فرائض و اعمال کو مان لینا۔ اب جبکہ دین کی تکمیل ہو چکی اور نزولِ قرآن کی نعمت تمام ہو چکی تو اب نہ ہی ایمان میں کمی ہے اور نہ ہی زیادتی۔

۲۔ باعتبار استقلال و استقامت : علامہ ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دِنوں میں مؤمنین کے ایمان میں کمی اور بیشی ہوتی رہتی تھی۔ جو حضرات ایمان پر مستقیم رہے اور انکی استقامت میں اضافہ ہوتا چلا گیا تو ان کا ایمان بھی بڑھ گیا۔ اور جن لوگوں کی استقامت کمزور تھی۔ گویا ان کا ایمان ناقص رہا۔ یعنی ایمان میں زیادتی و کمی کمیت کے اعتبار سے نہ تھی بلکہ کیفیت یعنی استقلال و استقامت کے اعتبار سے ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہی۔

۳۔ باعتبار تاثیر :۔ زیادتی و نقص تاثیر کے اعتبار سے ہے یعنی مؤمنین کی نُورانیت اور انکی عظمت و ہیبت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جیسے سُورج، چاند اور چراغ کی روشنی میں فرق ہے۔ ہیں تینوں نور لیکن ہر ایک کا نور دُوسرے سے متفاوت ہے۔

۴۔ اعمالِ صالحہ جزوِ ایمان ہیں اس دعوے کو حضراتِ محدثینؒ نے مندرجہ ذیل آیات سے ثابت فرمایا ہے:

(۱) ارشادِ ربانی ہے: انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم (الآیہ)

(۲) قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون الخ (الآیۃ)

(۳) انما یؤمن بایتنا الذین اذا ذکروا بها خروا سجدا (الآیۃ)

ان تین آیات سے معلوم ہوا کہ دِلوں کا ڈر جانا، سجدے میں گر پڑنا اور عبادات میں مشغول ہو جانا جزوِ ایمان ہیں کیونکہ ان اعمالِ حسنہ کو انّما اور دوسرے کلماتِ حصر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

جواب :۱۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضراتِ محدثینؒ نے ایک طرف تو اعمالِ صالحہ کو ایمان کا جزو قرار دیا۔ اور اس اپنے دعوے کو آیات و احادیث سے تقویت بخشی دوسری جانب اعمالِ صالحہ کے معدوم اور فوت ہو جانے سے ایمان کے معدوم اور فوت ہونے کو تسلیم نہ کیا حالانکہ یہ بات بدیہیات میں سے ہے کہ اجزاء کا فوت ہو جانا کل کے فوت ہو جانے کو مستلزم ہے لہذا تمام جہتوں سے حضراتِ متکلمین کا مسلکِ اولیٰ، راجح اور قرینِ کتاب و سُنت ہے۔

(۲) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضراتِ محدثینؒ سے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے پُوچھتے ہیں کہ جس

شخص نے نماز خشوع و خضوع سے نہیں پڑھی، اللہ پر بھروسہ نہیں کیا۔ اعمالِ حسنہ میں کوتاہی کرتا رہا۔ جبکہ اُسے تصدیقِ قلبی حاصل رہی کیا وہ جنت میں داخل ہوگا یا نہیں؟ حضراتِ محدثین تسلیم کرتے ہیں کہ اعمالِ سیئہ کی سزا بھگتنے کے بعد محض تصدیقِ قلبی کی وجہ سے جنت میں آخر کار ضرور داخل ہوگا۔ اور یہ بات تمام نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے صراحۃً ثابت ہے کہ اس پر تمام حضراتِ محدثینؒ کا اجماع ہے کہ جنت میں سوائے مومن کے کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ (یہ اجماعی اُصول ہے لا یدخل الجنۃ الا نفس مسلمۃ

لہٰذا معلوم ہوا کہ بغیر اعمالِ حسنہ کے بھی مومن، مومن ہی ہوتا ہے تو پھر اعمالِ صالحہ جزءِ ایمان کیونکر ہوئے۔

۸۔ فرقِ اسلامیہ کا تعارف مع وجہ تسمیہ

دنیا میں اس وقت جتنے فرقے انسانیت میں موجود ہیں اُن میں سے وہ فرقے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے آپ اسلام کی جانب منسوب کرتے ہیں فرقِ اسلامیہ کہلاتے ہیں خواہ وہ اسلام کے صحیح راہ پر گامزن ہوں جیسے اہلِ سنت و جماعت (حضراتِ حنفیہؒ مالکیہ، شافعیہ و حنبلیہ) یا راہِ راست سے کوسوں دُور جیسے شیعہ، قدریہ، خوارج، معتزلہ، مرجئہ، کرامیہ، جہمیہ، جبریہ، اہلِ ظواہر اور اہلِ قرآن وغیرہ یہ سارے فرقے گمراہ اور ننگِ دین و مذہب ہیں۔ صحیح اسلامی فرقہ اہلِ سُنّت والجماعت ہے جو سنتِ نبویہؐ اور جماعتِ صحابہؓ کے پیرو ہیں اور فرمانِ حضرت شارعؐ "ما أنا علیہ و اصحابی" کا مصداق ہیں چند مشہور مسالک فرق کا تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ **معتزلہ:-** اس فرقہ کا بانی واصل بن عطاء ہے جو سیدنا حسن بصریؒ کا معاصر تھا۔ درسِ حدیث میں شامل رہتا مرتکبِ کبیرہ کے مسئلہ میں "لیس بمؤمن ولا کافر" کہہ کر راہِ ہدایت سے بھٹکا اور علیحدہ ایک مسلک کا بانی بن گیا سیدنا حسن بصری نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: اعتزل عنا (وہ ہم سے الگ ہو چکا) جس سے اہلِ حق نے اس فتنہ کا نام اعتزال و معتزلہ رکھا۔ اس مسلک کے حاملین یونانی فلسفہ سے بہت متاثر رہے اور انہوں نے حق و باطل میں امتیاز کا معیار فلسفہ اور منطق ہی کو قرار دیا اور یوں یہ لوگ کتاب و سُنت سے دُور ہوتے چلے گئے۔ اس فرقہ میں اہلِ علم کی تعداد کافی رہی اور یہ علمی اعتبار سے بہت پایہ کے لوگ تھے۔

۲۔ **خوارج:-** یہ فتنہ سیدنا علیؓ کے دورِ خلافت میں اُٹھا تحکیم کے مسئلہ میں کچھ لوگ سیدنا علیؓ کے مخالف ہوگئے تو اطاعتِ امیر سے بغاوت و خروج کے سبب خوارج کہلائے یہ بدنصیب اہلِ فرقہ سیدنا عثمان اور سیدنا علی کرم اللہ وجہھما کی شان میں بدکلامی کیا کرتے تھے۔

۳۔ **جبریہ، جہمیہ:-** اس فتنہ کا بانی مبانی جہم بن صفوان ہے یہ بعض اصولی مسائل میں معتزلہ کے ہم نوا تھا انسان کو مجبورِ محض سمجھنے کے سبب یہ لوگ جبریہ مشہور ہوئے۔

۴- قدریہ :- اس فرقہ کی ابتداء حضرات تابعین کے دور سے ہوئی یہ لوگ انسان کے افعال و اختیارات کے مسائل میں فرقۂ جبریہ کی ضد ہے۔ اس لئے قدریہ کہلائے۔

۵- مرجئہ :- ارجاء۔ کے معنی پس پشت اور تاخیر میں ڈالنے کے ہیں قرآن میں ہے وآخرون مرجون اس گروہ کو مرجئہ اعمال کو اپنے مقام سے پیچھے ہٹا دینے کے سبب کہا جاتا ہے۔

شیعہ، اہل ظواہر (غیر مقلدین) اور اہل قرآن (پرویزیت) کا فتنہ معروف ہے محتاج بیان نہیں ——— ان کی عملی تصاویر برصغیر میں موجود ہیں۔

۹- کفر اور اس کے اقسام

کفر کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں کہا جاتا ہے کفر درعہ بثوبہ (اس آدمی نے اپنی زرہ کو اپنے کپڑے میں چھپا دیا۔ قاموس میں ہے۔ الکفر الستر لغۃً — اصطلاحی کفر کی تعریف علماء اہل سنت سے یوں منقول ہے کہ تواتر سے ثابت شدہ دینی احکام میں سے کسی ایک حکم کا انکار کفر ہے۔ کفر کی اقسام درج ذیل ہیں۔

۱- کفرِ انکار :- دل اور زبان دونوں سے حق و صداقت کا انکار کیا جائے کہ دل تصدیقِ قلبی اور زبان اقرارِ لسانی سے محروم ہو جیسا کہ مکہ کے مشرک اور ہر دور کے عمومی کفار۔

۲- کفرِ جحود :- دل میں اقرار اور زبان پر انکار جیسے ابلیس فرعون اور آلِ فرعون

۳- کفرِ نفاق :- زبان سے اقرار اور دل میں انکار جیسے یثرب کے منافق۔

۴- کفرِ عناد :- دل اور زبان دونوں سے حق کا اقرار لیکن کسی وجہ سے ایمان کو قبول جیسے ہرقل ابوطالب اور یورپ وغیرہ کے مستشرقین کہ حکومت، مال، دنیاوی جاہ و جلال اور اسلافِ شر کی اندھی تقلید کے سبب حق کو قبول نہیں کرتے۔

۵- کفرِ الحاد :- دین کے ضروری بدیہی اور اجماعی مسائل میں سے کسی ایک یا ایک سے زائد مسائل کا انکار یا تحریف

۶- کفرِ فسق :-

احقر کے نزدیک ان پانچ اقسام کے علاوہ کفر کی چھٹی قسم کفرِ فسق کی ہے کہ ایسا شخص جسے تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی دونوں حاصل ہوں لیکن ایسے اعمالِ شنیعہ کا مرتکب ہو جائے جس کے ارتکاب پر حضرت شارع نے قرآن و سنت میں فقط کفر کا حکم لگا کر مرتکب کو کافر قرار دیا ہے۔ البتہ ندامت، توبہ اور اقرار و تصدیق کے احتمال و حسنِ ظن کے سبب ایسے شخص کے ساتھ برتاؤ اہل ایمان جیسا ہو گا۔ اس چھٹی قسم کے تسلیم سے وہ جملہ

احادیث جن میں تکفیر یا خلود فی النار کا حکم لگایا گیا ہے کسی تاویل و توجیہ کے بغیر حقیقی معنی پر محمول ہوں گی نیز وہ جملہ احادیث بھی اپنے حقیقی ہی میں ہوں گی جن میں ایسے لوگوں کے ساتھ اہل ایمان جیسے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے ـــــ جیسے بے نمازی، سود خوار، قاتل اور ڈاکو وغیرہ،

۱۰۔ اسلام کی تعریف

مجرد میں سَلِمَ یَسْلَمُ سلامۃً کے معنی نجات پانے اور سلامت رہنے کے ہیں اہل عرب کہتے ہیں اِذْھَبْ بِذِی تَسْلَمُ کہ اے مخاطب تیرا سفر امن و آشتی سے ہو۔ باب افعال میں اسلام کے معنی ہیں فرماں بردار ہونا، مطیع ہونا، دینِ اسلام اختیار کرنا، بیع سلم کا معاملہ کرنا اور سپرد کر دینا جیسے قرآن مجید میں ہے: ـــــ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت ۔ (الآیۃ) باب تفعیل میں سلّم تسلیماً وسلاماً کے معنی السلام علیکم کہنے کے ہیں اصطلاحِ شریعت میں اسلام کے معنی ہیں اسلامی احکامات کے سامنے اپنے قلب، زبان اور اعضاء کو جھکا دینا خواہ یہ جھکاؤ حقیقۃً ہو یا فقط ظاہراً ـــــ

۱۱۔ ایمان و اسلام میں باہمی نسبت مع دلائل

اس بارے میں حضراتِ فقہاءؒ اور سادات محدثین سے چھ اقوال مروی ہیں۔ درحقیقت اس مسئلہ میں متعدد اقوال ایمان کی حقیقت کے اختلاف کے سبب ہیں۔ مندرجہ ذیل تفصیل سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے

۱۔ عموم خصوص من وجہ:

حضراتِ احناف اور علمائے متکلمین کے نزدیک ایمان اور اسلام میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے وہ یوں کہ اگر انسان میں تسلیم اور انقیاد ظاہراً بھی موجود ہو اور باطناً بھی تو وہ مؤمن بھی ہے اور مسلم بھی۔ اگر تسلیم صرف ظاہراً ہو تو مسلم ہے مؤمن نہیں اور اگر صرف باطناً ہو تو مؤمن ہے مسلم نہیں اصطلاح شریعت میں ان تین طرح کے افراد کو، (۱) مؤمن کامل (۲) منافق (۳) فاسق کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اس تقسیم اور حصر سے ایمانِ کامل، اسلام، نفاق اور فسق کی تعریف بھی معلوم ہو جائے گی۔

اِس نسبت سے چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) ارشادِ ربانی:

قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا (سورۃ الحجرات پارہ ۲۶) یہ دیہاتی لوگ مؤمن نہ تھے فقط مسلمان تھے۔ ان کا ظاہر تو اسلام کے مطابق تھا حقیقت میں یہ لوگ تصدیقِ قلبی سے محروم تھے۔

حدیث جبرائیلی:

حضور انورؐ نے حدیث جبرائیلی میں ایمان کی تعریف تصدیقِ قلب و باطن سے فرمائی۔ اور اسلام کی حقیقت اعمالِ صالحہ سے بیان فرمائی۔

۳۔ قول شارع :- قال رسول اللہ الاسلام علانیہ والایمان فی القلب۔ (مسند احمد)

حضرات ائمہ ثلاثہ، سادات محدثین، امام بخاری اور خوارج معتزلہ کے نزدیک ایمان واسلام میں

۲۔ ترادف :- ترادف وتساوی کا رشتہ ہے دو دلیلیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ارشاد ربانی :- ان کنتم اٰمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین (سورۃ یونس پارہ ۱۱)
آیت مذکورہ میں مخاطب کے لئے ایمان اور اسلام دونوں کی قید کو یکجا کر دیا گیا ہے جس سے دونوں کا ہم معنی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ ارشاد شارع :- فاخرجنا من کان فیہا من المؤمنین فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین (سورۃ الذاریات پارہ ۲۷) بالاجماع قوم لوط میں صرف ایک ہی گھرانہ دیندار تھا (یہ سیدنا لوط ہی کا گھرانہ تھا) جنہیں مؤمن اور مسلم قرار دیا گیا ہے۔

جواب :- احقر کے نزدیک دونوں آیات میں مومن ومسلم سے مؤمن کامل مراد ہیں جنہیں تصدیق قلبی کے حصول کے سبب مؤمن اور اعمال صالحہ پہ پابندی کے سبب مسلم قرار دیا گیا۔ ولا اشکال فیہ۔

(۳) عموم خصوص مطلق : ملا علی قاری رح کے نزدیک ایمان عام مطلق ہے اور اسلام خاص مطلق کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ خواہ اُس کے ساتھ اعمال صالحہ ہوں یا نہ اور اسلام تصدیق واعمال کے مجموعے کا نام ہے گویا ہر مسلم مؤمن ہے ہر مومن مسلم نہیں اسپر دلیل یہ کہ قرآن میں ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام بالاجماع دین تصدیق وعمل کے مجموعے کا نام ہے اسی طرح اسلام بھی دونوں کے مجموعے کا نام ہو گا۔ نیز حدیث جبرائیل میں حضور انور ؐ نے ایمان کی تعریف میں صرف عقائد کا اور اسلام کی تعریف میں عقائد واعمال دونوں کا ذکر خیر فرمایا ہے۔

۴۔ علامہ زبیدیؒ کے نزدیک ایمان واسلام ذات کے اعتبار سے متحد ہیں لیکن تعریف کے اعتبار سے مختلف۔

۵۔ علامہ ابن رجب حنبلیؒ کی تحقیق میں جب قرآن وسنت میں ایمان واسلام کا تذکرہ اکٹھا ہو تو دونوں کی تعریف میں تغایر ہوگا اور جب ایک کا ذکر ہو، دوسرے کا نہ تو وہاں ایمان واسلام کی حقیقت ایک ہو گی جیسے فقیر اور مسکین۔ (۶) علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے نزدیک ایمان کا مبدأ قلب ہے اور منتہا۔ اعمال صالحہ جبکہ اسلام کا مبدأ اعمال صالحہ ہیں اور منتہا۔ تصدیق قلبی۔ ایمان کامل وہ ہے جو پھوٹ پھوٹ کر اسلام بنتا چلا جائے اور اسلام خالص وہ کہ جو رچ رچ کر ایمان بنتا چلا جائے

۱۲۔ کیا اہل حق کا باہمی اختلاف حقیقی ہے؟

اہل حق حضرات ائمہ اربعہ، سادات متکلمین اور محدثین کا باہمی اختلاف

حقیقی نہیں ہے صرف لفظی ہے ـــــ اور جملہ اکابرینِ اہلِ سُنت اس بات پر متفق ہیں کہ نفسِ ایمان صرف تصدیقِ قلبی ہی کا نام ہے اعمالِ صالحہ ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں البتہ کمالِ ایمان کے لئے اعمالِ صالحہ ضروری ہیں ۔ احکام میں متفق رہتے ہوئے تعبیر، طرزِ بیان اور نظریہ میں اختلاف کیوں کر رُونما ہوا چند جوابات ملاحظ فرمائیں۔

(۱) بوجہ اختلاف معرّف

علامہ عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضراتِ احناف اور متکلمین سے ایمان کی جو تعریف منقول ہے وہ نفسِ ایمان کی تعریف ہے اور حضراتِ محدثین سے روایت شُدہ ایمان کی تعریف ایمان کامل کی تعریف ہے چونکہ ایمان کی حیثیتیں دُو ہیں (۱) نفسِ ایمان (۲) کمالِ ایمان اس لئے اہلِ حق سے بھی دو طرح کی تعریفیں منقول ہیں۔ لہذا اختلاف باقی نہ رہا۔

۲۔ بوجہ اختلاف احوال

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ سیدنا امام اعظم کے زمانۂ امامت میں معتزلہ و خوارج کے فتنے زوروں پر تھے یہ بدعقیدہ لوگ اعمال کی حیثیت میں غلو سے کام لیتے تھے اسلئے امام الائمہ اور تلامذۂ امام نے ایمان کی بساطت پر زور دیتے ہوئے حقیقتِ ایمان سے اعمال کو خارج فرما دیا۔ حضراتِ ائمۂ ثلثۂ کا سامنا مرجیۂ و روافض جیسے فتنوں سے ہوا جو اعمالِ صالحہ کو لاشئ گردانتے تھے اُن کے مقابلہ کیلئے ضروری تھا کہ اعمال کو اہمیت دی جائے اسلئے ان پاکیزہ ہستیوں نے ایمان کی ترکیب کا قول فرمایا۔

۱۳۔ امام بُخاری کا مسلک

ایمان کی بساطت و ترکیب اور زیادتیٔ و کمی میں امام موصوف کا مسلک حضراتِ محدثین کے قول کے موافق ہے جیسا کہ فرمایا الایمان قول و عمل و یزید و ینقص یعنی ایمان قول و عمل سے مرکب ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ۔ اس نظریہ کی مرجوحیت پر تفصیل سے بحث تحریر ہو چکی ہے ۔

۱۴۔ تراجمِ بُخاری میں تشدّد و تساھل

امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے ابتدائی تراجم و ابواب سے اعمالِ صالحہ کی اہمیت و ضرورت کو ثابت فرمایا ہے اور اس ضمن میں مختلف عنوانات قائم فرما کر جہاں غیر معمولی طور پر تراجم کی عبارات کو بالتفصیل تحریر فرمایا وہاں دیگر فرق کی تردید میں کچھ تشدد کا سا رویہ بھی اختیار فرمایا ہے اس تفصیلی عبارت اور پرتشدد اندازِ بیان سے مرجئہ و روافض کی تردید و ابطال مقصود ہے جو اعمالِ صالحہ کو غیر ضروری سمجھتے ہیں ۔ ایسے ہی امام بخاری ان ابواب کے بعد کچھ تراجم ایسے لائے ہیں جن سے واضح طور پر اس حقیقت کو ثابت فرمایا ہے کہ نجات کے لئے تصدیقِ قلبی کافی ہے ۔ اعمالِ سیئہ اور کبائر کا مرتکب انسان مؤمن رہے گا ملتِ اسلامیہ سے خارج نہ ہوگا ان تراجم سے مقصود خوارج و معتزلہ کا ابطال ہے ۔ ان دونوں طرح کے تراجم سے بعض اہلِ ظواہر اور غیر فقیہ

ساتھیوں نے امام بخاریؒ پر طعن کیا کہ ان ابواب میں ربطِ تضاد ہے اور امام بخاری کہیں اعمالِ صالحہ کی ضرورت و اہمیت پر تراجم قائم فرماتے ہیں اور کہیں اعمالِ صالحہ کی عدم جزئیت پر حالانکہ امام بخاری مسلکِ اعتدال مسلک اہل سنت والجماعت کی ترجمانی فرماتے ہوئے یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ دونوں طرح کے فرقے راہِ اعتدال سے کوسوں دُور ہیں ان میں سے ایک افراط و غلو کا شکار ہے اور دوسرا تفریط وتساہل کا اور یہ دونوں طرح کے متضاد نظریات، احادیثِ نبویہ سے مؤید نہیں، جبکہ مسلکِ اعتدال مسلکِ اہل سُنت والجماعت راہِ عدل پر ہے جس کا ایک ایک قول احادیثِ نبوّیہ سے ثابت ہے۔ تو حاصل یہ کہ ابتدائی اور بعد کے تراجم میں ظاہری تناقض دو متضاد نظریات کی تردید کے سبب ہے۔

احقر کے نزدیک اہلِ سنت والجماعت کے ہاں چونکہ ایمان کی دو حیثیتیں ہیں۔ ۱۔ نفسِ ایمان۔ ۲۔ کمالِ ایمان اس لئے امام بخاریؒ نے دونوں طرح کے تراجم قائم فرمائے ہیں۔ ابتدائی تراجم سے کمالِ ایمان کے نظریہ کو احادیث سے مؤید فرمایا ہے۔ اور بعد والے تراجم سے نفسِ ایمان کے نظریہ کو۔

۱۵۔ حضراتِ محدّثینؒ اور فرقِ باطلہ میں نظریاتی فرق

حضراتِ محدّثین اور معتزلہ و خوارج اس ایک بنیادی نظریہ پر تو متفق ہیں کہ ایمان تین امور سے مرکب ہے اور اعمالِ صالحہ ایمان کا جزء ہیں لیکن اس بُنیادی نظریہ کے جزئیات وتفریعات میں حضراتِ محدّثین اور معتزلہ و خوارج کے نظریات باہمی متصادم ہیں۔ اعمال کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مرتکبِ کبیرہ مؤمن ہے یا کافر؟ تینؔ امور سے مرکب نفسِ ایمان ہے یا ایمان کامل؟ فاسق اور کافر کی تعریف کیا ہے؟ یہ چار بُنیادی اُمور ایسے ہیں جن میں حضراتِ محدّثین کی رائے سادات متکلمین اور فقہاء اہلِ سُنت کے موافق ہے فرقِ باطلہ معتزلہ وخوارج کے غیر شرعی اقوال کے موافق نہ۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ علماء اہلِ سُنت خواہ حضراتِ محدّثین ہوں یا ساداتِ متکلمین، متفقہ طور پر ایک ہی راہ کے راہ رو ہیں دو متضاد راہوں پر گامزن نہیں۔

۱۶۔ ساداتِ متکلمین اور فرقِ باطلہ میں نظریاتی تفرق

حضراتِ متکلمین، سادات فقہاء، اور عوامِ اہلِ سُنت مرجئہ و روافض اس امر پر تو متفق ہیں کہ ایمان بسیط ہے اور اعمالِ صالحہ ایمان کا جزء نہیں مگر تفریعات و ثمرات میں اہلِ حق کی رائے اہلِ باطل سے یکسر مختلف ہے فرقِ باطلہ اعمالِ سیئہ کو مؤمن کے لئے قطعی مضر نہیں سمجھتے اور مرتکب کبائر کو کسی طرح کی سزا کا مستحق نہیں جانتے اور ایمان و اعمال کو دو متضاد حقیقتیں متصوّر کرتے ہیں۔ جبکہ اہلِ حق ان نظریات سے کوسوں دُور ہیں۔ اور ان نظریات کو صرف غلط ہی نہیں کہتے بلکہ انہیں گمراہی اور جہالت کی عظیم علامت قرار دیتے ہیں۔ اہلِ حق کے نظریات پہلے تحریر ہو چکے ہیں۔

۱۷۔ مسلکِ اہلِ سُنّت کی نرالی شان

حضراتِ متکلمین، ساداتِ فقہاء حنفیہ اور علماء اہلسنت کا مسلک ہر اعتبار سے راجح اور حق و صداقت کے زیادہ موافق ہے۔ آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور دلائلِ قیاسیہ سے مسلکِ اہلِ حق ہی کی تائید ہوتی ہے۔

جیسا کہ اہلِ حق کے دلائل کے ضمن میں تحریر شُدہ چند اہم اور اُصولی دلائل سے یہ امر واضح ہے نیز اسلامی عمارت کے تحفظ اور دینی تشخص کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ مفید مسلک مسلکِ اہلِ سنت ہی ہے۔ کیونکہ چودہ صدیوں سے حضراتِ فقہاء و علماء۔ اہلِ سنت ہی میخانۂ محمدی کے در و دیوار، جامِ دل آویز اور شرابِ کہن کی حفاظت کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور انہوں نے اُس کے رنگ، ذائقے اور بُو کو بدلنے نہیں دیا۔ اور انہیں اپنی صحیح حالت میں باقی رکھا ہے۔

۱۸۔ مؤمن بہٖ کی تفصیل

جن حقیقتوں پر ایمان لانا ضروری ہے انکی تعداد چھ ہے۔
۱۔ ذاتِ باری تعالیٰ ۲۔ حضراتِ انبیاء و رسل ۳۔ وجودِ ملائکہ ۴۔ کتبِ سماویہ ۵۔ وقوعِ قیامت ۶۔ امورِ تقدیر۔

۱۹۔ عقیدۂ امامت و عدل کی توضیح

عقیدۂ امامت کے قائل شیعہ ہیں، خواہ اثنا عشریہ امامیہ ہوں یا اسماعیلی و برہانی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ امامت، ایمان و اسلام کے بُنیادی ارکان میں سے ایک رُکن ہے امامِ وقت پر لازم ہے کہ مستقبل کے لئے اپنا جانشین کسی امامِ مستقبل کو منتخب کرے تاکہ وہ اسکی وفات کے بعد منصبِ امامت پر فائز ہو ایسے ہی حُضورِ انورؐ نے اپنے بعد سیّدنا علی کو اور سیّدنا علیؓ کے بعد یکے بعد دیگرے گیارہ امام مقرر کئے گئے بارہویں امام بچپن میں بدرستیٔ ہوش و حواس خمسہ غار میں زندہ منتقل ہو گئے۔ جو وقوعِ قیامت سے قبل امام مہدی بن کر تشریف لائیں گے۔ اسماعیلیہ و برہانیہ کے نزدیک ائمہ کی آمد کا سلسلہ جاری ہے جو تا روزِ قیامت جاری رہے گا۔ امام زماں (نعوذ باللہ) صغائر و کبائر سے معصوم ہوتا ہے یہ عقیدہ اور اُس کے لوازمات و ثمرات قطعی بے بنیاد ہیں جن کا دین اسلام سے بالکلیہ کوئی علاقہ نہیں، یہ جہلاء داخلِ ہوا۔ کی بے ہودہ ولغو خرافات ہیں جن کے وہ خود قائل ہیں قرآن و سنت سے اِن میں سے کوئی امر بھی ثابت نہیں، جبکہ اہلِ سُنّت کثر اللہ سوادہم کے نزدیک امامت و خلافت امارت و ملوکیت مصالح عامہ میں سے ہے۔ خواصِ اُمت جس کو اہل سمجھیں منتخب فرمالیں۔ عقیدۂ امامت کی تردید و نفی میں بیسیوں دلائل نقلیہ قرآن و حدیث میں موجود ہیں صرف ایک ہی دلیل حدیثِ جبرائیل پیشِ نظر ہے جس میں حضورِ انورؐ نے ایمانیات کی تفصیل میں مسئلۂ امامت کو بیان نہ فرما کر ثابت فرمادیا کہ عقیدۂ امامت نہ ہی رکنِ ایمان ہے اور نہ ہی اصلِ دین۔

عقیدۂ عدل کے قائل معتزلہ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے افعال و اعمال کا خود خالق ہے اگر اعمال کے خالق ربِّ کائنات ہوں تو اللہ تبارک و تعالیٰ شر اور اعمالِ سیئہ کے خالق ہوں گے۔ اور یہ بات ذاتِ باری کی تقدیس و تسبیح کے منافی ہے یہ عقیدہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ قرآنی آیت واللہ خلقکم وما تعملون (الآیۃ) کے خلاف ہے۔ چونکہ شیعہ اور معتزلہ اپنی تائید میں ضعیف اور موضوع احادیث کو پیش کرتے ہیں اور زورِ قلم سے اپنے دعویٰ کو قرآن و احادیث سے مؤید کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں اسلئے اہلِ سُنّت والجماعت کے نزدیک عقیدۂ امامت و عدل کے قائلین کافر نہیں فاسق ہیں۔

البتہ شیعہ علماء اور مؤلّفین کتبِ شیعہ تحریفِ قرآن، سبِّ شیخین، شرک فی الالوھیہ اور شرک فی النبوۃ کے سبب دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور انکی تکفیر پر اہلسنت والجماعت کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء و عمائدین متفق ہیں۔ جیسا کہ اُن کے فتاویٰ سے ظاہر ہے۔

۲۰۔ ترجمۃ الباب کا حاصل

حُضور انور ؐ کا ارشاد ہے کہ اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر قائم ہے اور اسلام اقرار لسانی اور اعمالِ صالحہ کا نام ہے جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ متعدد مقامات میں فرماتے ہیں کہ اہلِ ایمان کا ایمان، ایمان کے ساتھ مل کر بڑھتا رہتا ہے (سورۂ فتح پارہ ۲۶) اور ہم نے انہیں مزید ہدایت بخشی (سورۂ کہف پارہ ۱۵) اور جو لوگ راہِ راست کے راہ رو ہوتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ اُنکی ہدایت میں اضافہ فرما دیتے ہیں (سورۂ مریم پارہ ۱۶) اور جو لوگ سیدھی راہ پر ہیں ربِّ کائنات انہیں اور زیادہ ہدایت عطا فرماتا ہے اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے (سورۂ محمّد پارہ ۲۶) اور جو لوگ ایمان دار ہیں اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے (سورۂ مدثر پارہ ۲۹) اور اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے کہ سورۂ براءۃ نے تم میں سے کسی کے ایمان میں اضافہ کیا) یقیناً جو لوگ ایماندار ہیں انکے ایمان میں اضافہ ہوا ہے (سورۂ براءۃ پارہ ۱۱) اور فرمانِ خداوندی ہے کہ عام لوگوں نے مسلمانوں کو کہا کہ تم کفّار سے ڈرتے رہنا اس بات سے اہلِ ایمان کا ایمان اور بڑھ گیا (سورۃ آلِ عمران پارہ ۴) —— اور فرمایا کہ انکے ایمان و اطاعت میں ترقی ہوگئی۔ اور (فرمانِ شارع ؑ) ہے اللہ کے لئے کسی سے محبت کرنا اور اسی کیلئے کسی کا مخالف ہوجانا ایمان کی علامت ہے۔

مغربی جمہوریت، طریقۂ انتخاب، شرعی حکمرانی، خلافت و ملوکیت اور الائمۃ من قریش جیسے اہم موضوعات پر ایک رسالہ حضرت مؤلّفِ موصوف کے زیرِ نظر ہے جس کی آمد عنقریب متوقع ہے۔ کتاب کی آمد تک دست بدعا رہیئے۔ تاکہ کتاب صحیح و بہتر نظریات کی حامل ہو۔

اور سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عدی بن عدی کو لکھ بھیجا کہ بے شک تکمیل ایمان کیلئے کچھ لازمی امور، کچھ اعمال، کچھ منہیات اور کچھ مستحبات کی پابندی ضروری ہے۔ جس نے ان امور کو صحیح معنی میں ادا کیا، اس کا ایمان کامل ہے اور جو ان پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو سکا اس کا ایمان ناقص ہے۔ پھر اگر میں زندہ رہا تو میں ان امور کی وضاحت کر دونگا تاکہ آپ لوگ اس پر عمل کریں اور اگر میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا تو مجھے تمہاری صحبت (اور زندگی) کی کسی طرح سے بھی خواہش نہیں۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا لیکن میرا دل تسلّی پالے۔ سیدنا معاذ بن جبلؓ نے حضرت اسود بن ہلال کو) فرمایا کہ آپ ہمارے پاس بیٹھئے تاکہ کچھ لمحہ کے لئے ہم ایمان کو تازہ کرلیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ایمانِ کامل کا نام یقین ہے۔

سیدنا عبداللہؓ بن عمر نے فرمایا کہ انسان اسوقت تک تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک ان باتوں کو نہ چھوڑ دے جو اسکے نظر و فکر میں کھٹکتی ہوں۔

سیدنا مجاہدؒ نے شرع لکم من الدین الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ اے سراپا لائق تعریف ذات ہم نے آپؐ اور حضرتِ نوحؑ کو ایک ہی جیسے دین کی وصیّت کی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس نے شرعۃً و منہاجاً کی معنیٰ راستے اور طریقے کے بیان فرمائے اور دعائکم کی تفسیر ایمانکم فرمائی۔

۲۱۔ تفصیلی ترجمۃ الباب کا خلاصہ

امام بخاریؒ ترجمۃ الباب میں مذکور دس آیاتِ قرآنیہ اور متعدد آثار سے تین امور ثابت فرمانا چاہتے ہیں (۱) ایمان مرکب ہے (۲) ایمان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ (۳) ایمان، اسلام، ہدایت، تقویٰ اور دین کا مصداق ایک ہے۔ چند اہم جملوں کی وضاحت درج ذیل ہے۔

بنی الاسلام: جب اسلامی عمارت پانچ ستونوں پر قائم ہے تو معلوم ہوا کہ اسلام ذو اجزاء ہے اور مرکب ہے جیسے جیسے ان اجزاء میں کمال آتا چلا جائے گا ایمان بڑھتا چلا جائے گا اور جب نقصان آئے گا ایمان میں کمی ہو جائے گی لہذا ایمان میں زیادتی و کمی ثابت ہوئی۔

زدناھم ھدیٰ: ہدایت سے ایمان مراد ہے لہذا ثابت ہوا کہ ایمان بڑھتا رہتا ہے۔

ایکم زادتہ: کفار حضراتِ صحابہ سے پوچھ رہے ہیں کہ فلاں سورۃ کے نزول سے ایمان میں کیسا اضافہ ہوا؟

ولکن لیطمئن قلبی: سیدنا ابراہیمؑ نے ربّ کائنات سے ایمان و یقین میں کمال حاصل کرنے کے لئے حیاۃ بعد الممات کے بارے یہ سوال کیا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان مشاہدہ کے بعد بڑھ جایا کرتا ہے۔

نؤمن ساعۃ: سیدنا معاذؓ جلیل القدر صحابی ہیں یقیناً صاحبِ ایمان ہیں اسکے باوجود ایمان میں اضافہ کی خاطر مؤمن ساعۃ فرما رہے ہیں۔

الایمان کلہ: ایمان کی تاکید لفظِ کل سے کی گئی ہے اور کلمۂ کل ذو اجزاء اشیاء کی تاکید کیلئے استعمال کیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان ذو اجزاء اور مرکب ہے۔

لا یبلغ العبد حقیقۃ التقویٰ: تقویٰ، ایمان کے معنیٰ میں ہے سیدنا ابنِ عمرؓ کا یہ ارشاد بھی ایمان کی ترکیب پر دلالت کرتا ہے کہ بعض کامل الایمان لوگ ایمان کی حقیقت کو پا لیتے ہیں اور بعض راہ رد کر دِراہ ہی میں گم ہو جاتے ہیں۔

ما وصّی بہ: سیدنا نوحؑ اور حضور انورؐ کے دین میں یکسانیت بتلائی گئی ہے جبکہ دینِ محمدیؐ کے اصول و جزئیات سیدنا نوحؑ کی شریعت سے کہیں زیادہ ہیں جس سے معلوم ہوا کہ دین اور ایمان مرکب ہے جس کے اجزاء بڑھتے اور کم ہوتے رہتے ہیں۔

دعاءکم ایمانکم: اس جملہ میں سورۂ فرقان کی آیت "قل ما یعبأ بکم ربی لولا دعاءکم" کی جانب اشارہ ہے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے دعاء کی تفسیر ایمان سے فرمائی ہے، دُعاء کے کلمات میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان میں بھی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

وفاق المدارس (بخاری)

۱۳۸۰ھ: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بُنی الاسلام علی الخمس وھو قول وفعل یزید وینقص۔
ایمان کے لغوی اور شرعی معنی اور فرق باہمی کے بیان کے بعد لکھو کہ ایمان امام بخاری کے نزدیک علوم و معارف میں سے ہے یا افعالِ قلوب سے اور ایمان کی بساطت اور ترکیب اور کمی بیشی کے متعلق مذاہب بیان کرکے حنفیہ کا مسلک اور امام بخاری کا مسلک متعین کرو امام بخاریؒ کے دلائل بیان کرکے ان کا جواب تحریر کرو۔

عقد الامام فی اول کتاب الایمان :- **۱۳۹۴ھ:**
باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم : بُنی الاسلام علی خمس وھو قول وفعل و یزید وینقص ...... وا ورد فیہ "والحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان" وکتب عمر بن عبدالعزیز الی عدی بن عدی وان الایمان فرائض وشرائع وحدود ...... وقال ابراھیم علیہ السلام: لیطمئن قلبی وقال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعۃ" وقال ابن مسعود: الیقین الایمان کلہ" وقال مجاھد: شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا الخ اوصیناک یا محمد وایاہ دینا واحدا۔ "ودعاءکم ایمانکم"

۱۳۹۲ھ :۔ مسألة الايمان أصبحت معضلة كلامية حديثية والامام البخاری كيف قام بحلها؟ وهل هو حل صحيح؟ او هناك غيره أصح؟ وأيتی مذهب اقرب تعبيرا للقرآن الكريم؟ وای قول اقرب الى الحديث؟ و الفرق الجوهری بين اهل الاعتزال والخروج وبين اهل الحديث؟ وای فرق بين المتكلمين وبين أهل الارجاء؟ وای مذهب أنفع لحفظ سياج الاسلام۔

۱۴۰۲ھ :۔

ماهو الايمان المنجی؟ وما هو الراجح عند اهل السنة؟ وكما تعرفون ان مسئلة الايمان مسئلة بسيطة لا بد منها لكل مومن وعليه مدار لنجاة فكيف فيه هذا الاختلاف المدهش؟ عليكم بيان المذاهب وتحقيق الحق مع تنقيح مسئلة زيادة الايمان ونقصانه وما هو رأی الامام البخاری فی هذا الصدد؟

صحیح مسلم :۔

۱۳۹۵ھ :۔ قال النبی صلی الله اتانی جبرئيل عليه السلام فبشرنی انه من مات من امتك لا يشرك بالله شيئاً دخل الجنة قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق بينوا الاختلاف الواقع بين اهل السنة والمعتزلة والخوارج فی ان مرتكب الكبيرة مؤمن او كافر او فاسق۔

۱۳۹۹ھ :۔
بينوا معنی الايمان لغة وشرعا وما حقيقته اللتی اذا انتفت لزم الكفر وما تفصيل المومن به الذی لا يصح الايمان بدونه وهل يدخل فی المومن به عقيدة الامامة وعقيدة العدل وما معناهما ومن القائل بهما (۱۳۸۱ھ ، ۱۳۸۴ھ ، ۱۳۸۳ھ ،)

تنظیم المدارس

(بخاری) ۱۴۰۳ھ :۔ اذكروا جميع المذاهب فی الايمان وبينوا الفرق بينها واذكروا امثلة زيادة الايمان ونقصانه بالتفصيل۔

۱۴۰۵ھ :۔ فصل المذاهب فی مسئلة الايمان

(۱۳۹۴ھ ، ۱۳۹۶ھ ، ۱۴۰۲ھ ، ۱۴۰۶ھ ،)

۲- باب حلاوۃ الایمان

۱- ترجمہ سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ حضورِ انورؐ نے فرمایا کہ (مندرجہ ذیل) تین[۱] خصلتیں جس انسان میں پائی جائیں گی وہ (اپنے میں) ایمان کی شیرینی محسوس کرے گا (۱) خالقِ کائنات (اللہ) اور مقصودِ کائنات (حضور) اُسے جملہ ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (۲) جس کسی فرد سے محبت رکھے محض اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے رکھے (۳) اُس کے لئے کفر کی جانب جھکاؤ ایسا ناگوار ہو جیسے آگ میں جھونکا جانا۔

۲- تشریح حدیث الباب میں ایمان کو میٹھے پھل دار درخت سے تشبیہ دی گئی ہے اور ایمان کو میٹھے پھل سے تشبیہ دے کر واضح فرما دیا کہ جو دِل نفسانی خواہشات اور دیگر طبعی امراض سے تندرست ہوگا وہی محبت اور رُوحانی لذّتوں سے لُطف اندوز ہو سکے گا۔ جیسے دنیا میں ایک صحّت مند انسان ہی میٹھے اور لذیذ پھل کے اصلی ذائقہ سے لُطف اندوز ہوتا ہے۔ صفرا کا مریض اس طرح کی شیرینیوں سے محروم رہتا ہے۔ اور ایمانی پھل کی چاشنی وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس میں مذکورہ تین خصلتیں پائی جائیں۔ اللہ اور رسول اللہ سے محبّت تمامی سے زیادہ ہو اللہ سے محبت اسلئے کہ منعمِ حقیقی ہے اور رسول اللہ سے محبت اِس خاطر کہ وہ محسنِ حقیقی ہیں کہ دنیاوی اُخروی اربوں انعامات کا سبب بھی آپ ہی ہیں اور انکے تقسیم کنندہ بھی آپ ہی۔ جب خُدا اور رسول کی محبّت کا یہ مقام حاصل ہو جائے گا اب (۲) مخلوق سے محبّت بھی اُسی ہی کے لئے ہو گی کیونکہ محبوب کی پسند ہی محب کی پسند ہوتی ہے اور اسے ان اشیاء سے نفرت ہوتی ہے جن سے محبوب تنفر کرتا ہے اور محبوب کے ہاں سب سے غیر پسندیدہ چیز کفر ہے[۳] لہذا یہ محبّ بھی کفر کی جانب میلان کو آگ میں کود پڑنے کی طرح قبیح سمجھتا ہے۔

۳- ترجمۃ الباب کا حاصل امام بُخاریؒ کتاب الایمان کے ضمن میں آمدہ جملہ ابواب میں بساطت و ترکیبِ ایمان اور زیادتی و نقصانِ ایمان کے مسائل کو ثابت فرما رہے ہیں اور ان میں مرجئہ و معتزلہ کا رَد ہے مولانا یحییٰ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ ترکیب و زیادتی ایمان کے مسئلہ کو تو امام بخاری نے پہلے ترجمۃ الباب میں بیان فرما دیا ہے اب ان ابواب میں ان اُمور کا ذکر خیر فرما رہے ہیں جنہیں مؤمن کے لئے اختیار کرنا ضروری ہے گویا امور و شعبِ ایمان پر ترغیب دی جا رہی ہے۔ مولانا

زکریا صاحبؒ کی رائے میں پہلے ترجمۃ الباب میں مذکور بنی علیہ سلام علی خمس سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ اسلامی عمارت صرف پانچ ہی ستونوں پر قائم ہے اسلئے امام بخاری ان ابواب سے اس احساس کو ختم کرنے کی کوشش فرمارہے ہیں کہ ان پانچ کے علاوہ ایمان کے اور بھی اجزاء وشعب ہیں۔ جن کی تفصیل کتاب العلم تک آمدہ ابواب میں مذکور ہے۔

۴۔ حلاوۃِ ایمانی کی حقیقت

ایمان کی حلاوت وچاشنی ایسے کاملین افراد کو کس کیفیت میں محسوس ہوتی ہے؟ اس بارے میں حضراتِ محدثین اور ساداتِ اہلِ احسان سے تین اقوال مروی ہیں۔

۱۔ حلاوۃِ معنویہ: امام نوویؒ اور دیگر حضراتِ محدثین کے نزدیک یہ حلاوت حلاوتِ معنوی اور باطنی ہے کہ انسان کو عبادات میں لذت اور حلاوت محسوس ہونے لگتی ہے گناہ سے دِل متنفر ہوتا چلا جاتا ہے اور انسان دنیاوی اغراض پر دین کو ترجیح دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر دینی کام پر عمل پیرا ہونا اُس انسان کامل کے لئے آسان سے آسان تر ہوجاتا ہے جیسے حضراتِ صحابہؓ اور ساداتِ اولیاءؒ کے احوال وکیفیات سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے۔

۲۔ حلاوتِ حسیّہ: حضراتِ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ حلاوت، ظاہری اور حقیقی محسوس حلاوت ہے کہ ایسے اہلِ ایمان حضرات حقیقی معنیٰ میں ایمان اور شعبِ ایمان سے حلاوت ولذت محسوس کرتے ہیں جیسے ایک صحت مند انسان شہد اور پھل کے اصل ذائقہ سے لذت پاتا ہے ایسے ہی یہ ایماندار لوگ ایمان، محبت اور روحانیت کے حقیقی لذتوں سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ قول اس لحاظ سے راجح ہے۔ کہ اس مفہوم کے لحاظ سے حدیث الباب کے کلمات ظاہری اور حقیقی معنی پر محمول ہوں گے کسی طرح کے تاویلات کی ضرورت نہ ہوگی۔

۳۔ حسّی ومعنوی معاً: ابتداء میں یہ حلاوت معنوی طور پر محسوس ہوتی ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ درجات وکمالات میں ترقی حاصل کرلینے کے بعد یہی حلاوت حسّی وحقیقی بن جاتی ہے۔ یہ اہلِ باطن ولبصیرت کی کیفیات ہیں ربِ کائنات مجھے اور مجھ جیسے ظاہر بین وکم مایہ افراد کو ان لذتوں سے بہرہ ور فرمائیں یا کم ازکم ان کیفیات کے تسلیم واعتراف کی توفیق بخشیں، کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا:

واذا لم تر الھلال فسلّم

لأناسٍ رأوہ بالأبصار

اس کیفیت کو اہلِ بصیرت "ذوقِ ایں بادہ نہ دانی" سے تعبیر کرتے ہیں۔

۵۔ حصرِ ثلاثی کی وجہ

حدیث الباب کے تین جملوں میں تین۳ خصلتیں مذکور ہیں۔ ان تین اُمور کے حصر میں پہلا نقطہ یہ ہے کہ انسان کے تعلقات کی دو۲ قسمیں ہیں ۱۔ تعلق مع الخالق (۲) تعلّق مع المخلوق ——— خالق کے تعلّق کے بارے میں پہلا جملہ اور پہلی خصلت بیان فرمائی کہ تمام مخلوقات سے زیادہ خالق اور مقصودِ خالق سے محبّت ہو۔ مخلوق سے رابطہ اور تعلق کے لئے دوسرے جُملے میں دُوسری خصلت بیان فرمائی کہ محض اللہ ہی کے لئے مخلوق سے محبّت کا تعلق ہو۔ جب یہ دونوں خصلتیں انسان میں پائی جائیں گی تو لازمی طور پر اُسے اِن خصلتوں کی ضِد یعنی کُفر سے انتہائی نفرت ہوگی۔

(۲) علامہ عسقلانی فرماتے ہیں کہ حدیث الباب کے تین جُملوں میں سے ہر دُوسرا جملہ پہلے جُملے کا نتیجہ ہے۔ یعنی اللہ اور رسُول اللہ سے محبّت کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانیت میں سے محبّت کا تعلّق ان افراد سے جوڑا جائے جو اللہ اور رسول اللہ سے محبّت رکھنے والے ہوں۔ جب اِن دونوں خصلتوں سے انسان موصوف ہوجائے گا تو یقیناً اُن چیزوں سے نفرت کرنے لگے گا جن سے اللہ اور رسول اللہ نے اظہارِ نفرت فرمایا ہے۔

۶۔ ضمیر تثنیہ پر اشکال مع جوابات

حدیث الباب کے کلمہ مِمّا سواھما میں ھما ضمیر تثنیہ کا مرجع اللہ اور رسول اللہ ہیں گویا حضور انور ؐ نے محب اللہ اور محبوب ذات نبوّت کو ضمیر ھما میں جمع فرمادیا ہے جبکہ ایک موقع پر حضور انور ؐ نے اسطرح کی یکجائی پر ایک خطیب کو فرمایا بئس الخطیب انت حدیث کے کلمات یُوں ہیں :

ان خطیباً خطب عند النبیؐ فقال من یعصھما فقد غوی فقال رسول اللہ بئس الخطیب انت (مسلم) ———

اگر یہ یکجائی دُرست ہے تو بئس کیوں فرمایا؟ اگر درست نہیں تو آپؐ نے حدیث الباب میں کیسے جمع فرمایا اس تعارض کے چند مشہور جوابات درجِ ذیل ہیں۔

۱۔ اختلاف بوجہ موقعہ محل

:۔ ہر چیز پر حسن و قبح اور جواز و کراہت کا اطلاق موقعہ و محل کی مناسبت سے کیا جاتا ہے تعلیم و تعلّم کے موقعہ پر استاذ اور مربّی کا کمال یہ ہے کہ اپنے مقصد کو مختصر لیکن واضح اور جامع الفاظ میں پیش کرے تاکہ طالب علم سمجھنے کے بعد ان کلمات کو باآسانی ذہن نشین کرسکے استاذ و معلّم کا کلام خیر الکلام ما قلّ و دلّ کا صحیح مصداق ہو جبکہ خِطاب اور خُطبہ کے موقعہ پر اُسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے کیونکہ خُطبہ اور تقریر میں وضاحت اور طوالت مقصود ہوتی ہے حضور انورؐ نے موقعہ و محل کی مناسبت سے یکجائی فرمائی جبکہ جناب خطیبؓ نے موقعہ و محل کے تقاضہ کے خلاف طوالت کی بجائے اختصار سے کام لیا تو حضور انورؐ نے کراہت کا اظہار فرمایا۔

۲۔ تغایر بوجہ خیر و شر: قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ایمان، محبت، ہدایت امور خیر میں اللہ اور رسول اللہ کو ایک ہی ضمیر میں یکجا کرنا درست ہے کیونکہ یہ امور اُس وقت نفع مند اور قابلِ قبول ہوں گے۔ جب یہ امور محب اور محبوب دونوں ہی کے لئے ہوں اگر محبت اطاعت، اور ایمان فقط محب (اللہ) ہی کے لئے ہو تو بالاجماع نہ ہی یہ محبت قابلِ نجات ہے اور نہ ہی یہ ایمان جبکہ عصیان، ضلالت، کفر اور امورِ شر میں یکجائی درست نہیں کیونکہ ان امورِ شر میں صرف ایک (اللہ یا رسول اللہ) سے صرفِ نظر بھی کفر اور گمراہی کے لئے کافی ہے۔ اس لئے ان امور میں دونوں (اللہ اور رسول اللہ) کو علیحدہ علیحدہ مستقل طور پر ذکر کرنا ضروری ہے۔ چونکہ جنابِ خطیب نے اس طرح نہ کیا تو آپؐ نے فرمایا، بئس الخطیب انت

۳۔ خصوصیتِ نبوت: حضور انورؐ کا ایک ہی ضمیر میں محب اور محبوب کو یکجا فرمانا درست ہے۔ اور اُمت کے لئے ناجائز۔ خطیب صاحب چونکہ اُمتی تھے اس لئے آپ نے انکے بارے فرمایا: بئس الخطیب انت:

۴۔ منسوخ: جنابِ خطیبؓ کا واقعہ ابتداء اسلام کا ہے چونکہ اس وقت عقائدِ شرعیہ میں رسوخ و پختگی نہ ہونے کے سبب فسادِ عقیدہ کا احتمال تھا ——— اس لئے حضورِ انورؐ نے بئس الخطیب انت سے منع فرما دیا۔ مدنی زندگی میں حضراتِ صحابہؓ کے عقائد چونکہ راسخ ہو چکے تھے۔ محب اور محبوب کے مقام و مرتبہ سے واقف تھے تو آپؐ نے حدیث الباب میں محب اور محبوب کو ایک ہی ضمیر میں جمع فرما دیا۔

۵۔ فرق بوجہ تہذیب کلمات: علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ حضور انورؐ نے جس طرح امتِ مرحومہ کے شب و روز کی اصلاح فرمائی ہے اُسی طرح انہیں آپؐ نے الفاظ و تعبیرات کی ادائیگی اور انکے طرزِ بیان کی بھی تعلیم دی ہے۔ جس کی مختلف مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ جنابِ خطیبؓ کا واقعہ بھی تہذیبِ کلمات کے قبیل سے ہے اور بئس الخطیب انت سے جنابِ خطیب کو مہذب بنانا مقصود ہے لہذا یہ نہی، نہی ارشاد ہے تحریم شرعی یا کراہتِ تحریمی کے لئے نہیں۔ جبکہ حدیث الباب جواز و اباحت پر محمول ہے لہذا تعارض باقی نہ رہا۔

۶۔ قولی اور محرم حدیث فعلی اور مبیح حدیث سے راجح ہے۔

وفاق المدارس

سنہ ۱۳۸۰ھ : ا (بخاری)

حلاوۃ الایمان عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار۔

تشریح مراد حدیث کے بعد بتائیں کہ حلاوۃ یہاں حقیقت پر محمول ہے یا استعارہ پر۔ اگر استعارہ پر محمول ہے تو تعذر معنی حقیقی و مناسبت بین المعنی الحقیقی والمعنی المراد تحریر کریں اور بتائیں کہ امور ثلاثہ مذکورۃ فی الحدیث کیوں کر موجب حلاوۃ ہیں اور سر تخصیص کیا ہے۔

سنہ ۱۴۰۱ھ : مسلم

عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان من کان اللہ ورسولہ

شرحوا الحدیث بحیث یزیح الشبہات الاتیۃ ۔ ما وجہ تخصیص ھذہ الامور لحلاوۃ الایمان وطعمہ ان الحلاوۃ والطعم من مدرکات الحس فکیف یصح اضافتھما الی الایمان الذی ھو امر معقول ۔ واللہ الموفق ۔

(۱۴۰۸ھ)

تنظیم المدارس

سنہ ۱۳۹۴ھ :

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار۔

اس حدیث کی تشریح کریں اور بتائیں مما سواھما میں اللہ اور رسول کو ایک ضمیر میں جمع کیا ہے حالانکہ من یعصھما فقد غوی کہنے والے خطیب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا بئس الخطیب انت ، ان دونوں میں اتفاق کیسے ہوگا؟

باب علامة الایمان حُبُّ الانصار

۱۔ ترجمہ سیدنا ابوادریسؒ نے بیان فرمایا کہ سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ ایک ایسے جلیل القدر صحابی رسولؐ ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور یہ بھی وہی ہیں جو عقبہ کی رات حضرات انصار کے نمائندوں میں سے ایک تھے۔ سیدنا عبادہؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے حضرات صحابہؓ کی ایک جماعت کو مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم میرے دستِ حق پرست پر (مندرجہ ذیل باتوں کے بارے) بیعت کرلو کہ تم غیراللہ کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہ کرو گے، عیاش نہ بنو گے، اپنے گھر کے افراد کو جان سے نہ مارو گے، نہ کسی فرد پر تم الزام تراشی کرو گے جبکہ اس الزام کی موجد تمہاری ہی شخصیت ہو، اور ہر بھلے کام میں معصیت اختیار نہ کرو گے۔ پس تم میں سے وہ افراد جو اس بیعت پر پورے اُتریں گے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اور جو کوئی اس بیعت کے کسی شق پر پورا نہ اُتر سکے اب اگر اُسے دنیا ہی میں کوئی سزا مل جائے تو یہ سزا اُس شق کا بدل ہو جائے گی۔ اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو جانے کے باوجود وہ گناہ در پردہ رہے (اور اہلِ دنیا اُس پر کوئی حد جاری نہ کرسکیں) تو اب اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا۔ چاہیں تو معاف فرمادیں اور چاہیں تو اُسے عذابِ اُخروی سے دوچار کردیں۔ سیدنا عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم [حضراتِ صحابہ] ان امور پر حضورِ انورؐ کے دستِ بیعت ہوگئے۔

۲۔ تجریدِ باب کے وجوہات امام بخاریؒ بعض اوقات کلمۂ باب تحریر کرنے کے باوجود حدیث الباب کی مناسبت سے ترجمۃ الباب کی تعیین نہیں فرماتے جبکہ حضرت امامؒ کا مقصودِ اصلی ترجمۃ الباب ہی سے معلوم ہوتا ہے اس میں کیا حکمتیں ہیں؟ حضرات محدثین نے چند ایک کی جانب اشارہ فرمایا ہے جو درج ذیل ہیں۔

(۱) تشحیذِ اذھان:۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرتِ امامؒ کا یہ عمل اساتذۂ حدیث اور طالبینِ علمِ حدیث کے ذہنوں کو دعوتِ فکر دینے کے لیے ہے اور اُن کی سوچ کا امتحان ہے تاکہ اُن کے ذہنی، فکری اور باطنی صلاحیتوں کو پرکھا جاسکے ——— اب حضراتِ محدثین اور شراحِ کُتب نے اپنی اپنی فقاہت اور عُلوِّ فکر و نظر کے موافق درج ذیل ترجمۃ الباب کا عنوان دیا ہے۔

(۱) باب اجتناب الکبائر علامۃ الایمان (۲) باب اجتناب المعاصی من الایمان۔
(۳) باب وجہ التلقّب بالانصار [کہ حضراتِ انصارؓ کے لقب و تسمیہ کی وجہ] (۴) باب عدم الشرک، عدم السرقۃ، عدم الزناء، عدم القتل، عدم الافتراء من الایمان۔ (۵)

باب ترك القتل وغيره من الايمان:-

(۲) کثرتِ تراجم:- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ حدیث الباب کے متعدد عنوانات اور مختلف تراجم کے پیشِ نظر باب کو بغیر کسی ترجمہ کے تحریر فرما دیتے ہیں۔ تاکہ کسی ایک عنوان پر انحصار نہ ہو۔ بلکہ تمام عنوانات و فوائد سے طالبِ حدیث مستفید ہوسکے۔

(۳) نسیان:- حضرت امام جمع احادیث کے بعد جب عناوین و تراجم متعین فرمانے لگے تو حدیث الباب نسیان وسہو کا شکار ہوگئی۔ اور حضرت کوئی مناسب ترجمۃ الباب تحریر نہ فرما سکے۔

(۴) عمرِ کوتاہ:- ترجمۃ الباب کے ذکر سے قبل حضرت دارِ فانی سے رحلت فرما گئے نہ ہی مہلت ملی اور نہ ہی عنوان متعین ہوسکا۔ یہ رائے انتہائی غیر معقول ہے۔

(۵) غفلتِ تلامذہ:- حضراتِ ناقلین سے قصور ہوا کہ وہ ترجمۃ الباب لکھنا بھول گئے یہ بات بھی ناقابلِ فہم ہے۔

(۶) قلبِ موضوع:- علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ ابوابِ سابقہ میں فتنۂ مرجئہ پر رد تھا۔ جبکہ حدیث مذکور میں خوارج و معتزلہ کے اقوال کا رد ہے تو امتیاز اور تبدیلیٔ عنوان کے اظہار کے لئے حضرت امام نے باب کو مجرد بغیر کسی ترجمہ کے تحریر فرما دیا ہے۔

(۷) مناسبت وتغایر: علامہ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جہاں حدیث الباب کو پہلے ترجمۃ الباب سے کچھ مناسبت ہو اور کچھ نئے فوائد کا اضافہ تو وہاں امام بخاریؒ فقط کلمۂ باب تحریر فرما دیتے ہیں ترجمۃ الباب متعین نہیں فرماتے تاکہ حدیث الباب کی دونوں حیثیتیں مدِ نظر رہیں۔

(۸) سند الباب:- احقر کے نزدیک ترجمۃ الباب کے ضمن میں دوسری حدیث (حدیث الباب) اگرچہ ترجمۃ الباب کے مناسب نہیں لیکن حدیثِ مذکور کی سند میں یہ عبارت " ان عبادۃ بن الصامت وکان شھد بدرًا وھو احد النقباء لیلۃ العقبہ " یقیناً ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتی ہے۔ وہ یوں کہ سیدنا عبادۃ بن الصامت ایک انصاری صحابی ہیں نیز ان کی نصرت اس لحاظ سے قابلِ بیان ہے کہ وہ لیلۃ العقبہ میں چند نمائندوں میں سے ایک تھے ــــــ اور اسی فضیلت کو امام بخاریؒ نے انتہائی اہتمام سے بیان فرمایا ہے ــــــ اب چونکہ سند الباب کے کلمات ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتے ہیں اور حدیث الباب کے کلمات کسی اعتبار سے بھی ترجمۃ الباب کے مناسب نہیں۔ جبکہ اصل مقصود حدیث الباب اور ترجمۃ الباب میں

مناسبت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اسلئے امام بخاریؒ نے بابٌ فرماکر تنبیہ فرمائی کہ یہاں صورت حال مختلف ہے۔ اور یہاں ترجمۃ الباب اور سند الباب میں مناسبت ہوگی ——— اب سوال یہ کہ جب سند اور ترجمۃ الباب میں مناسبت موجود تھی تو پھر سند کے بیان کرنے کے بعد امام بخاریؒ نے حدیثِ مذکور کو کیوں بیان فرمایا صرف سند ہی پر اکتفا فرماتے؛ ——— جواب: احقر کو جوبات شروح اور حواشی کے مطالعہ سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ جب سیدنا عبادۃؓ بن الصامت کے تعارف میں احد النقباء لیلۃ العقبہ کا ذکر آیا تو اب سوال پیدا ہوا کہ اُس رات حضرات انصار صحابہؓ کی تعداد کتنی تھی؟ اور اُس رات کا اہم عمل کیا تھا؟ حدیث کو روایت کرکے دونوں سوالوں کا جواب عطا فرمادیا پہلے سوال کا جواب "حولہٗ عصابۃٌ" میں ہے اور دوسرے سوال کا جواب "بایعونی" سے آخر حدیث تک ہے۔ کہ یہ ایک نامعلوم بڑی جماعت تھی جنہوں نے اس مبارک رات حضور انورؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی جس کے کلمات یہ ہیں۔ گویا حدیثِ مذکور سندِ مذکور کے مناسب ہے اور سندِ مذکور ترجمۃ الباب کے مناسب ——— صحیح بخاری میں جہاں بھی باب بغیر کسی عنوان کے موجود ہو۔ وہاں انہی آٹھ وجوہ میں سے بعض کارفرما ہوں گے۔

(۳) احد النقباء الخ کی وضاحت:

نُقَبَاء نقیب کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں قوم کا نمائندہ نمبردار، چیئرمین، چودھری، سردار اور ضامن بنی اسرائیل کے بارے قرآن میں ہے۔ فَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (الآیۃ) کتبِ احادیث وسیرت میں حضراتِ انصار مدینہ کے واقعات عقبات (عقبہ گھاٹی کو کہتے ہیں جو منیٰ میں جنوب کی جانب واقع ہے) ——— کے عنوان کے ضمن میں یوں مروی ہیں کہ حضراتِ انصارؓ کے چھ ساتھی ۱۱ھ کو حضور اکرمؐ کے رُخِ انور کی زیارت کے لئے عازمِ حج ہوئے۔ ایامِ منیٰ میں جمرۂ عقبہ کی جنوبی جانب ایک گھاٹی میں حضور انورؐ کی دعوت کا اہتمام کیا گیا آپ تشریف لائے آپؐ نے توحید ورسالتِ تامہ کی جانب انہیں متوجہ کیا وہ تمام حضرات مسلمان ہوگئے یہ حضرات اس کامیاب دورہ کے بعد مدینہ منورہ کو لوٹ گئے۔ حضور انورؐ کے فضائل وشمائل اپنی قوم کو بیان کئے۔ آئندہ سال ۱۲ھ نبوی میں بارہ۱۲ ساتھی بطور نمائندہ مکہ مکرمہ حاضر ہوئے انہوں نے بھی اُسی ہی جگہ حضور انورؐ کو مدعو کیا۔ دستِ بیعت ہوئے اور آپؐ کو مدینہ منورہ میں آمد کی دعوت دی یہ بیعت، بیعتِ عقبہ اولےٰ ثانیہ اور بیعتِ نساء کہلاتی ہے۔ اس بیعت میں سیدنا عبادۃ بن الصامت شریک تھے (باقی حضرات کے نام آئندہ صفحہ میں مرقوم ہیں) آمدہ سال ۱۳ھ نبوی میں بہتر حضرات حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے اس قافلہ میں سیدنا عبادۃ بن الصامت اور چند ایسے ساتھی بھی شامل تھے جو ایک سال قبل مسلمان ہوکر مدینہ منورہ لوٹے تھے۔ یہ بیعت، بیعتِ عقبہ ثانیہ عند المحدثین اور عقبہ ثالثہ عند اہل السیر کہلاتی ہے ——— ان حضرات نے حضور انورؐ کی بارگاہ میں یہ درخواست کی کہ آپؐ بمع اپنے اصحاب کرامؓ کے مدینہ طیبہ تشریف لائیں۔ اوس اور خزرج دونوں قبائل آپ مہمانوں کے لیے چشم براہ ہیں۔ ان حضرات نقباء کی اس

دعوت پر حضور انورؐ اور حضرات مہاجرینؓ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

(۴) حضرات نقباءؓ کے اسماء گرامی

ان بارہ حضرات میں سے ۹ قبیلۂ خزرج سے اور ۳ قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) سیدنا ابوالہیثم بن طیحان (۲) سیدنا عویم بن الساعدی یہ دونوں حضرات اوسی ہیں (۳) سیدنا عبادۃ بن الصامت۔ (۴) سیدنا یزید بن ثعلبہ (۵) سیدنا عقبہ بن عامر (۶) سیدنا قطبہ بن عامر (یہ دونوں سگے بھائی ہیں) (۷) سیدنا رافع بن مالک (۸) سیدنا عباس بن عبادہ (۹) سیدنا اسعد بن زرارہ (۱۰) سیدنا ذکوان بن عبد قیسی (۱۱) سیدنا عوف بن الحارث (۱۲) سیدنا معاذ بن الحارث (یہ دونوں سیدنا عفراء کے صاحب زادے ہیں اور حقیقی بھائی ہیں)

(۵) سیدنا عبادۃؓ کے حالات

(۱) اسم گرامی: عبادۃ بن الصامت بن قیس (۲) کنیت شریفہ: ابوالولید (۳) نسبتیں: (۱) الانصاری (۲) الخزرجی (۳) السالمی۔ (۴) نام والدہ: قرۃ العین بنت عبادہ۔ (۵) حالاتِ زندگی: سیدنا عبادہ انصاری صحابی ہیں۔ عقبۂ اولیٰ ثانیہ اور ثالثہ میں شریکِ بیعت رہے بشمول غزوۂ بدر۔ تمام غزوات و سرایا میں آپ سرخیلِ کارواں تھے حضور انورؐ نے ہجرت طیبہ کے بعد سیدنا عبادۃؓ اور سیدنا ابو مرثد مکی میں نسبتِ مواخاۃ قائم فرمائی۔ عہدِ نبوی میں جمع قرآن کا فریضہ بھی آپ سرانجام دیتے رہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے آپؓ کو شام کا قاضی اور معلّم متعین فرمایا۔ زندگی کے آخری ایام آپنے فلسطین میں گذارے۔ (۶) تعدادِ احادیث: آپ سے کل ۱۸۱ روایات مروی ہیں۔ جن میں سے متفق علیہ روایات کی تعداد چھ ہے۔ صحیح بخاری میں مزید ۲ روایات بھی موجود ہیں۔ (۷) تلامذہ: سیدنا عبادۃؓ بن الصامت سے مندرجہ ذیل حضرات صحابہؓ و تابعینؒ نے احادیث روایت کی ہیں (۱) سیدنا انس بن مالکؓ (۲) سیدنا مقدامؓ بن معدیکرب (۳) سیدنا ابوامامہ الباہلیؓ (۴) سیدنا فضالہؓ بن عبید (۵) سیدنا جابرؓ۔ (۶) سیدنا ابوادریسؒ الخولانی (۷) سیدنا عبدالرحمٰن الصنابحیؒ (۸) سیدنا جبیر بن نفیرؒ (۹) سیدنا شرحبیلؒ (۸) اولاد: آپؓ کے تین صاحب زادوں کا تذکرہ کتبِ سیرت میں ملتا ہے (۱) سیدنا ولیدؒ (۲) سیدنا عبداللہ (۳) سیدنا داؤدؒ۔ (۹) حلیہ مبارک: آپ سرو قد تھے۔ چہرہ ہی بہت ہی خوب صورت اور جسم بھاری بھرکم تھا۔ (۱۰) وصال: بمقام رملہ ۳۴ھ کو آپؓ کا وصال ہے۔ بعض علماء نے آپ کا سن وفات ۴۵ھ بیان فرمایا ہے۔ اور مقام وصال بیت المقدس۔ جب کہ بالاجماع آپ کی قبر مبارک بیت المقدس ہی میں ہے

(۶) بیعت کی تعریف:

بیعت، بیع (خرید و فروخت) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی باہم عہد و پیمان کرنے کے ہیں۔ باب مفاعلہ میں زیادہ تر اس کلمہ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ (الآیۃ) امام غزالیؒ:

فرماتے ہیں کہ بیعت کے معنی دینی اور روحانی احکامات کی بجاآوری میں باہمی تعاھد کے ہیں۔

بیعت اور بیع میں وجہِ تشبیہ یہ کہ بیع وشرا میں ثمن مبیعہ کا عوض اور بدل ہوتا ہے اور بیعت میں ثواب ودخولِ جنّت اطاعت واتباع کا بدل ہوتا ہے۔ اس رائے کی تائید ان اللہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ (الآیۃ) سے ہوتی ہے۔

شرعی اور اصطلاحی بیعت کے معنی ہیں دیندار اور متبعِ شریعت کے دستِ حق پرست پر کسی امرِ خیر کا وعدہ کرنا۔ یہ عہد وپیمان رب کائنات کے ہاں ایک پسندیدہ عمل ہے اسلئے اس باہمی تعاھد کی نسبت خالقِ کائنات نے اپنی ذاتِ عالی کی جانب کی ہے — فرمایا — ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ (الآیۃ) یعنی وہ لوگ جو رسول یا نائبِ رسول کے دستِ بیعت ہوتے ہیں وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنے والے ہیں —— قرآن وسنّت سے چار طرح کی بیعت کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) بیعتِ اسلام غیر مسلم شخص کا قبولِ اسلام کے لیے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اصول دین کا اقرار کرنا۔ —— تمام حضراتِ صحابہؓ نے حضور انورؐ کے دستِ اطہر پر اس طرح کی بیعت فرمائی ہے۔

(۲) بیعت جہاد: میدانِ کارزار یا جلسہ وجلوس میں اپنے دینی مشن پر ڈٹ جانے کے لیے عہد وپیمان کا نام بیعتِ جہاد ہے —— حدیبیہ کے مقام پر بیعتِ رضوان یہی بیعتِ جہاد تھی فرمایا، لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ (الآیۃ)

(۳) بیعت خلافت کسی انسان کی امارت، خلافت ملوکیت، حاکمیت، صدارت، لیڈرشپ، کمان یا وزارت عظمٰی وعلیا کے انتخاب وتعین کے لئے باہمی حلف وتعاھد کا نام بیعتِ خلافت ہے۔ یہ انتخاب اگر نبوّت وخلافت کے منہج پر ہو تو ایسے انتخاب سے تشکیل پانے والی حکومت ایک صحیح اسلامی حکومت ہوگی ورنہ وہ ایک غیر اسلامی حکومت ہوگی۔ جسے خواہ عوام الناس اسلامی حکومت کا نام دیتے رہیں — مسلمان کئی صدیوں سے اسلامی حکومت کی برکات سے محروم ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون:۔

(۴) بیعت طریقت: کسی صاحبِ نسبت، متبعِ سُنّت شیخ کے ہاتھ پر شریعت کی تنفیذ اور بالادستی کے لیے وعدہ کرنا بیعتِ طریقت کہلاتی ہے۔

حدیث الباب میں اسی ہی طرز کی بیعت کا بیان ہے۔ بعض کم ظرف محدود ذہن کے دیندار نما اشخاص اس بیعت کو بدعت کہتے ہوئے فضول سمجھتے ہیں جو سراسر غلط ہے اور ایسا نظریہ خلاف سنت ہونے کے سبب مردود ہے —— احقر کے نزدیک مسلمانوں میں اتحاد واجتماعیت اور ربط کی بڑی وجہ بیعت تھی جب سے یہ سلسلہ

ٹوٹا اُسی ہی روز سے اُمّت اسلامیہ کئی جماعتوں اور سلسلوں میں بٹ گئی ہے۔

ایمانیات، اخلاقیات اور امورِ خیر میں سے کسی ایک یا متعدد اعمالِ حسنہ پر بیعت کرنا متعدد روایات سے ثابت ہے۔ اس طرح کی بیعت بھی بیعت طریقت ہی کے ضمن میں آتی ہے۔ حضرت جریر فرماتے ہیں بایعتُ رسول اللّٰہ علیٰ اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ (بخاری)

درحقیقت شیخ کامل کی حیثیت قرآن وسنّت کی رُو سے ایک مذہبی مُشیر (RELIGIOUS ADVISOR) کی ہوتی ہے۔ کوئی عالِم دین، شیخ شریعت، مذہبی سکالر اور دینی پروفیسر اسلام کی نشاطِ ثانیہ کے لئے اپنے معتقدین ومتوسلین سے بیعت لیں تو وہ شرعاً جائز ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہاں اصل مقصود قرآن وسنت کی بالادستی ہو۔ اپنی چودھراہٹ یا لیڈری نہ ہو۔

۷:۔ حدود وتعزیرات، زواجر ہیں یا سواتر:

علمی وتحقیقی میدان میں یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ جس میں فقہاء اور محدثین اہلِ قلم حضرات نے انتہائی تفصیل سے پُرمغز اور مدلّل گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے۔

(۱) حدود فقط زواجر

سیدنا سعید بن المسیب، علامہ ابن تیمیہؒ، جمہور متاخرین فقہاء ومحدثین اور اکثر ائمہ ومشائخ حنفیہ کے نزدیک حدود وتعزیرات شرعیہ کی مشروعیت کا بنیادی مقصد زجر وتوبیخ ہے۔ ستر تطہیر اور کفارہ نہیں یعنی حد اور تعزیر کے اجراء کا حاصل یہ ہے کہ مجرم آئندہ اس طرح کے اقدامات سے باز رہے اور معاشرہ کے دوسرے لوگ اس مجرم کی سزا سے عبرت حاصل کریں۔ یہ فقط ایک انتظامی اور معاشرتی مسئلہ ہے۔ رہا آخرت کا عقاب وعذاب تو وہ مجرم کے توبہ واستغفار سے معاف ہوگا دنیاوی کوڑوں سے نہیں۔

(۲) فقط سواتر

امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور بعض فقہاء احنافؒ کے نزدیک حدود کفارۂ سیئات اور سواترِ ذنوب ہیں یعنی حد کی تنفیذ سے ملزم دنیا وآخرت کی تمام مسئولیت سے مبرّا ہوجائے گا خواہ وہ توبہ کرے یا نہ۔ اب اس کے لئے نہ ہی عالمِ فانی میں کوئی باز پُرس ہے اور نہ ہی عالمِ باقی میں کوئی مؤاخذہ۔

(۳) زواجر وسواتر معًا:

علامہ نجم الدین نسفیؒ حنفی کے نزدیک مجرم اگر عادی اور مُصر ہے تو پھر حد کا نفاذ فقط زجر کے لئے ہوگا۔ اور اگر غیر عادی اور غیر مُصر ہو تو پھر حد زجر اور ستر دونوں کے لیے ہوگی۔

قولِ ثانی کے قائلین کے نزدیک کیا حدود صرف گناہوں کے لئے ساتر اور کفارہ ہیں یا کفارہ ہونے کے

ساتھ ساتھ زجر و توبیخ بھی حدود میں بنیادی طور پر موجود ہے یا نہ؟ ـــــــ اس کی وضاحت احقر کو متون اور شروح کے مطالعہ سے معلوم نہ ہوسکی - بعض اہلِ قلم حضرات نے حدود کو زواجر اور سواتر ہونے میں تقسیم کیا ہے جس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ان حضرات کے یہاں حدود میں فقط سواتر کا پہلو ہے زواجر کا نہیں ـــــــ احقر کے نزدیک حدود میں زجر و توبیخ کا پایا جانا نقل و عقل بلکہ ہر اعتبار سے قطعی طور پر فقط مسلم ہی نہیں متحقق ہے جس کا انکار فکر و نظر کے اعتبار سے سببِ حیرت ہے - حدود کا سبب زجر و توبیخ ہونا تو اجماعی مسئلہ ہے - البتہ اختلاف تو اس امر میں ہے کہ حدود میں تطہیر ستر کا پہلو ہے یا نہ؟ ـــــــ اگر قولِ ثانی کے قائلین کے نزدیک حدود فقط سواتر ہیں زواجر نہیں تو دوسری شق (زواجر نہیں) یقیناً عقل و نقل کے اعتبار سے مسترد اور ناقابلِ تسلیم ہے اور پہلی شق مختلف فیہ -

(۸) قولِ اوّل کے دلائل:

مندرجہ ذیل چار قرآنی آیات قولِ اوّل کی تائید میں نص ہیں -

(۱) آیت سرقہ: والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزآءً بما کسبا نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ فمن تاب الخ - حد سرقہ بیان کرنے کے بعد توبہ کی قید لگانا دلیل ہے اس حقیقت کی کہ اُخروی اعتبار سے جرم باقی ہے جس کی معافی کے لئے توبہ کی ضرورت ہے ـــــــ نیز کلمۂ "نکال" سے بھی زجر و توبیخ ہی کے معنی کی تائید ہو رہی ہے ـــــــ کہ حد سرقہ ایسی سزا ہے جو دوسرے اشخاص کے لئے سببِ زجر و تنبیہ ہے -

(۲) آیت قطع الطریق: انما جزآؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ ـــــــ الا الذین تابوا الخ - یہ آیت کئی وجوہ سے مسلک احق کے لئے مؤید ہے (۱) ذالک لھم خزیٌ فی الدنیا کہ یہ سزا محض دنیا میں سببِ ذلت و رسوائی ہے - آخرت سے اس حد کا کوئی تعلق نہیں - (۲) ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم۔ کہ اجراءِ حد کے باوجود ان مجرمین کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے - (۳) الا الذین تابوا - ہاں یہ عذاب معاف ہوسکتا ہے اگر مجرم کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے - یہ تینوں آیات اس حقیقت پر نص ہیں کہ ڈاکہ زنی اور غارت گری.. کی سزائیں فقط زجر و توبیخ کے لئے ہیں آخرت کی رُسوائی باقی ہے جو توبہ سے ختم ہوگی -

(۳) آیت حدِّ قذف: والذین یرمون المحصنٰت .... اولئك ھم الفٰسقون الا الذین تابوا (الاٰیۃ) حدِّ قذف کے اجراء کے باوجود توبہ کی ضرورت باقی ہے تاکہ فسق کا خاتمہ ہوسکے ـــــــ اور وہ جملہ آیات جن میں حدود کا بیان ہے -

(۴) ایک مشہور روایت ہے جس میں قبیلۂ بنی مخزوم کی ایک عورت فاطمہ کی چوری کا تذکرہ ہے اُس روایت کے آخر میں ہے فحسنت توبتھا - اس روایت میں حد سرقہ کا ذکر علیحدہ ہے اور توبہ کا علیحدہ اس روایت کے علاوہ طحاوی، مسلم اور مستدرک حاکم کی روایات سے قولِ اوّل ہی کی تائید ہوتی ہے -

(۹) دلیلِ قولِ ثانی :- حدیث الباب کے کلمات " فھو کفارۃ لہ " سے تائید حاصل کی گئی ہے۔

(۱۰) جوابات :-
(۱) **عقاب بمعنی مصائب** : عقاب سے عقابِ شرعی یعنی حدود و تعزیرات مراد نہیں بلکہ عقاب سے دنیاوی زندگی میں پیش آنے والے آفات و مصائب مراد ہیں جن کے پیش آنے سے بالاتفاق گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اس پر قرینہ یہ کہ حدیث الباب اسلام کے بالکل ابتدائی زمانے کی ہے۔ اور جبکہ حدود کی آیات ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں ہیں۔

(۲) **کفارہ بمعنی ستر** : کفارہ ستر کے معنی میں ہے مغفرت کے معنی میں نہیں۔ یعنی مجرم کو سزا مل جانے کے بعد اس کا یہ جرم پردۂ خفا میں چلا جاتا ہے اور شرعی طور پر مجرم کو اجراءِ حد کے بعد مجرم کہنا ممنوع ہے۔
اس پر دلیل یہ کہ کفارہ کے لغوی اور حقیقی معنی ستر ہی کے ہیں :

(۳) **بشرط التوبہ** : عموماً مجرم اعلانِ حد کے ساتھ ہی اپنے جرم سے توبہ کرلیتا ہے تو گویا حد توبہ کا سبب بنتی ہے اور توبہ سے بالاتفاق مجرم کا گناہ معاف ہوجاتا ہے۔

(۱۱) وجوہِ ترجیح
(۱) **قطعی الثبوت** : قولِ اول کے ابتدائی چار دلائل قرآنی آیات ہیں۔ جن کی قطعیت پر اتفاق ہے جبکہ قولِ ثانی کی دلیل خبرِ واحد ہے جو ظنی ہے قطعی نہیں۔ یقیناً قطعی دلائل کو شرف اولیت حاصل ہے۔

(۲) قولِ اول کا مدعا انہی آیات سے مؤید ہے جن میں حدود و کفارات کا تذکرہ ہے۔ جبکہ قولِ ثانی کی دلیل اسلام کے ابتدائی دور سے متعلق ہے اور اس کا کوئی کلمہ صراحتاً حدِ شرعی پر دلالت نہیں کرتا۔

(۳) **صریح الدلالت** : قولِ اول کے تمام دلائل اپنے قول پر صراحتاً دلالت کررہے ہیں جبکہ قولِ ثانی کی دلیل اپنے مدعا کو غیر واضح انداز میں بیان کررہی ہے یقیناً وہ دلائل راجح ہیں جو اپنے مدعا کی تائید میں صریح ہوں۔

(۱۲) بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ وَاَرْجُلِکُمْ کی تفصیل : بہتان ایسے جھوٹ کو کہتے ہیں جس کی کوئی اصلیت نہ ہو۔ حدیث الباب میں اس عنوان کو "بین ایدیکم وارجلکم" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کی تفسیر میں فقہاءِ امت سے چار اقوال منقول ہیں :

(۱) **کنایہ از قلب** : مذکورہ جملہ دل سے کنایہ ہے کیونکہ انسانی دل یدین اور رجلین ہی کے درمیان واقع ہے۔ یعنی ایسی بے اصل اور بے حقیقت بات جو دل نے گھڑی اور لوگوں میں مشہور ہوگئی۔

(۲) **کنایہ از مواجہت** : علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ایدی اور ارجل سے مراد مواجہت اور مشاہدہ ہے یعنی کسی انسان کو اسکے منہ پر عیب دار نہ کرو۔

(۳) **کنایہ از فرج**: کسی پر زنا یا بدکاری کا الزام لگانا چونکہ زمانۂ جاہلیت میں بدکرداری عام تھی اسلئے حضور انورؐ نے بہتان کے ساتھ "ایدی اور ارجل" کا اضافہ فرمایا۔

(۴) **کنایہ از زمانہ**: ایدیکم سے زمانۂ حال اور ارجلکم سے زمانۂ مستقبل مراد ہے یعنی نہ ہی بہتان اب فی الحال کسی پر لگایا جائے اور نہ ہی آئندہ کسی زمانہ میں۔

(۱۳) **معروف کے معنی**: ہر معقول اور پسندیدہ بات جو کتاب و سنت میں مذکور ہے اُسے معروف کہا جاتا ہے ۔۔۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں المعروف ماعرف من الشارع حسنه: حدیث الباب میں معروف کی قید بھی علیٰ وجہ التاکید ہے۔

۴۔ باب قول النبی انا اعلمکم

(۱) متعدد باہمی ربط: ترجمۃ الباب تین مستقل جملوں پر مشتمل ہے (۱) فرمانِ شارعؑ انا اعلمکم باللہ (۲) قول بخاری ان المعرفۃ فعل القلب (۳) قول باری ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم ——— ان تین جملوں کا باہمی ربط کیا ہے اور ترجمۃ الباب کو کتابُ الایمان اور ما قبل ترجمۃ الباب سے کیسی مناسبت ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ ترجمۃ الباب کے قولِ اول انا اعلمکم باللہ سے فرقہ مرجئہ کی تردید مقصود ہے جن کے ہاں ایمان میں نہ ہی زیادتی ممکن ہے اور نہ ہی کمی۔ امام بخاری کا طرز استدلال یوں ہے کہ کلمۂ اعلم اسم تفضیل ہے۔ اور اسم تفضیل میں درجات کے اعتبار سے تفاوت ہوا کرتا ہے۔ جب علم باللہ کے درجات مختلف ہیں تو ایمان باللہ کے درجات بھی مختلف ہوں گے جس سے معلوم ہوا کہ علم باللہ اور ایمان باللہ میں کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے ——— ترجمۃ الباب کے دوسرے جملے سے فتنۂ کرامیہ کا رد مقصود ہے۔ جو فقط اقرار لسانی کو ایمان قرار دیتے ہیں ان کے ہاں تصدیق قلبی ضروری نہیں۔ اس استدلال کی تفصیل یوں ہے کہ امام بخاری کے ہاں علم و معرفت اور ایمان معنیٰ و مفہوم کے اعتبار سے مترادف ہیں اور معرفت ایک فعل قلبی ہے جس سے ثابت ہوا کہ ایمان بھی قلب ہی سے متعلق ہو گا۔ لہٰذا ایمان کے لیے تصدیق قلبی ضروری ہو گی ——— بعض شراح نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ترجمۃ الباب کتاب العلم سے مناسبت رکھتا ہے نہ کہ کتاب الایمان سے؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب کو یہاں نقل فرمایا ہے۔

چند جوابات درج ذیل ہیں۔

(۱) سہوِ کاتب: بعض شراحِ بخاری نے کہا کہ یہ ترجمۃ الباب امام بخاریؒ نے تو کتاب العلم کے ذیل میں نقل کیا تھا لیکن جنابِ ناقل اور حضرتِ کاتب سے غلطی ہوئی کہ وہ اس ترجمۃ الباب کو یہاں تحریر کر بیٹھے ——— یہ رائے قرینِ قیاس نہیں۔

(۲) اختلافِ متن: صحیح بخاری میں مذکورہ ترجمۃ الباب دو طرح سے مذکور ہے (۱) انا اعلمکم باللہ (۲) انا اعرفکم باللہ۔ جب امام بخاری کے ہاں معرفت ایمان کا جزء ہے اور علم و معرفت مترادف ہیں تو جزء اور کُل ہونے کے اعتبار سے ترجمۃ الباب کو کتاب الایمان سے مناسبت ہو گی۔

قول باری: ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم تمام مفسرین کے ہاں قسم اور یمین کے بارے میں ہے

ظاہراً اس آیت کی کتاب الایمان اور معرفت سے کوئی مناسبت نہیں تو اسکو یہاں بطورِ دلیل کے نقل کرنے کی کیا وجہ ہے؟ عموماً شراح یوں گویا ہوئے جواب ہوئے کہ ایمان (یعنی قسم) اور ایمان دونوں کا تعلق قلب سے ہے جیسا کہ فعلِ کسبت کی نسبت قلب کی جانب ہے سے ظاہر ہے اور ایمان بھی قلبی تصدیق کا نام ہے تو اس مناسبت سے اس آیت کو ترجمۃ الباب میں نقل کردیا گیا ہے۔

مذکورہ ترجمۃ الباب کی ماقبل ترجمۃ الباب سے یوں مناسبت ہے کہ ہر انسان کے ایمان میں کمی اور زیادتی علم و معرفت میں زیادتی و کمی کے اعتبار سے ہوئی ہے — اسی طرح فتن سے دُوری اور فرار بھی معرفت باللہ میں کمی و زیادتی کے بقدر ہوتا ہے۔ اگر معرفت باللہ قوی ہے تو ایمان بھی قوی ہوگا اور فتن سے دُوری بھی زیادہ ہوگی ورنہ ایمان بھی کمزور اور فتن سے دُوری بھی کم۔

(۲) کیا علم و معرفت ہم معنیٰ ہیں؟ اہلِ عرب کے ہاں علم اور معرفت میں لفظی اور معنوی اعتبار سے خاصا فرق ہے۔ لفظی فرق اس طرح کہ علم دو مفعولوں کی جانب متعدی ہوتا ہے جیسے عَلِمْتُ زَیْدًا فَقِیْهًا۔ جبکہ معرفت ایک مفعول کی جانب متعدی ہوتی ہے جیساکہ کہا جاتا ہے عَرَفْتُ رَبِّیْ بفسخ العزائم۔

معنوی اعتبار سے اہلِ تحقیق نے یہ فرق بیان کیا کہ علم ایک چیز کو تمام اجزا سمیت جان لینے کا نام ہے جبکہ معرفت ادراک جزئی کا نام ہے —— بعض حضرات نے کہا کہ علم کا تعلق صفاتِ شے سے ہوتا ہے جبکہ معرفت عین ذات سے متعلق ہوتی ہے جیسے عَلِمْتُ زَیْدًا فَقِیْهًا میں جو چیز معلوم ہو رہی ہے وہ فقاہتِ زید ہے نہ کہ زید۔ جبکہ ذاتِ زید کو متکلم پہلے ہی سے جانتا ہے۔ "عَرَفْتُ رَبِّیْ" میں متکلم کو ذاتِ باری کی معرفت حاصل ہو رہی ہے اصطلاحِ منطق کے اعتبار سے علم بمنزلہ تصدیق کے ہے اور معرفت بمنزلہ تصوّر کے۔ لیکن کثرتِ استعمال کے سبب اکثر موقعوں پر علم و معرفت ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں جیساکہ ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے علم و معرفت کو مترادف المعنیٰ کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔

(۳) اطاقہ سے کیا مراد ہے؟ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "یطیقون" یعنی طاقت و استطاعت میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حکیمِ اُمم دانائے سبل حضور انورﷺ ایسے اعمال کے بارے حکم فرماتے تھے۔ جن پر انسان تا دمِ زیست عمل پیرا ہو سکے کیونکہ دینِ شارع دینِ فطرت ہے اور دینِ فطرت کے تمام احکام انسانی طاقت کے دائرے میں ہوتے ہیں باہر نہیں۔ فرمانِ شارع ہے اَحَبُّ الاعمال الی اللہ ادومها وان قلّ (الحدیث)

(۴) ناراضگی کے وجوہات: حضور انورﷺ کے چہرۂ انور پر غیظ و غضب کے آثار کس وجہ سے نمودار ہوئے اسکے

درج ذیل تین اسباب حضرات محدثین سے منقول ہیں۔

(۱) افراطِ عمل: حضرات صحابہؓ نے پُرمشقت اور مشکل احکام کے بجاآوری کا ارادہ فرمالیا تھا جو نظام فطرت اور دینِ فطرت کے منافی تھے اس افراط اور غلو کے سبب آپؐ ناراض ہوئے۔

(۲) خلافِ ادب: چند حضرات صحابہؓ نے حضور انورؐ کی عبادات کو کمیت کے اعتبار سے کم تصور کیا جیسا کہ حدیث کے کلمات تَقَالُّوْھَا سے ظاہر ہے جسے حضور انورؐ نے محسوس فرمایا۔ بالاتفاق اُمتی کی سّو سالہ بھرپور اور کامل عبادت حضرت نبیؐ کی ایک لمحہ کی عبادت کا مقابلہ نہیں کرسکتی ـــــ دونوں عبادتوں کی رُوح اور قدر و منزلت میں ایسا فرق ہے جیسے روئی اور پارے کے ثقل میں۔

(۳) ـــــ حضرات صحابہؓ نے معصومیتِ نبوت کو تقلیلِ عبادات کا سبب سمجھا جبکہ فی الحقیقت ذاتِ نبوت معصوم اور مغفور ہونے کے باوجود عبادات میں سب سے زیادہ شاغل رہتی ہے۔

(۵) مغفرتِ ذُنوب کی وضاحت:

جُملہ فقہائے اہلسنّت کے نزدیک حضرات انبیاءؑ ہر طرح کے کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ اعلانِ نبوّت سے قبل بھی اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اور اعلانِ نبوّت کے بعد بھی۔ البتہ صغیرہ گناہوں اور معمولی نوعیت کی غلطیوں کے مسئلہ میں بعض علماء سے کچھ اختلاف منقول ہے۔ لیکن فقہائے احناف اور حضرات ماتُریدیہ کے نزدیک ذاتِ نبوّت ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ و معصوم ہوتی ہے۔

اب اشکال پیدا ہوا کہ جب نبی الانبیاء، خاتم الانبیاء اور امام الانبیاء معصوم ہیں اور ہر طرح کے گناہوں سے پاک۔ تو پھر حدیث الباب کے جملہ ان اللہ قد غفر لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر اور سورہ فتح کی دوسری آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ میں مغفرتِ ذنوب کے کیا معنی۔ چند جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) ذنب بمعنیٰ ترکِ اَولیٰ: ہر شخصیت کا ذنب اس کے مقام اور مرتبے کی مناسبت سے ہوتا ہے عوام الناس اہل تقویٰ کی نیکیاں حضرات مقربین کے درجے میں برائیاں شمار ہونے لگتی ہیں۔ مشہور مقولہ ہے حسنات الابرار سیئات المقربین۔ حدیث الباب اور آیت کا حاصل یہ ہے کہ آپ سے جو مرجوح اور مفضول اعمال صادر ہوئے ہیں، ہم نے انہیں بھی معاف کردیا۔

(۲) ذنب بمعنی اَمرِ معیوب: ـــــ علّامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ کتبِ شرعیہ میں تین کلمات استعمال ہوتے ہیں۔ معصیت، خطا اور ذنب۔ معصیت کا اطلاق نافرمانی پر ہوتا ہے۔ خطا کے معنیٰ "نادرست" کے ہیں اور ذنب کے معنیٰ عیب اور عار کے۔ انبیاء علیہم السلام بالاجماع معصیت سے معصوم ہوتے ہیں البتہ عیب دار اُمور کا ارتکاب

کبھی کبھار اُن سے ہو جاتا ہے۔ جسے حدیث الباب اور آیت میں "ذنب" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) **غفر بمعنیٰ ستر**: مغفرت کے معنی پردہ ڈالنے کے ہیں۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرات انبیاء اور ذنوب کے مابین ایک پردہ حائل کر دیا ہے جس کی وجہ سے ان حضرات سے گناہوں کا صُدور ممکن ہی نہیں۔

(۴) **ذُنوبِ اُمّت**: مغفرتِ ذنوب سے حضورؐ کی امت اجابت کے گناہوں کی معافی مُراد ہے کیونکہ آپؐ ہر وقت فکرِ امت ہی میں رہتے تھے۔ [یہ آیت کے سیاق وسباق کے منافی ہے]

(۵) **ذنب بمعنی اُمورِ طبعیہ**: حدیث الباب اور آیت میں ذنوب سے امورِ طبعیہ مراد ہیں جن کو انسان... دنیاوی ضروریات کے لیئے مختلف اوقات میں اختیار کرتا ہے توان امور کی بجاآوری کو ذنوب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۶) ــــــ احقر کے نزدیک ذات نبوّت دو متضاد مقامات پر فائز ہوتی ہے۔ ایک مقام وصل مع اللہ کا ہے اور دوسرا تعلّق مع الاُمّت کا۔ جیسا کہ ایک شعر کا مصرعہ ہے ؏

اِدھر اللہ سے واصل۔ اُدھر مخلوق میں شامل۔

تعلّق مع المخلوق کے وقت جو ذاتِ باری سے قدرے انقطاع پیدا ہوتا ہے۔ اُسے ذنب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عصمتِ نبوّت کے ضمن میں بعض انبیاء علیہم السّلام سے جس طرح کے نسیان اور اجتہادی خطا کا صُدور ہُوا اُس کے جوابات آئندہ کسی مسئلے میں زیرِ بحث آئیں گی وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

(۶) مؤاخذہ کے بارے شرعی ضابطہ

قلبِ انسانی میں جو کچھ تجویز، ارادے اور وسوسہ کی شکل میں ظہور پذیر ہو اُس پر مؤاخذہ ہے یا نہ۔

حضراتِ محدّثین نے قرآن وسُنّت سے جو کچھ اخذ کیا اُس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ـــ کہ واردات قلب کی دو قسمیں ہیں (۱) نظریات و اخلاقیات۔ ہر ایسا نظریہ اور عقیدہ جسے اپنے ارادے اور قصد سے دل میں جگہ دی جائے۔ اگر وہ شرعی نقطۂ نظر سے غلط ہے تو اُس پر بالاجماع مؤاخذہ ہوگا ـــ ایسے ہی وہ اخلاق فاسدہ جو انسانی جسم و روح میں گھر کر جائیں اُن پر بھی بالاجماع مؤاخذہ ہوگا۔ جس کی دلیل ترجمۃ الباب میں مذکور قرآنی آیت وَلٰکِن یُّؤَاخِذُکُم بِمَا کَسَبَت قُلُوبُکُم (الآیۃ) ہے (۲) خیالات و وساوس۔ ان قلبی واردات کی پھر چار قسمیں ہیں (۱) خاطر (۲) ھاجس (۳) ھَمّ (۴) عزم۔ ان چار اقسام کی تعریف اور وجہ حصر کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر کسی برائی کا ذہن میں تصوّر آیا اور وہ دل میں ٹھہرا نہیں تو اسے "خاطر" کہتے ہیں ـــ اور اگر یہی تصوّرِ گناہ دل میں ٹھہر گیا لیکن اُس گناہ کی تصوراتی لذت روح کو محسوس نہیں ہوئی تو اُسے "ھاجس" کہتے ہیں ـــ اور اگر تصورات کے ذریعے روح کو لذّت کا احساس ہونے لگا لیکن اُس تصوراتی گناہ کے اسباب وعوامل کے درپے نہیں ہُوا

تو اُسے "ھَمّ" سے تعبیر کیا جاتا ہے ـــــ اور اگر خدانخواستہ اسباب وعوامل کے دَرپے ہُوا تجاویز ذہن میں لانے لگا تو اُس کا نام "عزم" ہے۔

اِن چار اقسام میں سے پہلی تین قسموں (خاطر، ھاجس، ھَمّ) پر بالاتفاق مؤاخذہ نہیں۔ چوتھی قسم عزم میں اختلاف ہے۔ جن محدثین وفقہاء کے ہاں مؤاخذہ ہے اُن کی دلیل یہی ترجمۃ الباب کی آیت ہے ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم اور جن کے ہاں مؤاخذہ نہیں اُن کی دلیل وہ حدیث کے کلمات ہیں جسے امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے۔

مالم تتکلم ومالم تعمل (مُسلم)، یعنی اُس وقت تک گُناہ۔ گُناہ نہیں بنے گا جب تک کہ مخاطب اس پر عمل پیرا نہ ہوجائے خواہ زبانی امر ہو یا جسمانی امر ـــــ قول راجح یہ ہے کہ عزم پر مؤاخذہ ہوگا۔ کیونکہ ذہن اور قلب میں تجاویز کالانا یہ بھی ایک طرح کا قلبی عمل ہے ـــــ تیسری قسم "ھمّ" پر پہلی امتوں میں مؤاخذہ ہوتا تھا۔ لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت کے طفیل اس امت سے اس کا مؤاخذہ نہیں۔

عربی زبان میں مہارت اور انگلش زبان سے مناسبت پیدا کرنے کے خواہشمند دینی مدارس کے طلباء، علماء اور سرکاری و عسکری اداروں کے ملازمین حضرات کے لئے

جس میں حضرت مولف موصوف کے ہمراہ جامعہ ازھر مصر اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے عرب اساتذہ اور ملتان یونیورسٹی کے پروفیسرز حضرات آپ کو عربی کی تحریر اور تقریر کا ملکہ نیز انگلش زبان کو سمجھنے اور پڑھنے کی استعداد عطاء فرمائیں گے

داخلہ نہایت محدود طلباء کے لئے ہے۔

ماہ رمضان المبارک میں بذریعہ خط رابطہ فرمائیں

ماہ شوال کے آخر میں شفوی امتحان ہوگا

ذوالقعدہ کے پہلے عشرے میں تعلیم کا آغاز ہوجائے گا

۵۔ باب تفاضل اہل الایمان

امام بخاریؒ نے ایک ہی جیسے مفہوم کے دو ترجمۃ الباب صحیح بخاری میں قائم فرمائے ہیں (۱) صفحہ نمبر ۸ پر باب تفاضل اھل الایمان (۲) صفحہ نمبر ۱۱ پر باب زیادۃ الایمان و نقصانہ ان دونوں ترجمۃ الباب کے ضمن میں جو دو احادیث نقل کی گئی ہیں اُن کا مفہوم تقریباً ایک ہے۔ جس کے سبب حضرات محدثینؒ نے مختلف اشکالات پیش فرمائے جنھیں مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے دونوں احادیث کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

ترجمہ: (۱) سیدنا ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا کہ اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہلِ نار کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔ پھر ربِّ کائنات فرمائیں گے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو۔ اُسے بھی دوزخ سے نکال لیا جائے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ جبکہ وہ جلنے سے سیاہ ہو چکے ہونگے انہیں زندگی یا بارش کی نہر میں ڈال دیا جائیگا (لفظ حیا یا لفظ حیاۃ کا شک) ــــ امام مالکؒ کی روایت میں ہے۔ یہ لوگ از سرنو اس طرح پھلنے پھولنے لگیں گے جیسے ندی کے کنارے دانہ اُگنے لگتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ پہلے پہل وہ دانہ زرد رنگ میں لپٹا ہوا نکلتا ہے ــــ حضرت وُہیبؒ نے (عن عمرو کی جگہ) حدثنا عمروؒ اور الحیا او الحیاۃ کی جگہ بغیر شک کے الحیات اور خردل من ایمان کی جگہ خردل من خیر روایت کیا ہے۔

(۲) سیدنا انسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ جہنم سے اُن تمام افراد کو نکال لیا جائے گا۔ جنہوں نے توحید و رسالت کا اقرار کیا۔ اور اُن کے دل میں جو کے برابر یا گیہوں کے برابر یا سوئی کی نوک کے برابر کوئی نیکی ہو گی ــــ ابو عبداللہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابانؒ نے سیدنا قتادہؒ اور سیدنا انسؓ کے توسط سے حضور اکرمؐ سے من خیر کی بجائے من ایمان نقل کیا ہے۔

(۲) دونوں احادیث الباب میں بنیادی فرق:

دونوں احادیث الباب اس اعتبار سے تو مترادف ہیں کہ ان میں خوارج اور مرجئہ کا رد ہے۔ خوارج پر رد اس حیثیت سے کہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر مانتے ہوئے دوزخ میں ہمیشگی کے قائل ہیں جبکہ احادیث الباب میں جہنم سے لے جانے کا تذکرہ ہے اور مرجئہ کا رد تو بالکل واضح ہے کہ اُن کے ہاں اعمال ایمان میں مؤثر نہیں جبکہ دونوں حدیثوں میں اعمال کی وجہ سے جہنم میں جانا بھی ہے اور پھر

اعمال کی قوت کے برابر جہنم سے نکلنا بھی

البتہ دونوں احادیث میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث سیدنا ابوسعید خدریؓ میں من ایمانٍ کا ذکر ہے۔ جبکہ حدیثِ انس میں من خیرٍ مذکور ہے (۱) اب کیا ایمان اور خیر ایک ہی چیز ہے (۲) کیا خیر سے مراد اعمال صالحہ ہیں (۳) اگر خیر سے اعمال صالحہ مراد ہیں تو پھر دونوں ترجمۃ الباب اور احادیث الباب میں مناسبت ہے یا نہ ؟ ـــــ یہ وہ اشکالات ہیں جو ان دونوں ترجمۃ الباب کے ضمن میں مذکور ہیں ضروری وضاحت درج ذیل ہے۔

(۳) حدیث اور ترجمہ میں مناسبت اور خیر و ایمان کی وضاحت:

اکثر شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک "خیر" سے اعمال صالحہ مراد ہیں۔ دلیل یہ کہ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں الاعمال کا تذکرہ کیا ہے اور نیچے حدیث الباب میں ایمان کی تفسیر خیر سے کی پھر خیر سے اعمالِ صالحہ مراد لے کر ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ـــــ اس رائے سے دونوں ترجمۃ الباب اور احادیث الباب میں مطابقت تو پیدا ہو جائے گی لیکن یہ اشکال موجود رہے گا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلی حدیث الباب کے متن میں ایمان کا تذکرہ کیا پھر اُس کی تفسیر خیر یعنی اعمال صالحہ سے کی۔ اور صفحہ ۱۱ کے حدیث الباب میں خیر یعنی اعمال صالحہ کو متن میں نقل کیا۔ اور ایمان کو تفسیر اور متابعت میں ذکر کیا۔

احقر کے نزدیک خیر سے امام بخاریؒ کا مقصود ایمان ہے نہ کہ اعمال صالحہ ـــــ جس کی دلیل یہ کہ امام بخاریؒ نے پہلی حدیث الباب میں ایمان کی تفسیر خیر سے کی۔ اور صفحہ ۱۱ کے حدیث الباب میں خیر کی تفسیر ایمان سے کہ ایمان اور خیر مترادف ہیں۔ اور دونوں کا مصداق ایک ہے نیز اصل خیر تو ایمان ہی ہے کہ جس کے بغیر کسی عمل میں کوئی خیر نہیں ـــــ اب اشکال یہ کہ اگر خیر اور ایمان ایک ہی چیز ہیں تو صفحہ ۱۱ کے حدیث تو ترجمۃ الباب کے مناسب ٹھہری لیکن صفحہ ۸ کی حدیث اور ترجمہ میں مناسبت کس طرح ہے؟

جواب: امام بخاریؒ کے نزدیک اعمال ایمان کا جزء ہیں اور ایمان تصدیق، اقرار اور اعمال سے مرکب ہے اب جب ایمان میں اعمال داخل ہیں تو ترجمۃ الباب میں اعمال کا تذکرہ کر کے اور حدیث الباب میں ایمان کا ذکر کر کے کل اور جُز ہونے کے ناطے سے مناسبت پیدا کی ہے ـــــ نیز احقر کی تحقیق میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں ترجمۃ الباب اور احادیث الباب میں حضراتِ حنفیہ کے مسلک کی تائید کر رہے ہیں۔ کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور نفسِ ایمان میں زیادتی اور کمی کا امکان نہیں۔ البتہ کمالِ ایمان میں کمی اور زیادتی اعمال کے اعتبار سے ہوتی رہتی ہے۔

امام بخاریؒ نے ایمان کی تفسیر خیر سے اور خیر کی تفسیر ایمان سے فرما کر اس مسئلے کو واضح فرما دیا کہ ایمان میں

تفاضل اور زیادتی ونقصان اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تصدیقِ قلبی میں زیادتی اور نقصان ممکن نہیں۔

(۴) دونوں احادیث الباب کے متن اور متابعت میں فرق

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے متن اور...

متابعت میں تین اعتبار سے فرق ہے (۱) متن کی سند میں امام مالکؒ کلمہ "عن" سے اور متابعت کی سند میں.. سیدنا وہیبؒ "حدثنا" سے حدیث کو روایت کر رہے ہیں (۲) متنِ حدیث میں امام مالکؒ کو حیا اور حیاۃ میں شک ہے جبکہ سیدنا وہیبؒ بغیر شک کے کلمۂ حیاۃ کو نقل فرما رہے ہیں (۳) متنِ حدیث میں "خردل من ایمان" کا جملہ ہے اور متابعت میں "خردل من خیر" کا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے متن کی سند اور متابعت میں ایک اعتبار سے فرق ہے کہ سندِ متن میں ھشام سیدنا قتادہ کے واسطے سے کلمۂ عن۔ اور متابعت میں سیدنا ابان قتادہ کے توسط سے کلمہ حدثنا سے حدیث الباب کو نقل کر رہے ہیں ــــ متنِ حدیث اور متنِ متابعت میں بھی فرق ہے۔ متنِ حدیث میں "من خیر" کا کلمہ اور متنِ متابعت میں "من ایمان" کا کلمہ مروی ہے۔

دونوں حدیثوں کے متن میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حدیثِ اوّل ــــ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے متن میں کلمۂ ایمان مذکور ہے اور متابعت میں کلمۂ خیر۔ جبکہ دوسری حدیث یعنی سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے متن میں "من خیر" مذکور ہے اور متابعت میں "من ایمان" ــــ اس اختلافِ متن و متابعت نیز ترجمۃ الباب کے اختلاف کے پیشِ نظر دو اشکال حضرات محدثین نے پیش فرمائے ہیں۔

ــــ اشکالات بمعہ جوابات درج ذیل ہیں ــــ

پہلا اشکال: صفحہ ۸ کا ترجمۃ الباب اور صفحہ ۱۱ کا ترجمۃ الباب باب زیادۃ الایمان ونقصانہ یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ امام بخاریؒ کے مسلک میں عمل ایمان میں داخل ہے تو عمل میں تفاضُل کا ہونا گویا ایمان میں تفاضل کا پیدا ہونا ہے جسے ہم زیادتی اور نقصان سے تعبیر کر سکتے ہیں تو حاصل یہ کہ دونوں ترجمۃ الباب ایک ہی جیسے ہیں اور دونوں کا مفہوم ایک ہے۔؟

جواب: علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں ترجمۃ الباب اور احادیث الباب میں بہت ہی معمولی نوعیت کا فرق ہے کہ پہلے ترجمۃ الباب میں اعمال کا تفاضُل بیان کرنا مقصود ہے اور دوسرے ترجمۃ الباب میں نفسِ ایمان کی زیادتی اور نقصان کو بیان کرنا۔ ہاں ایک دوسرے عنوان سے بھی اس فرق کو تعبیر کر سکتے ہیں۔ کہ پہلے باب میں موصوف یعنی اہلِ ایمان کا تفاضُل اعمال کے اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہے جبکہ دوسرے باب میں... اہلِ ایمان کی صفت یعنی ایمان کی زیادتی وکمی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

دوسرا اشکال : پہلے ترجمۃ الباب میں اہل ایمان کا تفاضل اعمال کے اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہے جبکہ حدیث الباب میں اعمال کا ذکر ہی نہیں بلکہ حدیث الباب میں یا تو ایمان کا ذکر ہے یا متابعت میں خیر کا۔ اور دوسرے ترجمۃ الباب میں ایمان کی زیادتی اور کمی کو بیان کرنا مقصود ہے اُس حدیث کے متن میں بھی ایمان کا کوئی ذکر نہیں بلکہ خیر کا ذکر ہے جو اپنے مدعا پر واضح نہیں۔

جواب :- علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دونوں احادیث الباب مختصر مروی ہیں اور صحیح مسلم میں یہی دونوں احادیث تفصیل سے نقل کی گئی ہیں۔ اُن تفصیلی احادیث کے مطالعے کے بعد کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ پہلی روایت یعنی روایتِ ابوسعید خدریؓ میں اعمال کا تذکرہ ہے مثلاً نماز، روزہ حج وغیرہ کا جبکہ سیدنا انسؓ کی روایت میں ایمان کا بیان ہے اعمال کا ذکر نہیں۔

اَب یہ اشکال کہ امام بخاریؒ نے ان تفصیلی احادیث کو کیوں نہیں روایت فرمایا اور مختصر احادیث پر کیوں اکتفا فرمایا ہے اسکے متعدد جوابات ہیں (۱) طلباء کے ذہنوں کا امتحان لینا مقصود ہے ۲۔ وہ تفصیلی روایت امام بخاریؒ کی شرائط کے موافق نہیں اسلئے اُسے حدیث الباب میں نقل نہیں فرمایا۔

۶۔ باب کُفرانِ العشیر

(۱) سیاق وسباق: اس ترجمۃ الباب سے قبل ایمان اور جزئیاتِ ایمان کا تفصیلی بیان تھا۔ اس ترجمۃ الباب اور بعد کے ابواب میں کفر، معاصی، ظلم اور منافقت زیرِ بحث ہیں ـــــ امام بخاریؒ نے اب تک ابواب میں اسلام اور ایمان کا تعارف مُثبت انداز میں فرمایا ہے اس اور آئندہ کے ابواب میں منفی طرزِ انداز کو اختیار فرما کر حقیقت ایمان کو مزید مُنقّح فرما رہے ہیں۔ مشہور شعر کا ایک مصرعہ ہے۔ ؎ وبضدها تتبیّنُ الاشیاءُ

(۲) ترجمہ: سیّدنا ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا کہ میں نے جہنّم کا مشاہدہ کیا تو اس میں زیادہ تعداد عورتوں کی تھی جو بوجہ کُفر کے جہنّم میں پہنچی ہوئی تھیں۔ حضراتِ صحابہؓ کی جانب سے عرض کیا گیا کہ کیا یہ عورتیں ذاتِ باری کی مُنکر تھیں؟ بارگاہِ رسالت سے جواب ملا (نہیں) خاوند کی شخصیّت کی مُنکر تھیں۔ اور ہر محسن کے احسان کا انکار کیا کرتی تھیں ـــــ اے انسان! اگر تو عُمر بھر کسی عورت کے ساتھ احسان کا معاملہ کر۔ پھر وہ عورت کسی ناپسندیدہ معاملہ کا سامنا تجھ سے کر لے تو فوراً بول اُٹھے گی کہ مجھے آج تک تیری وجہ سے کوئی بھلائی نہیں پہنچی۔

(۳) ترجمۃ الباب کی وضاحت: مذکورہ ترجمۃ الباب سے امام بخاریؒ کُفر کے درجات کو ثابت فرمانا چاہتے ہیں ـــــ کُفر کا اعلیٰ درجہ کُفرِ اعتقادی ہے جو انسان کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے جبکہ کُفر کا ادنیٰ درجہ کفرِ عملی ہے جس سے انسان فاسق بنتا ہے ایمان سے فارغ نہیں ہوتا ـــــ [اقسامِ کفر کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے]
اب جب کُفر میں متعدد درجات کے سبب زیادتی وکمی ثابت ہوئی تو کفر کی ضد جو ایمان ہے وہ بھی یقیناً زیادتی وکمی کو قبول کریگا ـــــ اہلِ تحقیق کا مشہور مقولہ ہے التشکیک فی شیءٍ تشکیک فی ضدہٖ۔ یقیناً جب ضد کا ایک درجہ کم ہوگا تو دوسری ضد کا ایک درجہ بڑھ جائے گا ـــــ تو گویا اس ترجمۃ الباب میں مرجئہ کا رد ہے۔ جو اعمال کو ایمان وکفر کے لئے غیر مُؤثر سمجھتے ہیں۔ نیز معتزلہ اور خوارج کے مسلک کو بھی مُسترد کرنا مقصود ہے جو مرتکبِ کبیرہ کو اعلیٰ درجہ کا کافر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مرتکب کبیرہ فاسق اور

ادنیٰ درجہ کا کافر ہے۔ ایسا کافر نہیں جو دائمی جہنمی ہو اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو۔

(۴) کفر دُون کفر کی تفسیر: یہ جملہ اعرابِ حکائی کی بنا پر مرفوع ہے۔ حضراتِ اہلِ سنت کے مسلک کی نمائندگی کرتے ہوئے سب سے قبل یہ جملہ کس شخصیتِ مبارکہ کی زبان سے صادر ہُوا۔ اس میں دو رائے ہیں (۱) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ سیدنا عطاءؒ سے مروی ہے (۲) علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ سیدنا ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اس کی تائید یہ کہ علامہ ابنِ کثیرؒ نے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۴۴ ویغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء (الآیۃ) کے ضمن میں یہی جملہ نقل کیا ہے ۔۔۔۔ سیدنا ابن عباسؓ اور سیدنا عطاءؒ سے کفرٌ دون کفرٍ کے جملے کی مانند ظلمٌ دون ظلمٍ اور نفاق دون نفاقٍ کے جملے بھی منقول ہیں ۔۔۔۔ اہلِ لغت کے ہاں کلمہ "دُون" دو معنیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے (۱) غیر اور ماسوا۔ (۲) قریب، کم، اور پست ۔۔۔۔ یہاں ترجمۃ الباب میں دون کے کون سے معنیٰ مُراد ہیں اور امام بخاریؒ کی رائے کیا ہے اس میں دو آراء ہیں۔ (۱) علامہ ابنِ حجرؒ عسقلانی، علامہ عینیؒ اور علامہ ابنِ تیمیہؒ کی تحقیق میں یہاں ترجمۃ الباب میں دُوْنَ دوسرے معنی یعنی قریب و پست اور کمتر کے معنی میں ہے اِن حضرات کی دلیل یہ ہے کہ لغوی اعتبار سے یہی معنیٰ اصل ہیں ۔۔۔۔ علامہ راغب اصفہانیؒ المفردات میں فرماتے ہیں دُون: القاصرُ من الشیٔ یعنی کم درجے کی چیز اور پست شئے کو دُون کہتے ہیں ۔۔۔۔ اس معنی کے اعتبار سے کفر بمنزلہ ایک نوع کے ہے جس کے تحت مختلف درجات کے متعدّد افراد و جزئیات ہیں۔ جن میں سے بڑا درجہ کفرِ اعتقادی کا ہے اور کم درجہ کفرِ عملی کا۔ جسے فِسق سے تعبیر کیا جاتا ہے (۲) علامہ نوویؒ، قاضی عیاضؒ اور علامہ کشمیریؒ کے ہاں یہاں ترجمۃ الباب میں دون غیر اور ماسوا کے معنی میں ہے۔ ان حضرات نے متعدد دلائل اپنی تائید میں پیش کئے ہیں جن میں سے دو درج ذیل ہیں۔

(۱) "وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ" یہاں بالاتفاق دون غیر کے معنیٰ میں ہے (۲) "مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" یہاں دُوْنَ بمعنیٰ غیر ہے۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے کُفر مختلف انواع و اقسام میں بٹ جائے گا اور ہر نوع دوسرے نوع کی مغایر ہو گی تو گویا کُفر ایک جنس ہے جس کے انواع ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اُن کی ماہیت الگ الگ ہے۔

الغرض! دونوں تعبیرات کا حاصل ایک ہے کہ کُفرِ اکبر کفرِ اعتقادی ہے۔ اور اس کُفر کے علاوہ اور اس سے کم درجے کے کُفر اور بھی متعدد ہیں۔ جو قابلِ معافی ہیں جن کا مرتکب دائمی جہنمی نہیں اور ایسا آدمی دائرہ اسلام سے خارج بھی نہیں ہوتا۔

(۵) کفران اور کفر میں فرق: کُفر اور کفران کَفَرَ یَکْفُرُ سے مصدر ہیں جس کے لغوی معنی چُھپانے کے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں الکفر والکفران الستر

اسی ستر کے معنی کی مناسبت سے کاشتکار کو کافر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دانے کو زمین میں ڈال کر چھپا دیتا ہے — رات کو بھی کافر کہا گیا کیونکہ اس میں بھی چھپنے چھپانے کی کیفیت ہوتی ہے۔ احسان فراموش پر بھی کُفر کا اطلاق ہوتا ہے جیساکہ قرآن کریم میں ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔ (الآیۃ) کیونکہ احسان فراموش بھی محسن کے احسانات کو ایک طرح سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی معاملہ کفر باللہ اور کفر بالرسالت کا ہے۔ لیکن عرفِ شریعت کے لحاظ سے کفر اور کفران کے استعمال میں خاصا فرق ہے لفظ کُفر عموماً کفر اعتقادی اور کفر عملی وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور لفظِ کفران احسان فراموشی کے لئے۔ جیساکہ ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ نے فرمایا "باب کُفران العشیر" یعنی خاوند کی شخصیت اور اس کے احسانات کے انکار کا بیان۔

احقر کی ناقص رائے میں جہاں امام بخاریؒ نے کفرٌ دون کُفرٍ فرما کر کفر کے متعدد اقسام کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ وہاں اُس اصطلاحی اور عُرفی فرق کی جانب بھی اشارہ فرما رہے ہیں — ترجمۃ الباب کا حاصل یہ ہے کہ کُفران العشیر بھی ایک کُفر ہے لیکن یہ کُفر اعتقادی جیسا نہیں کیونکہ کفر اعتقادی وغیرہ کو کُفر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کفران العشیر کو کُفران سے ——— تو گویا امام بخاریؒ دُوْنَ سے دونوں طرح کے مصدروں یعنی کفران اور کُفر کے عُرفی استعمال کے فرق کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ کفر کا استعمال دو طرح سے ہے ایک ملت اسلامیہ سے خروج کے لئے اور دوسرا احسانات کو فراموش کرنے کے لئے۔ اس وضاحت سے امام بخاریؒ کے تبحرّ علمی کی ایک اور مثال ہم طالبینِ حدیث کے سامنے بطور مثال کے آتی ہے۔ خدائے عزوجل اِس عظیم امام پر ہر لمحہ کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے۔ آمین :-

۷۔ بَابُ المَعَاصِی مِن اَمرِالجَاھِلیۃ

(۱) ترجمۃ الباب پر نقد و نظر: مذکورہ ترجمۃ الباب کے دو جزء ہیں۔ پہلے جزء، المعاصی من امرالجاہلیۃ سے فتنہ مرجئہ کی تردید مقصود ہے کہ معاصی جہالت کی علامت ہیں۔ اور جہالت ایمان و علم کے منافی ہے۔ نیز ہر معصیت میں کفر فسق کا رنگ کسی نہ کسی درجے میں جھلکتا ہوا نظر آتا ہے لہٰذا معاصی تکمیل ایمان کے منافی ہیں۔ دوسرے جزء، وَلاَ یکفر سے خوارج اور معتزلہ کا رد مقصود ہے کیونکہ اُن کے ہاں مرتکب معاصی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے دونوں جزؤں کو ترجمۃ الباب ہی میں بیان کردہ دو دلائل سے مدلل کیا ہے۔ پہلے جزء کی دلیل فرمانِ شارع ہے انک امرءٌ فیک جاھلیۃ ـــــ اور دوسرے جزء کی تائید میں قرآن پاک کی دو آیات مذکور ہیں (۱) ان اللہ لا یغفر الخ (۲) وان طائفتان من المؤمنین (الآیۃ)
یہ تینوں دلائل اپنے دونوں دعوؤں پر صراحۃً دال ہیں کیونکہ حضور انورؐ نے سیدنا ابوذرؓ کو گالی دینے پر تنبیہ فرمائی اور اس عادت کو زمانۂ جاہلیت کی عادت قرار دیا ـــــ جس سے معلوم ہوا کہ سبّ وشتم اور اسی طرح کے دیگر امور معصیت جہالت و فسق کی علامت ہیں اُن کا مرتکب جاہل و فاسق تو ہے کافر نہیں۔
اسی طرح قرآن پاک کی دونوں آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بجز شرک کے دیگر تمام معاصی قابلِ مغفرت ہیں اور معاصی کے مرتکب پر مومن کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں۔ اور اُسے کُفر سے موصوف کرنا بھی درست نہیں۔

(۲) دوسری حدیث الباب کا ترجمہ: حضرت معرور بیان فرماتے ہیں کہ میری ربذہ کے مقام پر سیدنا ابوذرؓ سے ملاقات ہوئی۔ سیدنا ابوذرؓ ایک قیمتی جوڑے میں ملبوس تھے اور ویسا ہی ایک جوڑا آپ کے غلام کے زیب تن تھا۔ میں نے اس لباس کی یکسانیت کی وجہ پوچھی تو سیدنا ابوذرؓ فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک آدمی کو اُس کی ماں کی گالی دی۔ تو حضور انورؐ نے مجھے فرمایا اے ابوذرؓ! تو نے اُسے ماں کی گالی دی ہے بے شک تو ایسا نوجوان ہے جس میں ابھی زمانۂ جاہلیت کے اطوار موجود ہیں۔ تمہارے ملازم تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن ملازمین کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ جس شخص کے ہاں ملازمین ہوں انہیں ویسا ہی کھلائے جس طرح کی غذا آپ کھائے اُنہیں اسی طرح کا لباس پہنائے جس طرح کا لباس خود پہنے اُن سے وہ کام نہ لے جو اُن کے لیے باعث تکلیف ہو۔ اور اگر کوئی تکلیف دِہ کام اُن سے لینا چاہو تو

اس میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

(۳) کیا عاصی پر کفر کا اطلاق ہوگا؟

مذکورہ ترجمہ اور احادیث الباب سے امام بخاری اس مسئلہ کو انتہائی شد و مد سے ثابت فرمار ہے ہیں کہ مرتکب کبیرہ نہ ہی کافر ہے اور نہ ہی اُسے کفر سے موصوف کرنا درست ہے۔ جب کہ اس سے قبل کے ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ نے "کفر دون کفر" فرما کر اس جانب اشارہ فرمایا ہے کہ مرتکب کبیرہ ادنیٰ درجے کا کافر ہے اور اس پر کفر کا اطلاق درست ہے ـــــ اب یہاں دو طرح سے اشکال پیدا ہوا۔ (۱) دونوں ترجمۃ الباب میں تعارض ہے (۲) جب معاصی اجزائے کفر ہیں تو مرتکبِ معاصی کافر کیوں نہیں ہے۔ جبکہ مبدأ اشتقاق یعنی کفر اس مرتکب کبیرہ میں موجود ہے اور جہاں مبدأ اشتقاق موجود ہو وہاں مشتق کا اطلاق ضروری ہوتا ہے لہٰذا مرتکبِ کبیرہ کافر ہوگا اور امام بخاری کا مذکورہ ترجمۃ الباب میں ولا یکفر صاحبہا کہنا درست نہ ہوگا۔؟

جوابات: (۱) **کفرِ اعلیٰ کی نفی:**۔ مذکورہ ترجمۃ الباب میں کفرِ اعلیٰ اور کفرِ خلود کی نفی ہے اور سابقہ ترجمۃ الباب میں کفرِ ادنیٰ یعنی کفرِ فسق کا اثبات ہے۔ امام بخاریؒ مذکورہ ترجمۃ الباب میں مرتکب کبیرہ پر کفرِ اعلیٰ کے اطلاق کرنے سے روک رہے ہیں۔ جبکہ اس سے پہلے والے ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ کا منشا یہ ہے کہ فاسق ادنیٰ درجے کا کافر ہے اور اس پر کفرِ فسق کا اطلاق درست ہے۔

(۲) **افتاءِ کفر کی نفی:** علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ دونوں ترجمۃ الباب میں تطبیق یوں ہے کہ مذکورہ ترجمۃ الباب میں اس جانب اشارہ ہے کہ ہر مرتکبِ کبیرہ کو کافر نہیں کہنا چاہیئے ہاں اُسے فاسق اور جاہل کہنا درست ہے کافر کہنا مناسب نہیں اور اس سے قبل والے ترجمۃ الباب کا حاصل یہ ہے کہ ان مواقع میں کفر کا اطلاق کرنا درست ہے جن مواقع پر خود حضرتِ شارعؑ نے مرتکب کبیرہ کی تکفیر کی ہے۔

(۳) **کفرِ عرفی کی نفی:**۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ عرف میں کسی ذات پر مشتق کا اطلاق اُس صورت میں درست ہوتا ہے جب اُس ذات میں مبدأ اشتقاق ایک معتدبہ درجہ میں پایا جائے۔ اگر مبدأ اشتقاق بالکل معمولی درجے کا ہو تو وہاں صدق مشتق ضروری نہیں جیسے علم (جاننا) مبدءِ اشتقاق ہے اور عالِم (جاننے والا) مشتق ہے۔
اب جو شخص ایک آدھ بات کا علم رکھتا ہو اُسے عُرف میں عالِم نہیں کہا جاتا۔ ہاں! البتہ اگر علم کا معتدبہ درجہ اُس شخص کو حاصل ہو تو اُس پر علم کا اطلاق درست ہوگا۔ ایسے ہی ہر معصیت میں کفر کا ایک جزء موجود ہے اور عاصی گنہگار پر کفر کا اطلاق اس وقت درست ہوگا جب عاصی میں معصیت کے معتدبہ درجات پائے جائیں۔ لہٰذا موجودہ ترجمۃ الباب میں کفر کی نفی، معصیت کے معتدبہ درجات نہ ہونے کے سبب ہے، اور سابقہ ترجمۃ الباب میں کفر کا اثبات، معمولی نوعیت کے اجزائے کفر پائے جانے کے سبب ہے:۔

٨ - بَابُ سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ

(١) ترجمہ : سیدنا ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن حضورِ انورؐ حضراتِ صحابہؓ کے درمیان جلوہ افروز تھے بارگاہِ نبوت میں ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کی تعریف کیا ہے؟ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اے مخاطب! تو ذاتِ باری، وجودِ ملائکہ، زیارتِ رب، حضراتِ انبیاءؑ اور نظامِ آخرت جیسے عقائد کی تصدیق کر لے تو یہی ایمان ہے۔ اُس شخص نے ایک اور سوال کیا کہ اسلام کسے کہتے ہیں؛ حضورِ انورؐ نے جواب دیا کہ اے مخاطب! تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے کسی کو کسی معاملہ میں اللہ جیسا تصور نہ کرے، نماز کو قائم کرے، فرض شدہ زکوٰۃ کو ادا کرتا رہے، اور ماہِ رمضان میں روزہ سے رہے تو تو مسلمان ہے۔ تیسرا سوال اُس شخص نے یہ کیا ـــــ کہ احسان کیا ہے؟ لسانِ نبوت سے جواب ملا کہ تو اللہ کی عبادت اُس فنائیت میں کرے کہ گویا تو ذاتِ باری کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ ہاں! اگر تو اپنے میں ایسی فنائیت پیدا کر لے تو تجھے یہ رؤیت دنیا میں حاصل ہوسکتی ہے۔ ورنہ ذاتِ باری تو تجھے یقیناً دیکھ ہی رہی ہے [اس تصورِ فنائیت کا نام احسان ہے] آخری سوال اُس شخص نے یہ کیا کہ قیامت کب برپا ہو گی؟ ـــ آپؐ نے جواب دیا کہ (حتمی تاریخ کے تعین میں تو) مسئول، سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں۔ البتہ میں علاماتِ قیامت سے مخاطب کو باخبر کردیتا ہوں کہ جب، لونڈیاں اپنے میاں کو جننا شروع کریں، اور جب سیاہ اونٹوں کے چرواہے تعمیرات میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے لگیں۔ (تو سمجھ لو کہ وقوعِ قیامت قریب ہے) نیز قیامت کا علم انہیں پانچ طرح کے علوم میں سے ہے جنہیں اللہ ہی جاننے والے ہیں۔ پھر حضورِ انورؐ نے قرآنی آیت ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ تلاوت فرمائی ـــــ ان سوالات کے بعد وہ صاحب چل دیئے آپؐ نے حضراتِ صحابہؓ کو فرمایا کہ اِن صاحب کو دوبارہ بارگاہِ نبوت میں حاضر کرو تو حضرات صحابہؓ نے ان صاحب کو ڈھونڈا لیکن نہ پا سکے فرمایا یہ صاحب جنابِ جبرائیلؑ تھے۔ آپ لوگوں کو آپ ہی کے دین کی تعلیم کی غرض سے تشریف لائے تھے۔

ـــــ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضورِ انورؐ نے مندرجہ بالا ساری تعلیم کو دین اور ایمان قرار دیا ہے۔

(٢) ترجمۃ الباب کا ماحصل ایمان، اسلام اور دین ـ یہ تینوں وہ بنیادی لفظ ہیں جن کا استعمال قرآن مجید اور احادیثِ مقدسہ میں بکثرت ہوتا ہے۔ عام مسلمان ان کلمات کے بارے میں اس قدر جانتا ہے کہ یہ بہت ہی اہم اور بہت ہی معزز الفاظ ہیں اور ان سے ان لازمی قواعد کو تعبیر کیا جاتا

جن پر ایک انسان کا یقین واقرار لازم ہے ـــ اب یہ کہ یہ تینوں لفظ ہم معنیٰ ہیں۔ یا الگ الگ مفہوم کے حامل ہیں۔ اِس میں علماء سے دُو اقوال معروف ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) **ترادُف**: حضرات محدثینؒ اور امام بخاریؒ کے نزدیک ایمان، اسلام اور دین تینوں ہم معنیٰ ہیں اور مفہوم کے اعتبار سے ان میں ترادف ہے۔ امام بخاریؒ مذکورہ ترجمۃ الباب میں اپنے اس قول کو تین تراجم سے مؤید فرما رہے ہیں۔ پہلا ترجمہ سوال جبرائیل سے متعلق ہے کہ جناب جبرائیل نے حضور انورؐ سے ایمان، اسلام، احسان اور قیام قیامت کے بارے میں چند سوالات کئے آپؐ نے جوابات کے بعد فرمایا و یعلمکم دینکم۔ تو گویا حضور انورؐ نے جملہ سوالات وجوابات کو دین سے تعبیر فرمایا۔

معلوم ہُوا کہ ایمان اور اسلام دین ہی کا دوسرا نام ہیں۔

(۲) **دوسرا ترجمۃ الباب** وفد عبدالقیس کے متعلق ہے کہ حضور انورؐ نے وفد عبدالقیس کے سوالِ ایمان کے جواب میں جو امور بیان فرمائے ہیں وہ بعینہٖ وہی ہیں جو آپؐ نے حدیثِ جبرائیلی میں اسلام کے ضمن میں ارشاد فرمائے۔ تیسرے ترجمۃ الباب میں آیت قرآنی سے ,, استدلال ہے کہ ربّ کائنات نے ایک ہی ضابطۂ اصول کو پہلے اسلام سے اور پھر دین سے تعبیر فرمایا ہے۔ تو گویا دونوں میں مغایرت نہیں ترادف ہے۔

درحقیقت اسلام، ایمان اور دین میں اتحاد کے اثبات سے امام بخاریؒ ان مختلف تعبیرات وتراجم کی صحت کو مزید صحیح تر ثابت فرمانے کی کوشش فرما رہے ہیں جو امام بخاریؒ نے اعمالِ صالحہ کو داخلِ ایمان بتلانے کے سلسلہ میں اب تک قائم فرمائے ہیں۔

(۲) **عموم خصوص:**

سادات متکلمین فقہاءِ اہلِ سُنّت اور حضرات حنفیہؒ کے نزدیک ان تین کلمات میں سے ہر ایک کی تعریف دوسرے سے مختلف ہے۔ ایمان، تصدیق قلبی (عقائد) کو کہتے ہیں اسلام نام ہے اعمال کا۔ خواہ اعضاء کے اعمال ہوں یا زبان کے اور دین کے معنی مخصوص طرزِ زندگی کے ہیں جسے عمومی اصطلاح میں ملّت اور مذہب کہا جاتا ہے ـــ اس تغائر کی اہم دلیل حدیث الباب ہے جس میں ہر ایک کی تفسیر دوسرے سے مختلف ہے اتحادِ مفہوم کے دلائل کا بنیادی جواب یہ ہے کہ استعمال واطلاق میں توسّع ہے اور مجازاً ایک کا اطلاق دوسرے پر ہو سکتا ہے۔

نیز اگر ایمان واسلام کے مفہوم میں اتحاد ہوتا تو جناب جبرائیل علیہ السلام ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ سوال نہ کرتے۔

(۳) حدیث الباب کا مقام

حدیث الباب نہایت اہم بہت ہی پُر مغز اور انتہائی عظیم الشان جامع حدیث ہے جس میں حضور انورؐ کی تیئس ۲۳ سالہ تعلیمات کو عجیب اختصار سے سمو دیا گیا ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں یصلح ان یقال له ام السنۃ۔ قاضی عیاضؒ کا مشہور مقولہ ہے اِنّ

علوم الشریعۃ کلّھا راجعۃ الیہ و متشبّعۃ منہ تو یہ حدیث ام السنۃ ہے اور تمام علومِ اسلامیہ کا مرجع و منبع علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حدیثِ مذکور متن ہے اور بقیہ جملہ احادیث شرح - کیونکہ عقائد کے جملہ اصول ایمان کی، فقہ کے تمامی ابواب اسلام کی - اور تصوف وسلوک کے جملہ مراحل احسان کی تفسیر ہیں - اور یہ جناب جبرائیل کی بارگاہِ نبوت میں حاضری حجۃ الوداع کے بعد اور وصال شریف سے دو۲ ماہ قبل ہوئی -

(۴) مشکل کلمات کی وضاحت

(۱) بادزاً : بروز کے معنی ظہور کے ہیں یعنی حضور انور ایک نمایاں جگہ پر تشریف فرما تھے - حضراتِ صحابہؓ نے آپ کی نشست کے لئے ایک چبوترہ بنایا ہوا تھا جس پر آپ جلوہ افروز رہتے - تاکہ ہر اجنبی شخص تشنۂ زیارت نہ رہے - (۲) بلقائہٖ : لقاء کی تفسیر میں حضراتِ محدثین سے تین۳ اقوال مروی ہیں (۱) ملاقاتِ باری (۲) رؤیت باری (۳) حضور باری (عدالت رب میں حاضری اور پیشی) (۳) البُھم : یہ بَھیم کی جمع ہے جس کے معنی کالے کے ہیں - اگر یہ مرفوع ہو تو یہ رُعاۃ کی صفت ہوگی - یعنی کالے چرواہے اور اگر یہ مجرور ہو تو پھر یہ ابل کی صفت ہوگی کہ کالے اونٹ - دونوں طرح کا اعراب درست ہے -

---

روحانی ذوق رکھنے والے علماء کرام ، مشائخ عظام سے وابستہ اہل علم متوسلین ، ملک بھر کی معروف علمی اور روحانی خانقاہوں کے صاحب عرفان سجادگان ، ان کے روحانی و نسبی صاحب علم صاحبزدگان اور عارفین و کاملین کے علمی ، روحانی اور اصلاحی فیوض و برکات سے استفادہ کی تمنا رکھنے والے تمام ملت اسلامیہ کے افراد کے لئے

جس میں شفا شریف ، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ، کشف المحجوب ، الخصائص الکبریٰ مکتوبات حضرت مجدد ، وصیت رحمانیہ اور اہل چشت اولیاء عارفین کے متعدد رسائل و کتب پڑھائے جائیں گے

حضرت مولف موصوف اور خانقاہ معلی کے صاحب علم و معرفت اور اصحاب شریعت و حقیقت مشائخ عظام آپ کی تدریسی و روحانی سرپرستی فرمائیں گے

داخلہ کے لئے ماہ رمضان المبارک میں رابطہ فرمائیں
تعلیم کا آغاز ذوالقعدہ کے پہلے ہفتے سے ہوگا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتبہ دار العلوم

عثمانیہ ○ قدیر آباد ○ ملتان ○ پاکستان

۱- باب قول المحدّث حدثنا واخبرنا

(۱) حدیث الباب کا ترجمہ :--

سیدنا عبداللہؓ بن عمرؓ بیان فرماتے ہیں : کہ حضور انورؐ نے فرمایا :
درختوں میں سے ایک (۱) درخت ایسا ہے : "جس کے پتے (موسم خزاں میں) نہیں گرتے". اور بیشک ہے بھی وہ مسلمان جیسا (نہایت مفید).
(اے میرے ساتھیو !) بتلاؤ. وہ کون سا درخت ہے ؟
سیدنا ابن عمرؓ بیان فرماتے ہیں : کہ حضرات صحابہؓ جنگلی درختوں کے دھیان میں پڑ گئے. ہاں ! میرے جی میں آیا کہ وہ درخت : کھجور ہے. لیکن میں جرات جواب میں شرما گیا.
آخرکار حضرات صحابہؓ نے بارگاہ رسالت ہی سے جواب مانگا. کہ حضورؐ آپ ہی فرمائیے ! وہ کون سا درخت ہے ؟
جواب ملا وہ درخت : کھجور ہے.

(۲) ترجمہ الباب اور آثار کا ماحصل :--

حضرت امام بخاری "ترجمہ الباب"، "آثار الباب" اور "حدیث الباب" سے کیا ثابت فرمانا چاہتے ہیں ؟. اس بارے میں سادات محدثینؒ سے تین (۳) اقوال منقول ہیں :
(۱) سنیت کلمات روایت : حضرات محدثین حضور انورؐ کے فرامین مقدسہ کو بیان کرنے کیلئے جو مخصوص اصطلاحی کلمات تحریر فرماتے ہیں. کیا یہ ان کی اپنی فکری وضع ہے ؟ یا یہ کلمات : احادیث مقدسہ اور آثار میں موجود ہیں ؟
حضرت امام بخاری ترجمہ الباب اور آثار سے یہ ثابت فرما رہے ہیں : کہ یہ تمامی کلمات حضور انورؐ اور سادات صحابہؓ سے منقول ہیں جیسا کہ آثار مذکورہ سے ظاہر ہے.
(۲) تسویہ مراتب : حدیث مبارک جن کلمات سے بھی بیان کی جائے ان کی حیثیت قوت و ضعف کے اعتبار سے یکساں ہے. اس لئے ائمہ حدیث مذکورہ کلمات اور صیغوں میں سے جسے پسند فرماتے ہیں. روایت حدیث کے لئے بیان کردیتے ہیں. یہ امام بخاری اور بعض سادات محدثین کی رائے ہے.
حضرت امام مذکورہ آثار اور ترجمہ کے ذریعے اسی رائے کا اظہار فرما رہے ہیں.

(۳) ترادفِ استعمال: ترجمہ اور آثار میں مذکور کلمات ہم معنی ہیں۔ کوئی لفظ یا جملہ کسی خاص کیفیت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ روایت حدیث کے لئے: **حدثنا، اخبرنا، انبانا، سمعت، یروی عنہ**۔ جملہ کلمات مترادف اور ہم معنی ہیں۔

یہ امام بخاری کی ذاتی رائے ہے۔ جسے مذکورہ "ترجمہ الباب" میں بیان فرمارہے ہیں۔ دوسرے محدثین کی آراء اس نظریہ سے مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۳) روایت حدیث کی صورتیں:--

احادیث مبارکہ کو اپنے حضرت شیخ سے روایت کرنے کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) قراءۃ الشیخ: حضرت شیخ احادیث مقدسہ کی تلاوت فرمائیں اور شاگردان رشید ان کو سنیں۔ سادات متاخرین اس کیفیت کو: **سمعت، سمعنا، حدثنی، حدثنا**۔ کے کلمات سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) قراءۃ علی الشیخ: جناب شاگرد احادیث طیبہ پڑھیں اور حضرت شیخ ان احادیث کا سماع فرمائیں۔ یہ انداز: **اخبرنی، اخبرنا**۔ سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور اس انداز کو: **عرض علی الشیخ**۔ سے بھی موسوم کیا جاتا ہے

(۳) اجازہ: نہ ہی حضرت شیخ تلاوت احادیث فرمائیں اور نہ ہی شاگردان گرامی۔ بلکہ حضرت شیخ طالب حدیث کو اپنی تالیف شدہ کتاب حدیث سے احادیث بیان کرنے کی اجازت مرحمت عطا فرمادیں۔ اس صورت حال کے لئے: **انبئنی، انبانا**۔ کے الفاظ عموماً مستعمل ہیں۔

(۴) مناولہ: حضرت شیخ تلامذہ کو اپنی تالیف یا کتابی مسودہ عنایت فرماکر کہیں: تم! یہ درج شدہ روایات آگے نقل کرسکتے ہو۔ اس صورت میں راوی حدیث پر ضروری ہے۔ کہ وہ: **حدثنا، اخبرنا**۔ کے آگے لفظ "مناولہ" کہے۔

نقد و نظر: احقر کو: "مناولہ" اور "اجازہ" کی اصطلاحی تعریف میں کوئی فرق معلوم نہ ہوسکا۔ البتہ کتب مفصلہ کے مطالعہ سے جو حقیقت سامنے آئی وہ یہ کہ: "مناولہ" اصطلاحاً عام ہے۔ اور "اجازہ" اس کی ایک مخصوص قسم **واللہ اعلم**۔

(۵) کتابت: شاگرد حضرت شیخ کی زیارت و صحبت سے مستفیض نہ ہو۔ بلکہ خط و کتابت کے ذریعے حضرت شیخ جناب شاگرد کو اپنی تالیف یا کتابچہ کی احادیث مقدسہ روایت کرنے کی اجازت دے دیں۔

اس انداز کے لئے: **کتب الی فلان، حدثنا فلان مکاتبۃ**۔ کے جملے کتب احادیث میں موجود ہیں۔

(۶) رسالہ: شاگرد غیر حاضر۔ لیکن حضرت شیخ مائل بہ کرم۔ کہ کسی نائب کو بھیجا کہ میری یہ منقولہ احادیث فلاں شاگرد کو جاکر سنادو۔ اس کیفیت کی ترجمانی کے لئے: **ارسل الی فلان**۔ کا جملہ مستعمل ہے۔

(۷) وجادہ: کسی حضرت محدث کی تالیف شدہ کتاب ملنے پر اس میں موجود احادیث مقدسہ کو طالبین حدیث کی طرف روایت کرتے رہنا۔ اس کے لئے: وجدت فی کتاب فلان۔ جیسے جملے سادات محدثین میں معروف ہیں۔

(۴) اقسام مذکورہ میں محدثین و فقہاء کی آراء:

مذکورہ بالا اقسام میں مختلف جھتوں سے سادات فقہاء و محدثین کی آراء درج ذیل ہیں:

(۱) تحدیث: یعنی قراۃ الشیخ کی صورت روایت حدیث کے لئے بہتر ہے یا "اخبار" یعنی قراۃ علی الشیخ کی کیفیت۔

(۲) "تحدیث" اور "اخبار" کا درجہ روایت حدیث کے اعتبار سے یکساں ہے؟ یا ان دونوں (۲) میں قوت و ضعف کے لحاظ سے کچھ فرق ہے؟

(الف) امام مالک / سیدنا حسن بصری / امام بخاری اور بعض محدثین کے ہاں: ان دونوں (تحدیث اور اخبار) کی حیثیت ایک ہے۔

(ب) امام اعظم ابوحنیفہ / امام مالک (فی روایہ) / امام احمد اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک: "اخبار" والی سند "تحدیث" کی سند سے قوی اور وزنی ہے۔

(ج) بعض محدثین کے ہاں: "تحدیث" کا انداز بیان "اخبار" سے زیادہ بہتر ہے۔

فقہ و نظر: احقر کی رائے میں: سند حدیث میں ضعف و قوت کا مدار رواہ سند ہیں۔ نہ کہ کلمات سند۔

(۵) مسلم اور کھجور میں وجوہ تشبیہ:

حدیث الباب میں کھجور کو مسلمان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ ایسے ہی بعض روایات میں: کھجور کو انسانیت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں تشبیہات میں وجوہ شبہ درج ذیل ہیں:

(۱) قامت و استقامت: جس طرح انسان اور مسلمان قد و قامت / جسمانی ہیئت / اخلاق و عادات اور کردار و اقوال کے اعتبار سے مستقیم ہوتا ہے۔ ایسے ہی کھجور کا درخت بھی "مستقیم القامت" ہے۔ اور یہ استقامتی تشبیہ دو (۲) طرح سے ہے۔ (۱) قد و قامت۔ (۲) احوال و افعال۔

(۲) منفعت و افادیت: کھجور کے تمام اجزاء انسان کے لئے مفید ہیں۔ اس کا کوئی جزء بے کار نہیں۔ پتے / ٹہنیاں / تنہ / مغز / پھل اور گٹھلی تمام اجزاء مخلوق خدا کے لئے نفع بخش ہیں۔ ایسے ہی مسلمان کا ہر عمل اور اس کا ہر بول مفید اور نافع ہوتا ہے۔ گفتار و کردار میں لایعنی پن نہیں ہوتا۔

(۳) مرکزیت و قبولیت عامہ: احقر کے نزدیک: ہر دور کا انسان کھجور کے پھل کا گرویدہ رہا ہے۔ ایسے

مسلمان دنیائے انسانیت اور کائنات کے ہر ذرہ کے ہاں : محبوب و ہردلعزیز ہوتا ہے . کائنات میں بسنے والے تمام ذی روح : دل و جان سے اس کی قدر کرتے ہیں . کامل مسلمان اپنی مقبولیت ر افادیت اور محبوبیت کے سبب مرجع عام و خاص ہوتا ہے .

ان وجوہ کے علاوہ : (۱) انسانیت اور کھجور کی موت کا تعلق بالائی حصہ یعنی سر سے ہے . (۲) انسانیت میں جس طرح سلسلہ ذکور و اناث ہے اسی طرح کھجور میں "عمل تنقیح" ہوتا ہے . (۳) بوجہ آیت قرآنی : کلمہ طیبہ کشجرہ طیبہ .

(۴) عشق و محبت انسان و کھجور میں متاع مشترک ہے .

یہ چار (۴) وجوہ بھی انسان ر مسلم اور کھجور میں مشترک ہیں .

۲۔ باب القراءۃ والعرض علی المحدث

(ا) احادیث الباب کا ترجمہ:

(الف) سیدنا حسن بصریؒ فرماتے ہیں: کہ (طالب علم کی) "حضرت شیخ کے سامنے احادیث مقدسہ کی تلاوت درست ہے" (یہ انداز روایت حدیث میں مروج ہے) ، حضرت سفیان ثوری کا فرمان ہے: "جب حضرت محدث کے سامنے کوئی طالب علم حدیث مبارک کی تلاوت کرے تو روایت حدیث کے وقت وہ طالب علم حدثنی کہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں" ——— امام بخاری بیان فرماتے ہیں: میں نے اپنے شیخ امام ابوعاصم ضحاک سے حضرت امام مالک اور امام سفیان ثوری کا یہ ارشاد سنا: کہ قراءہ علی الشیخ. اور "قراءۃ الشیخ" کا مقام روایت حدیث میں یکساں ہے.

(ب) سیدنا انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں: ہم بارگاہ نبوت میں حاضر تھے اسی دوران ایک صاحب اونٹ سوار تشریف لائے. مسجد نبوی کے دروازے پر اونٹ بٹھایا. اس کے پاؤں باندھے. پوچھنے لگے:

تم حاضرین میں: حضرت "محمد" کون ہیں؟

حضور انور اس وقت حضرات صحابہؓ کے درمیان تکیہ سے سہارا لگائے جلوہ افروز تھے. ہم نے جواب دیا: یہ آسرا لگائے سفید مکھڑے والے جوان: "محمد" ہیں.

(حضور انور کے جانب رخ کرکے) ان صاحب نے کہا: اے جناب عبدالمطلب کے صاحبزادے!

حضور انور نے فرمایا: (کہیئے) جبکہ میں (تیرے آتے ہی) تیرے سوال و جواب سے باخبر ہوچکا ہوں (جو پوچھنا ہے پوچھ)

وہ صاحب حضور کو کہنے لگے: میں آپ سے چند باتیں پوچھنے لگا ہوں. سوالات میں میرا انداز گنوارپن جیسا ہوگا آپ اپنے جی میں محسوس نہ فرمانا. حضور انور نے فرمایا: جو آپ کے جی میں آئے پوچھیے. وہ صاحب کہنے لگے: میں آپ کے اور آپ سے پہلے والے حضرات کے رب کی قسم دیکر پوچھتا ہوں:

آپ کو اللہ نے تمامی انسانیت کی جانب رسول خاتم بنا کر بھیجا ہے؟. آپ نے فرمایا: بخدا! ہاں. نیز یہ بھی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کہ شب و روز میں پنجگانہ نمازوں کا حکم اللہ ہی کی جانب سے ہے؟ فرمایا: جی ہاں.

نیز حلف دے کر یہ بھی پوچھتا ہوں: کیا اللہ نے آپ کو سال میں ماہ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں.

نیز یہ بھی خدا کو گواہ بناتے ہوئے پوچھتا ہوں: کہ اللہ نے آپ کو حکم کیا! کہ آپ ہمارے میں سے اغنیاء سے

زکوٰۃ و صدقات لیکر ہمارے فقراء میں تقسیم فرماویں ؟ حضور انور نے فرمایا : بخدا ایسے ہی ہے ۔
وہ صاحب بولے : میں نے ان تمام احکامات کو مانا جو آپ لائے ۔ میں اپنی قوم کا نمائندہ ہوں جو یہاں نہیں آئے ۔ میرا نام : " ضمامؓ بن ثعلبہ " ہے ۔ " بنوسعد بن بکر " میرا قبیلہ ہے ۔
(ج) سیدنا انسؓ فرماتے ہیں : ہم حضرات صحابہؓ کو قرآنی آیت کے ذریعے روک دیا گیا کہ ہم حضور انور سے زیادہ سوالات کریں ۔ اس لئے ہم سب کی قلبی خواہش یہ ہوتی تھی : کہ کوئی زیرک دیہاتی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو ۔ وہ سوالات کریں اور ہم سنیں ۔
اسی دوران ایک بادیہ نشین جوان تشریف لائے فرمانے لگے : (یارسول اللہ) آپ کے فرستادہ ہمارے ہاں تشریف لائے تھے ۔ وہ بتاتے تھے : کہ آپ نے یہ اعلان فرمادیا ہے : کہ اللہ نے آپ کو شان رسالت عطا فرمائی ہے ۔
حضور نے فرمایا : اس نمائندہ نے سچ کہا ۔
اس شخص نے پوچھا : کہ آسمان کو کس نے بنایا ؟ حضور انور نے جواب دیا : " اللہ " ۔ پھر اس شخص نے پوچھا : کہ زمین اور پہاڑوں کا خالق کون ہے ؟ آپ نے فرمایا : " اللہ " مزید اس شخص نے سوال کیا : ان تمام تخلیقات میں نفع بخش کیفیت کس ذات نے مقرر کی ؟ آپ نے فرمایا : " اللہ "
وہ صاحب کہنے لگے : اس ذات کی قسم ! جس نے فضاء ر زمین اور پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان میں نفع رسا اشیاء رکھیں ۔ کیا اسی اللہ نے آپ کو منصب رسالت بخشا ہے ؟ آپ نے فرمایا : ہاں ۔ نیز کہنے لگے : کہ آپ کے پیام بر نے یہ حکم بھی بتایا : کہ ہم اہل اسلام پر پانچ (۵) نمازیں اور مال کی زکواہ فرض ہے ۔ آپ نے فرمایا : انہوں نے درست کہا ۔
اب وہ صاحب کہنے لگے : اس ذات کی قسم ! جس نے آپ کو رسول رحمت بناکر بھیجا ۔ کیا اسی اللہ نے آپ کو ان فرائض کا حکم دیا ہے ؟ آپ نے فرمایا : ہاں ۔
پھر ان صاحب نے بتلایا : کہ آپ کے نمائندہ نے ہمیں فرمایا : کہ ہم پر ہر سال ایک ماہ کے روزے فرض ہیں ۔
حضور نے فرمایا : انہوں نے سچ کہا ۔
دوبارہ قسم دیکر پوچھا : کہ اس کی فرضیت کا حکم بھی اللہ ہی کی جانب سے ہے ؟ آپ نے فرمایا : ہاں ۔ مزید یہ بھی بتلایا : کہ آپ کے نائب نے صاحب استطاعت شخص کے لئے فرضیت حج کا حکم بھی سنایا ہے ۔ حضور نے فرمایا : ان صاحب نے صحیح کہا ۔ وہ کہنے لگے اسی ذات بالا کی قسم ! یہ حکم بھی اللہ ہی کا ہے ؟ آپ نے فرمایا : ہاں ۔
اب وہ صاحب فرمانے لگے : اس ذات کی قسم ! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ۔ میں ان فرائض کی ادائگی میں نہ کمی کروں گا اور نہ ہی اس میں اضافہ کروں گا ۔ حضور انور نے جوابا فرمایا : یہ سچ ہے تو یہ صاحب : جنت میں ضرور داخل ہوں گے ۔

(۲) کلمات احادیث کی توضیح و تفسیر:---

(ا) **فاناخه فی المسجد:** اس جملہ کے ظاہری ترکیب سے حضرات مالکیہ اور اہل ظواہر نے: یہ مسلک اختیار فرمایا: "کہ حلال جانوروں کا بول ر گوبر اور لید پاک ہے" (اس مسئلہ کی مکمل فقہی تفصیل کتاب الطہارہ میں مرقوم ہے)

مسلک مذکور کی یہ دلیل: "احتمال بر احتمال" کے سبب "مرجوح" ہے. کیونکہ ان حضرات کا استدلال اس احتمال پر مبنی ہے: (ا) اونٹ کو صحن مسجد میں بٹھایا گیا (۲) مسجد میں بٹھانے پر ممکن ہے کہ اونٹ نے مسجد میں پیشاب کردیا ہو لہٰذا اونٹ اور حلال جانوروں کا "بول ر گوبر اور لید: پاک" ہوگا.

یہ دونوں احتمالات درج ذیل دلائل کے سبب مسترد ہیں:

(ا) مسند احمد میں یہی روایت: **فاناخ بعیره علی باب المسجد.** کے کلمات سے مروی ہے. یعنی ان صاحب نے مسجد سے باہر ملحقہ احاطہ میں اونٹ کو بٹھایا. پھر مسجد میں تشریف لاکر زیارت نبوت سے مستفیض ہوئے.

(۲) اگر مسجد میں اونٹ کا بٹھانا تسلیم بھی کرلیا جائے تو اونٹ کا بول کرنا احتمال اور امکان کے درجہ میں ہے. لہٰذا: **اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال.**

(ب) **ایکم محمد:** نو وارد دیہاتی صحابی کے اس سوال میں کیا حکمتیں موجود ہیں؟ جب کہ حضور انور ہجوم عاشقاں میں تکیہ لگائے ایک گونہ امتیازی شان سے جلوہ افروز تھے. چند حکمتیں درج ذیل ہیں:

(ا) **اختلاط و تقرب:** حضرات صحابہؓ حضور انور کے ارد گرد حلقہ بنائے پروانہ وار تشریف فرما تھے جس سے وہ نو وارد دیہاتی صحابیؓ حضرات عشاقؓ اور حضرت محبوب میں امتیاز نہ کرسکے اس لئے انہوں نے یہ سوال کیا.

(۲) **تیقن و تحقق:** ذات نبوت کی پہچان ہوجانے کے باوجود اپنے اس "علم الیقین" کو مرتبہ "حق الیقین" پر فائز کرنے کے لئے حضرت سائل نے یہ سوال کیا.

(۳) **استلذاذ ر التفات ر امتحان: احقر کے ہاں:** حضرت بدوی کے اس استفسار کا منشاء آپ کے نام نامی کے ورد سے ایک طرح کی روحانی کیفیت اور وجدانی لذت کا حصول تھا ر نیز اس سوال کے ذریعے ہجوم عاشقاںؓ کو اپنے اس نو وارد سائل کی طرف متوجہ کرنا مطلوب تھا ر یہ بھی کہ حضرات عشاقؓ کی عقیدت و محبت کا امتحان لیا جارہا تھا کہ اس سوال کا جواب کس عقیدتی انداز سے محبت بھرے الفاظ میں دیا جاتا ہے.

گویا اس ایک سوال میں تین (۳) حکمتیں پنہاں ہیں.

(ج) **و النبی متکئی:** حضرت شیخ کا اپنے متوسلین کے مابین تکیہ لگائے تشریف رکھنا ر یا متوسلین کا حضرت شیخ کے لئے ممتاز و مخصوص جلوہ فرمائی کا انتظام کرنا نہ صرف جائز ہے. بلکہ اسوہ حسنہ کی اتباع میں مسنون و قابل عمل ہے.

(مزید استفادہ و دریافت حق کے لئے: حضرت مولف موصوف کی تالیف: "معمولات مشائخ آیات و احادیث کے تناظر میں" کا مطالعہ فرمائیں)

(د) **قد اجبتک:** اس جملہ کا ترجمہ ہے: " لاریب میں تجھے جواب دے چکا". جبکہ سائل ابھی تک بولا ہی نہیں. اور نہ ہی اس نے اپنے سوالات پیش کئے ہیں. پھر سوالات جان کر جوابات دے چکنے کے کیا معنی؟ چند توجیہات درج ذیل ہیں:

(۱) **اجاب** اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ سننے کے معنی میں مجازاً ہے یعنی میں آپ کے سوالات سننے کو تیار ہوں.

(۲) "اجاب": فعل ماضی مجازاً مستقبل کے معنی میں ہے. یعنی آپ سوال کیجئے میں جواب دیتا چلا جاؤں گا. اسے علم معانی کی اصطلاح میں "مجاز بالمشارفہ" کہا جاتا ہے کہ: "مستقبل کو ماضی کے صیغے سے بیان کرنا"

(۳) اس جملے سے: حضور انور حضرات صحابہؓ کے جوابی جملے: **هذا الرجل الابیض المتکی.** کی تصدیق فرمارہے ہیں کہ جو جواب بوقت تعارف حضرات صحابہؓ نے آپ کو دیا ہے وہ در حقیقت میں "محمد" نے آپ کو دیا ہے یہ جملہ: "قول ایشاں قول من است" (قولھم قولی) کے قبیل سے ہے.

(۴) **فقہ و نظر: احقر کے نزدیک: قد اجبتک** کا جملہ اپنے حقیقی معنی اور حقیقی زمانہ (فعل ماضی) ہی میں مستعمل ہے جس کا حاصل یہ: کہ میں تیرے جواب سے باخبر ہوچکا ہوں. اگر سوالات کرکے جوابات لینا چاہے تو تیری مرضی. ورنہ سوالات و جوابات مجھ (محمدؐ) سے اپنے بول سے پہلے ہی سن لے.

حضور انور اس جملہ سے: "علم غیب عطائی" کا اظہار فرمارہے ہیں جو ذات رسالت کا پہلا سبق اور عطاء ربانی کا حرف آغاز ہے.

(مسئلہ الباب میں حضرت مولف موصوف کا رسالہ "میرے نبی کا علم" قابل دید ہے. افراط و تفریط سے محفوظ مسلک اھل سنتؒ اور مشرب اھل چشتؒ کا حسین ترجمان ر ایمان کی تقویت اور عقیدت و محبت میں اضافہ کا سبب ہے)

۳۔ بَابُ العِلمِ قَبلَ القَولِ

(۱) آیات ، احادیث اور آثار الباب کا ترجمہ :۔۔

علم : قول اور عمل دونوں سے مقدم ہے کیونکہ (۱) ارشاد ربانی ہے : آپ ! جان لیجئے : اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں (سورہ محمد) اس آیت میں اللہ نے لفظ علم سے کلام کا آغاز فرمایا ہے ۔

(۲) بیشک علماء ہی حضرات انبیاء کے ورثاء ہیں جنھوں نے علم ہی کی وراثت منتقل کی ۔ جس شخص نے اس علمی وراثت کو حاصل کیا اس نے یقیناً اس ترکہ کا پورا حصہ لیا (الحدیث)

(۳) جس شخص نے ایسے راستہ کا چناؤ کیا جس کی بدولت وہ طالب علم بنا ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے لئے بہشت کا راستہ آسان فرمادیں گے ۔ (الحدیث) (۴) فرمان باری ہے : بندگان خدا میں سے صرف علماء ہی خوف خدا رکھتے ہیں (سورہ فاطر)

(۵) نیز فرمایا : قرآنی مثالوں کو صرف علماء ہی سمجھ پاتے ہیں ۔(سورہ العنکبوت) (٦) اور فرمایا : اہل نار نے کہا : اگر ہم سنتے ہوتے یا سمجھ بوجھ رکھتے آج ہم اہل نار سے نہ ہوتے ۔(سورہ الملک)

(۷) اور فرمایا : کیا اہل علم اور جاہل ایک جیسے ہوسکتے ہیں (سورہ الزمر) (۸) اور حضور انور نے فرمایا : جس کے بارے اللہ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین میں فہم اور قرآن و حدیث میں فقاہت سے نواز دیتے ہیں ۔ (الحدیث) (۹) بیشک علم سیکھنے ہی سے آتا ہے ۔

(۱۰) سیدنا ابوذرؓ نے فرمایا : اگر تم تلوار یہاں رکھ دو اشارہ اپنی گردن کی جانب کیا اور یہ مجھے امید ہو کہ میں اپنی گردن جدا ہونے سے پہلے ایسی بات سنا سکوں گا جو میں نے حضور انور سے سنی ہے تو وہ بات میں ضرور سناؤں گا ۔

(۱۱) فرمان نبوی ہے : کہ حاضر محفل پر لازم ہے کہ وہ میرے فرمودات غیر موجود افراد تک پہنچاوے (الحدیث)

(۱۲) سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا : کونوا ربانیین ۔ (القرآن) سے اہل حکمت ، اصحاب فقہ اور اہل علم مراد ہیں

(۱۳) یہ بات بیان کی جاتی ہے : کہ ربانی : وہ شخصیت ہوتی ہے جو لوگوں کو بڑے مسائل سکھانے سے پہلے دین کے ابتدائی مسائل سکھائے ۔

(۲) چند الفاظ کی وضاحت :۔۔

(۱) الصمصامہ : علامہ جوہری فرماتے ہیں : " صمصام ، صمصامہ " : ایسی تیز دھار تلوار کو کہتے ہیں جو کبھی کند

(۲) القفا: گردن۔ کلام عرب میں یہ لفظ مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ (۳) تجیزوا: اجاز" کے معنی کاٹنے اور ختم کرنے کے ہیں اہل عرب کہتے ہیں: "اجاز الوادی" اس آدمی نے راستہ طے کرلیا۔

(۳) ترجمہ الباب کی وضاحت:--

امام بخاری مذکورہ ترجمہ الباب کے اختتام پر نہ کوئی "حدیث الباب" لائے اور نہ ہی کوئی "سند الباب"۔ بلکہ ترجمہ الباب میں حضرت امام نے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کو سمو دیا ہے۔ امام بخاری کے اس انداز ترجمہ کو حضرات شراح: "ترجمہ مجردہ غیر محضہ" کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔

مذکورہ ترجمہ الباب میں علم کی شان، عظمت اور اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ وعظ و نصیحت اور اعمال صالحہ کا منشاء علم ہے۔

علم: ہر طرح کے قول و عمل سے مقدم ہے۔ خواہ یہ "تقدم: زمانی" ہو یا "تقدم: رتبی"۔ حضرات شراح نے اس ترجمہ الباب کے ضمن میں خاصی طویل گفتگو فرمائی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے: کہ علم کا مقام وعظ و نصیحت اور اعمال صالحہ سے کہیں زائد ہے۔

فقہ و نظر: احقر کے نزدیک: کلمہ قول سے: وعظ و نصیحت اور اقوال و فرامین کی بجائے تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور نفس ایمان مراد ہے جس کے تناظر میں ترجمہ الباب کا حاصل یہ ہے: کہ علم، ایمان اور اعمال صالحہ کے مقابلہ میں بھی شان اولیت کا حامل ہے۔ کہ مومن کے لئے: ایمان اور اعمال صالحہ سے قبل حصول علم ضروری ہے۔

میری اس رائے کی تائید: کتاب الایمان کی ابتدائی عبارت سے ہوتی ہے۔ جسمیں امام بخاری اسلام کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **هو قول و فعل**۔ بالاتفاق قول سے یہاں تصدیق و اقرار اور نفس ایمان مراد ہے۔

تقدم و اولیت علم کا دعوی صحیح ہے یا غلط؟

نیز امام بخاری کے مذکورہ دعوی پر دلائل منطبق ہوتے ہیں یا نہ؟

اسمیں کافی الجھاؤ اور نہایت عجیب قیل و قال ہے۔

بہرحال یہ ترجمہ الباب علم اور اهل علم کی فضیلت و عظمت کے لئے: امام بخاری نے تحریر فرمایا ہے جس کے بیان و دلائل اور توضیح و تفسیر میں کوئی الجھاؤ نہیں۔

اور ترجمہ الباب کے ضمن میں بیان کردہ آیات و احادیث میں علم، اہل علم، مبلغ علم اور داعی علم ہی کی عظمت و شان کا بیان ہے۔ جس میں نہ ہی کسی طرح کا اخفاء ہے اور نہ کوئی الجھاؤ۔

(۴) وراثت نبوت--

ذات نبوت مورث ہوتی ہے اور پوری امت وارث۔ نیز حضرات انبیاء کا اثاثہ وراثت: مال و دولت نہیں۔ علم اور روحانیت ہے۔ سادات انبیاء کی پاکیزہ و مطہر ذات کو مال کی آلودگی سے مندرجہ ذیل حکمتوں کے سبب محفوظ رکھا گیا ہے:

(۱) مشروعیت وراثت کی ایک علت: اس دکھ اور درد میں کمی کرنا ہے جو مورث کی وفات سے ورثاء کے قلوب واذہان میں پیدا ہوتی ہے۔

گویا مورث کی مالی وراثت کے حصول سے ورثاء کے غموں کے بوجھ میں کمی آجاتی ہے۔ یہ علت حضرات انبیاء کے مرتبہ و مقام سے بہت درجہ ہیچ ہے۔ اور کسی پہلو سے بھی ان اولوالعزم حضرات کے مناسب نہیں: کہ درہم و دنانیر سے ورثاء انبیاء کرام کے قلبی و فکری بوجھ کو کم کیا جائے۔

اس لئے پوری امت کو وارث نبوت قرار دے دیا گیا تاکہ امت میں مال و دولت کے اعتبار سے تفریق نہ ہو۔ بنابریں حضرات انبیاء کا اثاثہ مال و دولت بیت المال میں جمع کرادیا جاتا ہے۔ ورثاء میں تقسیم نہیں ہوتا۔ تاکہ روحانی ورثاء میں مال و دولت کے سبب تفریق نہ ہو۔

(۲) حضرات انبیاء کو گستاخان نبوت کی ھرزہ سرائی سے محفوظ رکھنا ہے۔ وہ ذات نبوت کو یہ طعنہ نہ دیں: کہ مال ورثاء و اقارب کے لئے جمع کرلیا گیا۔ جبکہ حیات مبارکہ میں ذات نبوت کا اعلان تھا: **ان اجری الا علی اللّٰہ** (الایہ)

اس لئے بعد الوصال مخصوص ورثاء کی جانب مال منتقل کرنے کی بجائے پوری امت جو روحانی وارث ہے اس کی جانب مال منتقل کرویا جاتا ہے۔

(۳) حیات نبوت: حضرات انبیاء بعدالوصال زندہ ہوتے ہیں اس لئے وراثت خاصہ: مالی وراثت نہیں۔ تاکہ کوئی بدخواہ یہ نہ سمجھے: کہ ذات نبوت ہماری مانند ہے اور ان کی وفات بھی ہمارے جیسی۔

(حیات رسالت پر حضرت مولف موصوف کی تالیف قابل مطالعہ ہے: وہ پڑھنے کی چیز ہے اسے بار بار پڑھئے)

۴۔ باب ما ذکر فی ذھاب موسیٰ

(۱) حدیث الباب کا ترجمہ :۔

سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ : وہ اور جناب حرؓ بن قیس، سیدنا موسیٰ کے ساتھی کے بارے میں بحث و تمحیص کرنے لگے۔ سیدنا ابن عباسؓ کا موقف تھا کہ وہ : حضرت "خضر" تھے۔ اس دوران سیدنا ابیؓ بن کعب ان دونوں حضرات کے سامنے سے گذرے۔

سیدنا ابن عباسؓ : نے انہیں بلاتے ہوئے کہا : کہ میں اور میرے دوست (سیدنا حرؓ بن قیس) سیدنا موسیٰ کے اس ساتھی کے بارے میں اختلاف رائے رکھتے ہیں جن کی زیارت و ملاقات کو جانے والے راستہ کی درخواست سیدنا موسیٰ نے بارگاہ ایزدی میں کی تھی۔

کیا آپ نے ان کے بارے میں لسان نبوت سے کچھ سنا تھا؟

سیدنا ابیؓ بن کعب نے فرمایا : ہاں! میں نے حضور انور سے سنا : آپ فرما رہے تھے : کہ ایک مرتبہ سیدنا موسیٰ قوم بنی اسرائیل کے معزز افراد میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک آدمی بارگاہ موسوی میں آیا اور پوچھنے لگا : کہ کیا آپ! کسی فرد انسانی کو اپنے سے زیادہ عالم سمجھتے ہیں؟

سیدنا موسیٰ نے فرمایا : نہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ کی جانب وحی میں فرمایا : کہ ایسا نہیں۔ بلکہ ہمارے ایک بندے : (جناب "خضر") ہیں (جو آپ سے زیادہ علم و آگہی رکھنے والے ہیں)

حضرت موسیٰ نے سیدنا خضر تک پہنچنے کا راستہ پوچھا؟

تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مچھلی کو نشانی بناتے ہوئے فرمایا : جیسے ہی یہ مچھلی : آپ! غائب پائیں۔ وہیں سے واپس لوٹیں۔ وہیں یقیناً آپ سیدنا "خضر" سے ملاقات کرلیں گے۔

سیدنا موسیٰ فوری چل پڑے تاکہ سمندر میں مچھلی کے نشان کو جان سکیں۔ ان کے نوجوان رفیق سفر (سیدنا یوشع) فرمانے لگے : کیا آپ کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر ہے؟ جب ہم نے : ایک پتھر کے آغوش میں پناہ لی تھی۔ وہیں میں : داستان حوت بتلانا بھول گیا تھا اور یہ میری آپ کو بتلانے کی بھول شیطان کے بدولت تھی۔

سیدنا موسیٰ فرمانے لگے : وہی تو ہماری منزل مراد تھی جسکی تلاش میں ہم دونوں چلتے رہے ہیں۔

چنانچہ یہ دونوں (۲) حضرات اپنے نقش پاء کا کھوج لگاتے ہوئے پچھلے پاؤں واپس لوٹے تو وہیں حضرت خضر سے ملاقات ہوگئی۔ مزید ان دونوں حضرات کے واقعات وہ ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

(۲) ترجمہ الباب کا حاصل :۔۔

(ا) علم کی اہمیت : امام بخاری مذکورہ ترجمہ الباب سے حصول علم کی اہمیت نیز علم کی قدر و منزلت بیان فرمارہے ہیں : کہ علم اس قدر باعظمت ہے : کہ اس کے حصول کے لئے اگر پر خطر سمندری اسفار بھی کرنے پڑیں. تو انسان کرگذرے . نیز علمی استفادہ کے لئے ہر طرح کی صعوبت و مشقت برداشت کرنا اسوہ پیغمبری ہے .

(۲) علامہ عینی فرماتے ہیں : کہ مذکورہ ترجمہ الباب سابقہ ترجمہ الباب کا تتمہ ہے . جس کا حاصل یہ : کہ ذی قدر و بامنصب ہوجانے کے باوجود استفادہ علمی کا تسلسل جاری رہنا چاہیئے . تعلم و اخذ علم کی کوئی حد نہیں . یہ سلسلہ انسان **حتی یاتیک الیقین** تک جاری و ساری رکھے .

(۳) صاحب علم و فضل اگر کسی فن میں مہارت تامہ نہ رکھتا ہو تو اسے صاحب فن کی خدمت میں حاضر ہوکر علم حاصل کرنا چاہیئے . باوجودیکہ وہ صاحب فن : مقام و مرتبہ کے اعتبار سے صاحب علم و فضل سے کم ہی کیوں ہی نہ ہو

(۳) سفر موسوی کی تحقیق :۔۔

تلاش خضر میں طے کردہ سفر موسوی کے تین (۳) حصے ہیں :

(ا) مچھلی کی بھول سے پہلے کا سفر: بالاجماع یہ خشکی اور بری سفر ہے . جسکی تفصیلات سورہ کہف کی آیت نمبر ٦٠ سے آیت نمبر ٦٤ تک ہیں .

(۲) سیدنا خضر کی رفاقت میں سفر: یہ سفر بالاتفاق بحری ہے اس دورانیہ کے متعدد واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ سورہ کہف میں مذکور ہیں .

(۳) نسیان حوت کے بعد سیدنا خضر کی ملاقات تک کا سفر بحری ہے یا بری ؟ اسکی تفصیل صراحتا کلام باری میں نہیں . نیز یہ مسئلہ متفق علیہ بھی نہیں . عمومی مفسرین و محدثین کی تحقیق کے مطابق سیدنا موسی و حضرت خضر کی ملاقات اور اس سے قبل کا سارا سفر خشکی تھا بحری نہیں ۔ جسکی تائید مندرجہ ذیل دلائل سے ہوتی ہے .

(ا)اسی سفر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا : **حتی اذا رکبا فی السفینہ** . یہاں تک کہ جب حضرت موسی و خضر دونوں کشتی پر سوار ہوئے ۔۔ معلوم ہوا : کہ کشتی کی سواری سے قبل دونوں حضرات ساحل پر چل رہے تھے .

(۲) مذکورہ روایات میں : **فاتیا الصخرہ** . کا جملہ منقول ہے یقینا پہاڑ اور پہاڑ کی چاٹی خشکی سفر ہی میں پائی جاتی ہے .

(۳) **فخرجا یمشیان** . کے جملہ سے بھی بری سفر ہی کی تائید ہوتی ہے .

اب ان مذکورہ دلائل کی موجودگی میں امام بخاری کا فرمان : " **ذھاب موسی فی البحر الی الخضر** " کیسے صحیح

بنے گا؟ چند توجیہات درج ذیل ہیں:

(۱) ترجمۃ الباب میں کلمہ " ساحل: محذوف " ہے: " اے فی ساحل البحر " یعنی حضرت موسیٰ کا حضرت خضر کی زیارت میں ساحل سمندر پر سفر کرنا۔

(۲) علامہ ابن منیر فرماتے ہیں: کلمہ " الی " ۔ بمعنی " مع " ہے۔ " اے فذھب موسی فی البحر مع الخضر " گویا اس ترجمۃ الباب سے اس سفر کی جانب اشارہ ہے جو ملاقات حضرت خضر کے بعد جناب خضر کی رفاقت میں شروع ہوا۔

(۳) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: " فی البحر الی الخضر " میں کلمہ واؤ محذوف ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے: کہ ترجمۃ الباب میں دو (۲) سفروں کی جانب اشارہ ہے: (۱) بری سفر: جو سیدنا خضر کی ملاقات کے ارادہ سے تھا۔ جس کی طرف کلمہ " الی الخضر " مشیر ہے۔ (۲) بحری سفر: جو سیدنا خضر کی معیت میں بسر ہوا اور اسے " فی البحر " سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یعنی ایک ہی ترجمۃ الباب میں امام بخاری دونوں (۲) سفر بیان فرما رہے ہیں۔

(۴) حضرت خضر اور ان کا تعارف:۔

حضرت خضر کا اسم گرامی: بلیا بن ملکان ہے۔ ________ اور " خضر " آپ کا لقب ہے۔ جس کے معنی: " سرسبز و شاداب " کے ہیں۔

" خضر " کا حرف " ضاد: بالکسرہ " بھی ہے اور " بالجزم " بھی: (۱) خضِر (۲) خضْر۔

شہرت لقب کی وجوہات درج ذیل ہیں:

(۱) آپ کا رخ انور کمال حسن کے سبب ہمہ دم سرسبز و مظہر بہاراں ہے۔

(۲) حضرت خضر زمین کے جس حصہ پر قدم میمون رکھتے ہیں وہاں سبزہ اگ آتا ہے

(۳) آپ عمومی طور پر لباس سبز میں ملبوس رہتے ہیں۔

(۴) جس کرہ ارضی پر آپ نماز پڑھتے ہیں وہ آپ کے سجدہ کے طفیل سرسبز ہو جاتی ہے۔

چونکہ آپ ایک جداگانہ شخصیت اور منفرد اوصاف کے حامل انسان کامل ہیں اس اعتبار سے مندرجہ ذیل امور حضرات محدثین و مفسرین کے مابین مختلف فیہ اور قابل بحث و تمحیص ہیں۔

زمانہ ولادت:۔ اسمیں چار (۴) قول ہیں:

(۱) حضرت خضر سیدنا آدم کے بلا واسطہ فرزند ہیں۔

(۲) آپ سیدنا نوح کی پانچویں (۵) پشت میں پیدا ہوئے۔

(۳) آپ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کے پرپوتے یعنی چوتھی (۴) پشت میں ہیں۔

(۴) سیدنا ذوالقرنین اور حضرت خضر ہم عصر ہیں۔

منصب و مقام : سیدنا خضر نبی ہیں یا ولی ؟

حضرات محدثین و مفسرین سے دونوں (۲) طرح کے اقوال منقول ہیں . اور ہر ایک قول کی تائید میں مختلف اشارات قرآن و سنت میں موجود ہیں ۔ مثلا ارشاد باری ہے : **اتیناہ رحمۃ من عندنا** . رحمت ربانی نبوت ہے .

بہرحال آپ : علوم تکوینیہ کے امام ہیں اور " علوم لدنیہ " کا ماخذ و مرجع ۔ رب کائنات کی عظیم نشانی ہیں اور علوم و معارف ، روحانیت و معراج انسانیت کا مرکزی خزینہ . آپ تلاشِ نبوتِ کلیم اور جستجوئے ولایت ہیں ۔

رب کائنات ھم جیسے طالبان علم و معرفت کو نہ صرف حضرت خضر کی زیارت سے باسعادت فرماویں بلکہ ان کے علوم لدنیہ سے کسی درجہ استفادہ کا ساماں پیدا فرمائیں . (آمین)

حالات و کیفیات : حضور انور کی تشریف آوری سے قبل حضرت خضر وصال فرما چکے ہیں یا تاحال آپ زندہ ہیں ؟ اس بارے میں اصحاب ظاہر اور اہل باطن کا نقطہ نظر ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے جسکی تفصیل درج ذیل ہے :

(۱) حضرات مشائخؒ طریقت و حقیقت اور ارباب کشف و مشاہدہؒ کے ہاں : حضرت خضر زندہ ہیں . ہماری مانند ان کا کھانا پینا ہے . اھل اللہ سے عموما ان کی ملاقات ہوتی ہے اور یہ حضرات : حضرت خضر سے اکتساب فیض کرتے رہتے ہیں . سادات صحابہؓ اور اولیاء امت نے بالعموم خلیفہ سابع سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ، ائمہ تصوف : حضرت ابراھیم بن ادھم ، حضرت بشر حافی ، امام معروف کرخی ، سیدنا سری سقطی ، سید الطائفہ جنید بغدادی ، امام ابراھیم خواص ، حضرت امیر خسرو ، علامہ عبدالعزیز پرھاروی اور مفتی اعظم عبدالعلیم پیر ملتانی رضوان اللہ علیھم و رحمھم اللہ رحمہ واسعہ نے بالخصوص بارہا حضرت خضر کی زیارت بھی کی ہے . اور ان سے علوم لدنیہ کا اکتساب بھی کیا ہے اور ان اکابرین امت کی علمی ، روحانی اور اصلاحی مجالس میں بیٹھنے والے ہزاروں متوسلین نے حضرت خضر کی زیات بھی کی ہے اور ان کے دیدار سے مشرف بھی ہوئے ہیں .

آج ہم میں بھی اگر نسبت صحیحہ اور طلب صادق موجود ہو تو حضرت خضر کی زیارت سے مشرف ہوسکتے ہیں . " **اللھم اجعلنا من ھولاء المنعم علیھم** " (آمین)

(۲) امام بخاری ، علامہ ابن جوزی اور حضرت ابوبکر بن العربی کی تحقیق میں : حضرت خضر وصال فرما چکے ہیں .

فقہ و نظر : احقر کے نزدیک : ھم کور چشموں اور اصحاب بصارت کے لئے تو دونوں (۲) اقوال برابر ہیں جبکہ اصحاب بصیرت کے ہاں : قول اول ہی صحیح اور قول ثانی سراپا بے بنیاد ہے . کیونکہ یہ حضرات اپنی چشم ظاہر و باطن سے حضرت خضر کے رخ انور کا مشاہدہ کررہے ہیں ۔ یقیناً انکے مشاہدہ کی موجودگی میں تمام ظنی و غیر صریح دلائل کوئی حیثیت نہیں رکھتے ۔

(۵) حضرت موسیٰؑ کا اجمالی تعارف :۔۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام سے پانچویں (۵) پشت میں ہیں۔ آپ کے والد پاک کا اسم گرامی جناب عمران ہے حضرت عمران کی عمر ستر (۷۰) سال کی تھی جب سیدنا موسیٰؑ پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر میں دو (۲) روایتیں ہیں (۱) ۱۲۰ سال (۲) ۱۶۰ سال۔ لیکن تاریخ وفات اتفاقی ہے کہ آپ : ۷ اذار سن ۱۶۲۰ (طوفان نوح کے بعد) بمقام وادی تیہ فوت ہوئے۔

(۶) مقام موسیٰ و خضر پر اجمالی بحث :۔۔

سیدنا موسیٰ ایک جلیل القدر اولوالعزم پیغمبر ہیں جو تمام انبیاء و رسلؑ سے حضور انورؐ اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کے بعد مقام و مرتبہ کے اعتبار سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ البتہ سیدنا خضر کے نبی یا ولی ہونے میں خاصا اختلاف ہے۔ اگر نبی بھی ہوں تو اولوالعزم حضرت رسولؑ سے یقیناً مفضول ہیں۔ جبکہ قرآن مجید کی سورۃ کہف اور حدیث الباب کے ظاہری مفہوم سے تو مقام خضری کافی والا و بالا نظر آتا ہے۔ وہ یوں :

کہ آپ علوم تکوینیہ کے بے مثل لاثانی امام ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے علوم غیبیہ اور مقامات مجوبہ آپ پر عیاں کردیئے ہیں۔

علوم لدنیہ کا آپ مرکز و منبع ہیں۔

۵۔ باب فضل العلم

(۱) حدیث الباب کا ترجمہ :۔۔

سیدنا عبداللہؓ بن عمرؓ نقل فرماتے ہیں: میں نے لسان نبوت سے یہ بات سنی: آپ فرما رہے تھے: کہ دوران خواب میرے حضور دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا جسے میں نے خوب نوش کیا۔ یہاں تک کہ دودھ کی سیرابی میں نے اپنے ناخنوں میں محسوس کی اس کے بعد پس ماندہ (بقیہ بچا ہوا) دودھ میں نے سیدنا عمرؓ کو دے دیا۔ حضرات صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے اس خواب میں پیش کردہ دودھ کی کیا تعبیر لی؟ آپ نے فرمایا: "علم"۔

(۲) حدیث و ترجمہ الباب میں مطابقت :۔۔

ترجمہ الباب "باب فضل العلم" کے پہلے کلمہ: "فضل" کی تعبیرو تشریح میں حضرات محدثین سے دو (۲) اقوال مروی ہیں۔ نیز کلمہ "فضل" کو جس معنی میں بھی لیا جائے حدیث الباب اور ترجمہ الباب میں کسی درجہ باہمی مناسبت موجود ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) فضل۔ بمعنی فضیلت: علم کو بطور ہدیہ کے بارگاہ نبوت میں پیش کرنا اور ذات نبوت کا اس گرانقدر خدائی عطیہ کو مکمل قبول کرلینا عظمت علم کی نہایت اعلیٰ اور لاثانی دلیل ہے۔ لہٰذا ترجمہ الباب میں فضیلت علم کا جو دعویٰ حضرت امام نے فرمایا ہے حدیث الباب میں اسکی دلیل موجود ہے۔

(۲) فضل۔ بمعنی فاضل: (زائد اور بچی ہوئی چیز جیسے کہا جاتا ہے: "فضل طهور المراه") امام بخاری کا منشاء یہ ہے: کہ جب حضرت استاذ اور جناب شیخ خوب علم حاصل کرلیں۔ تو یہ حضرات: پھر علم آگے دوسروں تک پہنچائیں۔ جیسا کہ حدیث الباب میں حضور انور نے اپنا پس ماندہ سیدنا فاروق اعظمؓ کی جانب منتقل فرمادیا۔

(۳) کیا مذکورہ ترجمہ الباب متکرر ہے؟:

امام بخاری نے: "کتاب العلم" کا پہلا ترجمہ الباب: "باب فضل العلم" کے عنوان سے قائم فرمایا۔ مذکورہ ترجمہ الباب بھی اسی عنوان سے بعینہ معنون ہے۔ کیا دونوں (۲) "ترجمہ الباب" کا حاصل ایک (۱) ہے یا دونوں (۲) میں قدرے تفاوت ہے؟ اس بارے میں حضرات محدثین سے دونوں طرح کی آراء مروی ہیں۔

اگر پہلی رائے کو لیا جائے: "کہ دونوں (۲) ترجمہ الباب میں جس طرح لفظی مناسبت ہے۔ اسی طرح مفہوم بھی یکساں ہے" تو پھر سوال ہوگا: "کہ تکرار باب میں کون کون سی حکمتیں ہیں؟ جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) فرق باعتبار مفضل: علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ سابقہ ترجمہ الباب کے ضمن میں اہل علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور مذکورہ ترجمہ الباب کے تحت نفس علم کی عظمت و شان کا تذکرہ ہے۔

علامہ عینی کی یہ توجیہ: نادرست ہے کیونکہ سابقہ ترجمہ الباب کے ضمن میں دوسری آیت: " **وب زدنی علما** بالاتفاق علم ہی کی فضیلت کے بارے میں ہے، نیز اہل علم کو فضیلت و عظمت حصول علم ہی کے طفیل میسر آتی ہے۔ لہٰذا علم اور اہل علم کے اعتبار سے تقسیم درست نہیں۔

احقر کے ہاں: مذکورہ ترجمہ الباب سے دو (۲) عنوان قبل امام بخاری نے: علماء کی فضیلت و عظمت پر ایک باب: " **باب فضل من علم و علم** " قائم فرماکر اس میں علماء کی فضیلت پر ایک روایت نقل فرمائی ہے۔

(۲) فرق بوجہ کل و جزء: بعض شراح کی رائے یہ ہے: کہ سابقہ ترجمہ الباب میں مطلق علم کی فضیلت کا تذکرہ ہے اور موجودہ ترجمہ الباب میں علوم نبوت کی عظمت و رفعت کا بیان ہے۔

یہ رائے بھی قدرے کمزور ہے۔

(۳) تکرار بوجہ عدم حدیث: سابقہ ترجمہ الباب کے تحت چونکہ حدیث الباب موجود نہ تھی۔ اس لئے حضرت امام بخاری نے دوبارہ ویسا عنوان قائم فرماکر حدیث الباب کو تحریر فرمادیا۔

(۴) تکرار بوجہ اہمیت عنوان اور عدم دستیابی حدیث صریح: احقر کی ناقص رائے میں:
فضیلت علم پر امام بخاری کو کوئی صحیح السند صریح حدیث دستیاب نہ ہو سکی۔ جبکہ دوسری جانب "کتاب العلم" کی مناسبت سے فضیلت علم کا عنوان خاص اہمیت کا حامل تھا جس کا تقاضا یہ تھا کہ فضیلت علم کا عنوان ضرور قائم کیا جائے۔ بنابریں امام بخاری نے پہلے " **باب فضل العلم** " قائم فرماکر اس کے ضمن میں دو (۲) قرآنی آیات تحریر فرمادیں جن میں علم اور اہل علم (علماء) کی عظمت کا بیان تھا۔ کسی حدیث کو بطور استشہاد پیش نہ فرماسکے۔

اسکے بعد اب دوبارہ " **باب فضل العلم** " قائم فرمایا اور اسکے ضمن میں جو روایت نقل فرمائی اس سے علم کی فضیلت تاویلات و توجیہات کے بعد کسی درجہ ثابت ہو تو ہو۔ ورنہ حدیث الباب سے صراحتاً ترجمہ الباب کا دعوی ثابت نہیں ہوتا " **کما ھو الظاہر** "

لہٰذا امام بخاری کا منشاء یہ ہے: کہ علم کی فضیلت میں توکوئی کلام نہیں کیونکہ قرآنی آیات اور ذات نبوت کا مجسمہ علم ہونا علم کی فضیلت پر شاہد و ناطق ہے۔ لیکن کوئی صریح، صحیح السند حدیث امام بخاری کے علم میں نہیں۔

لہٰذا حضرت امام نے عظمت عنوان کے سبب: " **باب فضل العلم** " کے ترجمہ الباب کو ایک مرتبہ کی بجائے (۲) مرتبہ تکرار و تاکید کے ساتھ تحریر فرمایا لیکن صریح حدیث کی عدم دستیابی کے سبب ایک مرتبہ قرآنی آیات پر اکتفاء فرمایا اور دوسری مرتبہ ذات نبوت کے سراپا منبع علم ہونے پر۔

دوسری (۲) رائے یہ ہے: کہ دونوں (۲) ترجمہ الباب میں لفظی مناسبت کے باوجود معنی و مدعی کے اعتبار سے

فرق ہے وہ یوں : کہ سابقہ ترجمہ الباب میں " فضل : بمعنی فضیلت " ہے . اور مذکورہ ترجمہ الباب میں : " فضل بمعنی فاضل " یعنی زائد اور بچی ہوئی چیز کے ہے ۔ جسکی تفصیل عنوان نمبردو (۲) کے تحت مرقوم ہے ۔

(۴) علمیت صدیق اور حدیث الباب :۔۔

بالاجماع سیدنا صدیق اکبرؓ تمام حضرات صحابہؓ سے جملہ اوصاف حمیدہ اور کمالات فاضلہ میں بشمول علم و عرفان اعلی و ارفع ہیں . جبکہ حدیث الباب سے سیدنا فاروق اعظمؓ کی علم و معرفت کے اعتبار سے افضلیت ثابت ہورہی ہے . اجماع امت اور حدیث الباب میں تطبیق کے لئے چند جوابات ملاحظہ ہوں ۔

(۱) **ترجیح احادیث کثیرہ :** سیدنا صدیق اکبرؓ کی علمی افضلیت احادیث مشہورہ سے کثرت کے ساتھ مروی ہے . لہٰذا ان احادیث و آثار کثیرہ کو اس خبرواحد حدیث الباب پر " ترجیح " ہوگی ۔

(۲) **جزئی فضیلت :** حدیث الباب میں سیدنا فاروق اعظمؓ کی کسی خاص جزئی فضیلت کی جانب اشارہ ہے جیسے چند مواقع پر علوم فاروقیؓ کو تائید ربانی حاصل رہی .

(۳) **ترجیح مجموعہ نبوت بر فضل نبوت :** احقر کے ہاں : ذات نبوت نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے بارے فرمایا : " ما صب اللّٰہ فی قلبی صببتہ فی قلب ابی بکرؓ " جبکہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے بارے " حدیث الباب " میں ہے : " اعطیت فضلی عمر "

یقیناً وہ ذات جو جملہ علوم نبوت کی امین ہے اعلی و افضل ہوگی اس ذات ذی وقار سے جو پس ماندہ علوم نبوی کی حامل ہے ۔

(۵) دودھ اور علم میں وجوہ مماثلت :۔۔

(۱) **حیات جسم و روح :** نوزائیدہ بچے کی غذا دودھ ہے اور دودھ ہی اس بچہ کی زندگی اور جسمانی نشو و نما کا بنیادی سبب ہے . اسی طرح میدان علم میں نووارد طالب علم کی غذاء " علم " ہے اور علم ہی سے طالب علم کے قلب و نظر کو زندگی میسر آتی ہے اور اسکی روحانی حیات میں علم و حکمت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے ۔

گویا جسم کی اساس دودھ ہے اور روحانیت کی بنیاد علم و حکمت .

(۲) **افادیت و قبولیت :** احقر کی ناقص رائے میں : وجہ تشبیہ افادیت و قبولیت عامہ ہے . کہ دودھ ہر عام و خاص کے لئے مفید ہے خواہ انسان ہو یا حیوان ر صحت مند ہو یا مریض ر بچہ ہو یا بڑا .

ایسے ہی عالم کا علم انسانیت کے تمامی شعبہ جات کے لئے نفع بخش ہے ۔ نیز ہر کس و ناکس دودھ کا گرویدہ ہے ایسے ہی عالم مرجع عام و خاص ہوتا ہے .

۶۔ باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ

(۱) حدیث الباب کا ترجمہ :۔۔

حضور انورؐ نے فرمایا : تین (۳) طرح کے انسان ایسے ہیں جنہیں (ہر عمل پر) دگنا اجر و ثواب ملے گا۔ ایک (۱) تو اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے سابقہ قومی نبی محترم پر بھی ایمان لایا اور پھر ذات رسالت کاملہؐ کے حلقہ ارادت میں بھی داخل ہوا۔

دوسرا (۲) وہ ملازم اور نوکر جو حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنے مالک و حاکم کے فرائض منصبیہ کو بھی احسن انداز سے سرانجام دیتا رہا۔

تیسرا (۳) وہ نوجوان جس کے زیر تصرف ایک باندی ہو جسے وہ صحبت کے ساتھ عمدہ تہذیب اور اعلی تعلیم سے نوازے نیز اسے آزاد کرتے ہوئے شادی کرلے۔ ایسے نوجوان کو بھی دوہرا اجر و ثواب حاصل ہوگا۔

سیدنا عامر شعبی نے حدیث مذکور سنانے کے بعد فرمایا : ہم نے مذکورہ روایت آپ کو بغیر کسی معاوضہ محنت اور جستجو کے عطا کردی ہے جب کہ ہمارے اکابر اسلاف اور اساتذہ اس سے مختصر روایت کے حصول کے لئے مدینہ منورہ تک کا سفر اختیار فرمایا کرتے تھے۔

(۲) ترجمہ الباب کا حاصل :۔۔

سابقہ تراجم میں تعلیم و تعلّم کا عمومی بیان تھا جبکہ مذکورہ ترجمہ الباب میں : ایک مسلمان مرد کو اپنے اہل خانہ اور افراد عائلہ کی تعلیم و تربیت کی جانب متوجہ کیا گیا ہے کہ اسلامی تعلیمات سے واقفیت جیسے اس مرد پر لازم ہے ایسے ہی مستورات کے لئے بھی ضروری ہے خواہ وہ آزاد اور منکوحہ عورتیں ہوں یا زر خرید مملوکہ عورتیں۔

ہندومت کی طرح نہیں کہ صرف برہمن کو مذہبی اور دنیاوی علوم کے حاصل کرنے کی اجازت ہو۔ غیر برہمن مرد اور عورت کے لئے حصول علم و معرفت کے تمام ذرائع مسدود کردیئے جائیں۔

(۳) تضعیف اجر کے معنی اور نکتہ تخصیص :۔۔

تضعیف اجر کی توضیح و تشریح میں حضرات محدثین سے تین (۳) اقوال مروی ہیں :

(۱) دو دو اعمال پر دو دو (۲) اجر چونکہ تین (۳) طرح کے اشخاص میں سے ہر نوع کے شخص

کے دو دو (۲) عمل ہیں لہٰذا اجر بھی دو دو (۲) ہوں گے۔ یعنی پہلے عمل پر پہلا اجر دوسرے عمل پر دوسرا اجر۔

(۲) مذکورہ دو دو (۲) اعمال میں سے ہر ایک عمل پر دوگنا اجر۔

(۳) زندگی کے دورانیہ میں کئے جانے والے ہر عمل پر دوگنا اجر۔

قول اول قاعدہ و ضابطہ کے اعتبار سے تو درست ہے۔ لیکن مذکورہ تین (۳) افراد کا حصر اور ان کی تخصیص باعث اشکال ہے۔ وہ یوں: "کہ تعدد عمل پر کثرت اجر" یہ تو عام شرعی ضابطہ اور قاعدہ کلیہ ہے جس کا ہر شخص مستحق ہے۔ جیسے ماہ رمضان میں ایک معتکف شخص جو بحالت صوم نوافل ادا کر رہا ہو یقیناً اعتکاف، صوم اور نماز تینوں طرح کے عبادات کے سبب بیک وقت تینوں اجروں کا مستحق ہوگا۔

اب ان مذکورہ تین اشخاص کے تخصیص اور حصر کی وجہ کیا ہے؟

حضرات محدثین نے نکتہ تخصیص یہ بیان فرمایا: "کہ ہر وہ عمل جسکی بجاآوری میں دشواریاں اور موانع موجود ہوں انہیں عملی شکل دینے پر دوگنا (۲) اجر ملے گا۔ ایک اجر اداء عمل پر ر دوسرا اجر "ابعاد منع" (ان موانع کو دور کرنے) پر

مذکورہ تین (۳) اشخاص نے باعث اجر عمل تو ایک ہی کیا ہے لیکن اس عمل کی ادائیگی میں جو امر مانع تھا اسے کر گذرنے کے بعد یہ باعث اجر عمل ادا ہوا ہے۔ لہٰذا اس عمل کی ادائیگی کے ساتھ ہی وہ پہلے والا عمل بھی صاحب اجر بن گیا۔ اسلئے یہ شخص دو (۲) اجروں کا مستحق ٹھرا۔

جیسے حدیث مذکور میں پہلے شخص کا "آمن بنبیہ" والا عمل ر دوسرے شخص کا اپنے آقا و مالک کی خدمت گذاری اور تیسرے شخص کا عمل نکاح کوئی باعث اجر اعمال نہیں لیکن تینوں (۳) اشخاص کے بقیہ دیگر اعمال ایسے قیمتی اعمال ہیں کہ ان کے طفیل یہ پہلے والے اعمال بھی باعث اجر و ثواب بن گئے ہیں۔

مذکورہ تین (۳) اشخاص کے علاوہ: (۴) اٹک اٹک کر قرآن پڑھنے والے شخص۔ (۵) ہر اس انسان کے لئے بھی "اجرین" کی بشارت ہے جو کسی مانع اور حائل کی پرواہ کئے بغیر باعث اجر عمل ادا کرتا رہے ۔۔ واللہ اعلم۔

ترغیب و تحریض کے نکتۂ نظر سے تیسرا قول اور سیاق حدیث کے اعتبار سے دوسرا قول صحت و قیاس کے زیادہ قریب ہے۔

(۴) تخمیس یا تضعیف؟:۔

حدیث مذکور میں فریق ثالث کے پانچ (۵) اعمال کا تذکرہ ہے: (۱) وطئی امہ (باندی)۔ (۲) تادیب

امہ . (۳) تعلیم امہ . (۴) اعتاق امہ . (۵) تزویج حرہ (جو آزادی سے پہلے امہ تھی) اس فریق ثالث کے لئیے تضعیف اجر کے کیا معنی ہوں گے؟

قول ثالث : (کہ زندگی میں کیئے جانے والے ہر عمل پر دگنا اجر) کے اعتبار سے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا البتہ قول اول و ثانی کے اعتبار سے یہ سوال باقی رہے گا کہ یہاں تو دو (۲) اعمال کی بجائے پانچ اعمال کا تذکرہ ہے تو پھر پہلے دو (۲) فریقوں کے ساتھ تشبیہ کیسے درست ہوگی؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ فریق ثالث کے لئیے بھی باعث اجر اعمال صرف دو (۲) ہیں: (۱) اعتاق امہ (۲) اعتاق کے بعد عمل تزویج.

جبکہ باقی تمام اعمال تمہیدی ہیں.

علامہ کرمانی فرماتے ہیں: کہ یہاں قابل اعتبار عمل دو (۲) ہیں. (۱) امویت (باندھی ہونا). (۲) حریت (آزاد ہونا) جوایک دوسرے کے نقیض ہونے کے سبب باعث اجر ہیں.

(۳) **فقہ و نظر: احقر کی ناقص تحقیق میں** تمام فریقین کے مابین تساوی و تشبیہ اجر کے اعتبار سے ہے اعمال کی قلت و کثرت کے اعتبار سے نہیں خواہ فریقین کے دو دو (۲) اعمال ہوں اور فریق ثالث کے چار (۴) یا پانچ (۵) اعمال جتنے اعمال اتنا اجر.

اب اس توضیح کے بعد تضعیف اجر کے تینوں معنی درست رہیں گے کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا وہ یوں: کہ قول اول کے اعتبار سے فریق ثالث کو پانچ (۵) اجر اور قول ثانی و ثالث کے اعتبار سے دس (۱۰) اجر ملیں گے.

(۴) **محدثانہ توجیہ اور میں: احقر کی ادنی سمجھ کے مطابق** وجہ تخصیص کو سامنے رکھتے ہوئے فریق ثالث کے "اجرین" کی تفصیل یوں ہوگی: کہ عمل وطی کوئی باعث اجر عمل نہیں لیکن تادیب و تعلیم والا عمل اس قدر لائق قدر و منزلت ہے کہ اس کے طفیل عمل وطی بھی صاحب اجر عمل بن جائے گا اور یوں: قول اول کی روشنی میں عمل وطی پر پہلا اجر اور تادیب و تعلیم پر دوسرا اجر اس شخص کو نصیب ہوگا.

ایسے ہی تزویج کوئی لائق اجر عمل نہیں لیکن اعتاق امہ کے سبب وہ بھی صاحب اجر عمل بن جائے گا. لہٰذا تزویج اور اعتاق دو (۲) اعمال کی بدولت یہ شخص دوگنے اجر کا مستحق ہوگا--- "واللہ اعلم"

(۵) حدیث و ترجمہ الباب میں مناسبت اور اہمیت تعلیم امہ:---

حدیث الباب میں صرف تعلیم امہ کا ذکر ہے جس سے باندیوں کی تعلیم و تربیت پر تنبیہہ اور اہمیت کی جانب واضح اشارہ ہے. امام بخاری نے ترجمہ الباب میں امہ کی جنسی کیفیت پر قیاس کرتے ہوئے تعلیم

نسواں کو عام کرنے کے لئے فرمایا: تعلیم الرجل امتہ و اھلہ کہ یہ تعلیم کا معاملہ فقط امہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اپنے اہل خانہ اور افراد کنبہ کو بھی تعلیم دینا اور ان کی بہتر انداز میں تربیت کرنا خاندان کے سرپرست کا فرض منصبی ہے۔ گویا "عندہ امہ" کی قید اعتاق کے اعتبار سے ہے تعلیم و تربیت کے اعتبار سے نہیں۔

نیز زمانہ جاہلیت میں عمومی طور پر باندیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام نہیں کیاجاتا تھا بلکہ تعلیم و تربیت سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی اسلئے حضور نبی رحمتؐ نے باندیوں کا خصوصیت سے تذکرہ فرمایا۔

بعض حضرات محدثین نے ترجمہ و حدیث الباب میں یوں تطبیق دی: کہ اعتاق کے بعد اب یہ باندی آزاد ہوچکی ہے۔ لہٰذا مقصود اپنے زیر تصرف افراد کی تعلیم و تربیت ہے امویت (غلام ہونا) یا حریت نہیں۔

(۶) شیخ شعبی کے فرمان کی وضاحت:۔۔

علامہ شعبی حدیث مبارک کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ ہم نے حدیث مذکور آپ کو بغیر کسی محنت، مشقت اور زیادہ جستجو کے عطا کردی ہے۔ جبکہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے ایام خلافت میں بڑے بڑے حضرات محدثین و تابعین ایک حدیث مبارک کے حصول اور سماع کے لئے مدینہ منورہ اور کوفہ تک کا سفر کیا کرتے تھے۔

علامہ شعبی کے اس جملے کا مخاطب کون ہے؟۔

اسمیں (۲) دو قول ہیں: (۱) علامہ کرمانی کی تحقیق میں علامہ شعبی کے شاگرد جناب صالح اس گفتگو کے مخاطب ہیں۔ (۲) عمومی محدثین کے ہاں اس جملے کا مخاطب ایک خراسانی مستفتی ہے جس نے لونڈی کو آزاد کرنے کے بعد نکاح کے بارے میں علامہ شعبی سے فتوی دریافت کیا تھا آپ نے حدیث مذکور سنانے کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا

(۷) علامہ شعبی کا مختصر تعارف:۔۔

آپ کا اسم گرامی: عامر، آپ کے والد ماجد کا نام: شراحیل ہے۔ کتب حدیث میں آپ "عامرالشعبی" کے نام سے معروف ہیں۔ کنیت ابو عمرو ہے یعنی: "ابو عمرو عامر بن شراحیل الشعبی"۔ آپ اپنے زمانہ کے مایۂ ناز محدث اور فقیہ تھے تمام مولفین کتب حدیث نے آپ کے توسط سے روایت شدہ احادیث کو بہ کثرت اپنی کتب میں تحریر فرمایا ہے۔ علامہ عسقلانی فرماتے ہیں: "ثقہ مشھور فقیہ فاضل"۔ حضرت مکحول کا مشہور مقولہ ہے "ماراءیت افقہ منہ" آپ کا سن وصال ـ۱۸۰ھ۔۔۔؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوضوء

۱۔ باب لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور

(۱) فقہ و نظر:۔

امام ترمذی ، امام بخاری اور امام ابن ماجہ نے حدیث الباب پر ایک جیسا باب قائم فرمایا ہے۔
"لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور"
امام نسائی اور امام ابوداؤد حدیث الباب کو "باب فرض الوضوء" کے ضمن میں لائے ہیں۔

(۲) ترجمہ:

کوئی بھی نماز بغیر وضوء اور طہارت کے صحیح نہیں اور نہ ہی کوئی خیرات دھوکہ وخیانت کے بعد (بارگاہ ایزدی میں مقبول ہے)
یہ ترجمہ سیدنا عبداللہ بن عمر کے توسط سے روایت شدہ حدیث مبارک کا ہے جسے امام ترمذی اور امام مسلم نے نقل فرمایا ہے۔
امام نسائی اور امام ابوداؤد یہی روایت سیدنا ابوالملیح کے والد حضرت اسامہ بن عمیر کی سند سے نقل کرتے ہیں جسکا مفہوم یوں ہے:
"اللہ نہ ہی کسی نماز کو بغیر طہارت کے اور نہ ہی کسی طرح کی خیرات کو دھوکہ دہی سے قبول کرتے ہیں"
امام بخاری حدیث الباب کو سیدنا ابوہریرہ کے طریق سے لائے ہیں جسکا حاصل یہ ہے:
"اس شخص کی کوئی نماز قابل قبول نہیں جو بے وضو ہو جائے جب تک کہ دوبارہ وضو نہ کرلے۔ حضرموت کے ایک شخص نے سوال کیا کہ بے وضو انسان کیسے ہوتا ہے؟
فرمایا: بے آواز یا با آواز ہوا کے خارج ہونے سے"
امام ابن ماجہ یہی روایت سیدنا انس بن مالک اور حضرت ابوبکرہ کے واسطے سے بھی نقل کرتے ہیں جس کا مفہوم مندرجہ بالا ہے۔

(۳) قبول اور صحت کے معنی اور ان میں نسبت:۔

حضرات محدثین قبول کے دو معنی بیان فرماتے ہیں اور انہیں قبول مطلق اور قبول کامل کے عنوان سے معنون کرتے ہیں۔
(۱) قبول مطلق:۔ ایک چیز کا تمامی ارکان اور شرائط کے ساتھ موجود ہونا یہی تعریف لفظ صحت کی بھی ہے۔
گویا صحت اور قبول مطلق ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں۔
اس کا دوسرا نام قبول اصابت بھی ہے۔

حضور انور کے ارشاد گرامی " لا یقبل اللہ صلوۃ حائض الا بخمار " میں " لا یقبل " بالاتفاق " لا یصح " کے معنی

میں ہے۔
لہٰذا قبول اور صحت مترادف اور ہم معنی ہوئے۔
(۲) قبول کامل :۔ اسے قبول اجابت بھی کہا جاتا ہے اس کی تعریف درج ذیل کلمات میں منقول ہے " کون الشئ
واقعاً حیز مرضاہ اللہ "
یعنی عمل کا رضائے ایزدی کا سبب ہونا۔
اس معنی کے اعتبار سے قبول اور صحت میں عموم و خصوص کی نسبت ہے یعنی مذکورہ عمل شرعاً تو صحیح ہے لیکن
اس پر اجر وثواب نہ ہو گا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے " انما یتقبل اللہ من المتقین "
اللہ رب العالمین کے ہاں غیر متقی کا عمل صحیح تو ہے لیکن رفع درجات اور مکمل اجر و ثواب کے حصول کا ذریعہ

نہیں۔
علامہ ابن دقیق العید کے نزدیک لفظ قبول دونوں معانی میں مشترک ہے جن میں سے پہلا معنی (قبول مطلق جو
صحت کے مترادف ہے) حقیقی ہے اور دوسرا معنی مجازی۔
علامہ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق اسکے برعکس ہے فرماتے ہیں۔ کہ لفظ قبول قبول کامل کے معنی میں حقیقتاً
مستعمل ہے اور قبول مطلق کے معنی میں مجازاً۔
علامہ موسی خان صاحب کی رائے یہ ہے کہ قبول دو معنی کی بجائے تین معانی میں مستعمل ہے۔
(۱) قبول ادنی جو صحت کے مترادف ہے۔
(۲) قبول متوسط جو قبول کامل کے ہم معنی ہے۔
(۳) قبول اعلی جو استحسان کے معنی میں ہے یعنی عمل درست بھی ہے اور باعث اجر و ثواب بھی لیکن قابل قدر

نہیں۔

حدیث الباب میں قبول کے معنی مع دلائل :۔

جمہور محدثین کے نزدیک حدیث الباب میں کلمہ " لاتقبل " " لاتصح " کے ہم معنی ہے۔
گویا لفظ قبول سے قبول مطلق ہی مراد لیں گے
جسکی تائید درج ذیل قرائن و دلائل سے ہوتی ہے۔
(۱) عطف :۔ حدیث الباب میں " لاتقبل صلوۃ " معطوف علیہ ہے اور " لا صدقہ " معطوف۔ درمیان میں کلمہ
"واو" حرف عطف ہے۔
علم نحو کے ماہرین کے نزدیک معطوف علیہ اور معطوف کی حیثیت حکم کے اعتبار سے یکساں ہوتی ہے تمامی
محدثین کے نزدیک معطوف (لا صدقہ) میں قبول مطلق یعنی صحت کی نفی ہے لہٰذا " لاتقبل " معطوف علیہ میں بھی

قبول مطلق اور صحت کی نفی ہو گی۔
تاکہ معطوف اور معطوف علیہ میں یکسانیت باقی رہے۔

(۲) سیدنا علی کی ایک حدیث مبارک جسے تمام محدثین نے درج ذیل کلمات سے نقل کیا ہے اس سے بھی اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔ کہ حدیث الباب میں قبول مطلق اور صحت کی نفی ہے نہ کہ قبول کامل کی۔

متن حدیث یوں ہے:

"مفتاح الصلوٰۃ الطہور"

(اسے امام ابو داؤد نے حدیث الباب کے بعد نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے "باب ما جاء مفتاح الصلوٰۃ الطہور" کے ضمن میں)

حدیث مذکور میں وضو اور طہارت کو نماز کی مفتاح (کلید ر چابی) بتلایا گیا ہے۔

یقیناً جو عمل کلیدی حیثیت کا حامل ہو۔ اس کے بغیر بعد والا عمل درست نہ ہو گا۔

لہٰذا بغیر طہارت اور وضو کے نہ ہی نماز صحیح ہو گی اور نہ ہی مقبول۔

(۳) آیت قرآنی: "یا ایھاالذین امنوااذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا" (الایہ) میں اقامت صلوٰۃ اور غسل اعضاء کو شرط اور جزاء کی ترکیب سے بیان کیا گیا ہے۔ معروف ضابطہ ہے "اذافات الشرط فات المشروط"

گویا ادائیگی نماز سے قبل اعضاء کے پاک ہونے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یقیناً ایسی نماز درست نہ ہو گی جو بغیر طہارت کے ادا کی جائے۔

(۴) ملت اسلامیہ کے تمام فقہاء و محدثین کے نزدیک وضو اور طہارت نماز کے لئے بحیثیت شرط کے ہے۔ مذکورہ مسلمہ اصول کے مطابق نماز بغیر وضو اور طہارت کے درست نہ ہو گی۔

فاقد الطہورین کسے کہتے ہیں؟

فاقد الطہورین وہ شخص ہے جسے حصول طہارت کے لئے نہ ہی پانی میسر ہو اور نہ ہی پاک مٹی۔ مثلاً وہ شخص جو ایک ایسے مکان میں ہے جہاں پانی بھی دستیاب نہیں نیز اس کے در و دیوار بھی نجس ہیں گویا ایسا شخص نہ ہی وضو کر سکتا ہے اور نہ ہی تیمم۔

یا وہ مسافر جو ایسی سواری پر سوار ہے جس میں وضو کے لئے پانی کا ملنا ممکن نہیں نیز تیمم کے لئے صعید طیب (پاک مٹی) بھی ناپید ہے جیسے ہوائی جہاز وغیرہ کا مسافر۔

یا ایسا شخص جو پانی اور مٹی کے استعمال کرنے کی طاقت نہیں رکھتا یا اسے ان دونوں کے استعمال سے روک دیا گیا ہے۔ جیسے ہسپتال میں پڑے ہوئے مریض کو آپریشن یا ٹوٹے ہوئے انسانی عضو کو جوڑنے کے بعد حرکت کی اجازت نہ ہو۔

اب یہ شخص وضو اور تیمم کیئے بغیر اس وقت فرضی نماز پڑھے یا نہ؟

اس میں حضرات فقہاء اور سادات محدثین کی آرا درج ذیل ہیں۔

فقہاء و محدثین کے اقوال:

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ ر امام اوزاعی اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک فی الحال فرضی نماز ادا نہ کرے بلکہ اس وقت کا انتظار کرے جب اسے وضو یا تیمم کے لیے پانی یا پاک مٹی میسر آجائے

(۲) امام مالک کے ہاں ان فرضی نمازوں کو نہ ہی اب ادا کرے نہ ہی بعد میں۔ گویا یہ نمازیں اس شخص پر نہ ہی ادا فرض ہیں اور نہ ہی قضاءً

(۳) امام احمد بن حنبل کے نزدیک بغیر وضو اور تیمم کے اسی حالت میں نماز ادا کرلے پانی اور صعید طیب کی فراہمی پر ان نمازوں کو لوٹانا ضروری نہیں۔

(۴) امام شافعی اس مسئلہ میں کوئی ایک رائے قائم نہیں فرماسکے آپ سے چار طرح کے اقوال منقول ہیں۔ زیادہ معروف قول امام اعظم کے فرمان کے موافق ہے۔ یا یہ کہ ان نمازوں کو اب بھی ادا کرلے اور بعد میں بھی لوٹائے

(۵) امام ابو یوسف ر امام محمد اور فقہاء متاخرین کے نزدیک نمازیوں کی طرح ارکان نماز یعنی رکوع اور سجدہ کو وا ہی بجالائے لیکن نہ ہی قرآنی آیات کی تلاوت کرے اور نہ ہی ادائے نماز کی نیت۔ اسے اصطلاح فقہ میں "تشبہ بالمصلین" کہتے ہیں۔

جب کہ بعد میں ان فرضی نمازوں کی قضاء لازم ہے۔

اقوال ائمہ کے دلائل:

امام اعظم ابو حنیفہ ان تمام احادیث اور دلائل سے استدلال کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے عنوان "حدیث الباب میں قبول کے معنی مع دلائل" کے ضمن میں تحریر کئے جا چکے ہیں۔

امام مالک حدیث الباب سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ عدم طہارت کے سبب فی الحال نماز ادا نہ کرے اور بعد میں نماز کی قضاء کا لازم نہ ہونا اس لئے ہے کہ "اقیموا الصلوہ" کا حکم وقت کے ختم ہو جانے کے ساتھ ہی گزر چکا ہے۔ گزرے ہوئے اوقات کے نماز کی ادائیگی اب لازم نہ ہوگی۔

امام شافعی نے احادیث صحیحہ اور دلائل شرعیہ کے مفاہیم میں وسعت و جامعیت کے سبب ہر دلیل کو اپنا مستدل یوں بنایا کہ چار اقوال بیان فرمائے یعنی جتنے دلائل اتنے ہی اقوال۔

امام احمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآنی آیات اور احادیث مقدسہ میں انسان کو استطاعت اور صلاحیت کے مطابق مکلف بنایا گیا ہے چونکہ باوضو ہونا اس کے استطاعت میں نہیں اس لئے فی الحال بے وضو ہی نماز ادا کرلے نیز بعد میں نماز کو لوٹانا "تکلیف مالا یطاق" ہے اس لئے اس شخص پر ان نمازوں کی قضاء لازم نہیں۔

حضرات صاحبین اپنی تائید میں ان اجماعی مسائل کو بطور دلیل پیش فرماتے ہیں جو حضرات فقہاء نے اس اصول کے تحت مستنبط کئے ہیں کہ جب حقیقت پر عمل کرنا ممکن نہ رہے تو پھر مجاز قابل عمل ہوگا۔

چند اجماعی مسائل درج ذیل ہیں:

(۱) امرار موسی للکوسی: حج اور عمرہ سے فراغت کے لئے گنجے آدمی کا اپنے سر پر استرا پھروانا جبکہ اس کے سر پر بال ہی نہیں ہیں۔
"تشبہ بالمحلقین" اختیار کرتے ہوئے بالاجماع سر پر استرا پھروانا لازم ہے۔

(۲) امساک للمفطر: مریض ر مسافر ر نو مسلم ر نیو بالغ اور تازہ پاک ہونے والی عورت روزہ نہ ہونے کے باوجود "تشبہ بالصائمین" کرے اور بالاجماع سرعام کھانے پینے سے باز رہے جبکہ وہ روزہ دار نہیں۔

(۳) تلاوۃ اخرس: معذور گونگا شخص قرآن مجید کی تلاوت سے معذور ہے لہٰذا اسے "تشبہ بالمصلین" کا حکم دیا گیا ہے کہ خاموش رہے یا ہونٹوں کو جنبش دیتا رہے۔

امام اعظم کے فرمان کی ترجیحات:

امام اعظم ابو حنیفہ کا فرمان جہاں متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہاں تدبر و فراست کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ شخص ایک غیر اختیاری عذر (پانی اور صعید طیب کی عدم دستیابی) کے سبب سکون سے بیٹھا رہے تاوقتیکہ اسے پانی یا مٹی میسر آئے اور یہ شخص باوضو یا با تیمم ہو کر فرضی نماز ادا کر سکے۔

حضرت امام کے فرمان کی تائید سیدنا فاروق اعظم اور حضرت عمار بن یاسر کے اس مشہور واقعہ سے بھی ہوتی ہے جسے امام بخاری اور جملہ فقہاء و محدثین نے "باب التیمم" کے ضمن میں نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ:

"کہ دوران سفر حضرت عمر نے محتلم ہو جانے کے سبب فرضی نمازوں کو اس وقت تک ادا نہ کیا جب تک کہ انہیں پانی دستیاب نہ ہو سکا نیز چونکہ حضرت عمر تیمم جنابت کے مسائل سے واقف نہ تھے اس لئے آپ نے نمازوں کی ادائیگی کو موقوف رکھا۔

اختتام سفر پر بارگاہ نبوت میں فاروق اعظم نے جب یہ اپنی کیفیت بیان فرمائی تو حضور انور نے تیمم جنابت کا طریقہ تو سکھایا لیکن یہ نہ فرمایا کہ اے عمر! آپ بغیر وضو اور تیمم کے نماز پڑھ لیتے (جو امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے) یا ان نمازوں کی قضاء نہیں (جو امام مالک کا مذہب ہے) اور نہ ہی آپ نے "تشبہ بالمصلین" کا حکم فرمایا (جو حضرات صاحبین کی رائے ہے) ———— بلکہ حضور انور نے ان نمازوں کو بہ نیت قضاء پڑھنے کا حکم دیا۔ (یہی میرے اور آپ کے امام حضرت امام اعظم کا مسلک ہے۔)

لفظ "ح" :

ایک حدیث مبارک جب دو یا زیادہ اسناد سے مروی ہو تو حضرات محدثین سند کے درمیان لفظ "ح" تحریر فرماتے ہیں۔ یہ کلمہ "ح" اس محدث کے نام کے آگے لکھا جاتا ہے جس کے متعدد شاگرد ہوں اور وہ شاگرد اپنے طرق سے اس حدیث کو مصنف کتاب یا استاد حدیث تک پہنچائیں

اس لفظ "ح" کے کیا معنی ہیں ؟ اور یہ کون سے کلمے کا اختصار ہے ؟

اس بارے میں حضرات محدثین سے چار اقوال منقول ہیں

(۱) حائل اور حاجز : حائل اور حاجز کا معنی رکاوٹ اور دیوار کے ہیں جسکا حاصل یہ : کہ اس کلمے کے ذریعے سے سند اول کو سند ثانی سے جدا کر دیا جاتا ہے

اس قول کے مطابق سند حدیث کو پڑھتے ہوئے کلمہ "ح" کو نہ پڑھنا بہتر ہے

(۲) الحدیث : کلمہ "ح" سے اشارہ "الحدیث" کی جانب ہے جس طرح کہ قرآنی آیت یا متن حدیث کا ابتدائی حصہ نقل کرنے کے بعد "الایہ ر الحدیث" تحریر کر دیا جاتا ہے۔ جس سے اشارہ اس جانب ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت یا حدیث مبارک آخر تک تلاوت کی جائے۔ اسی طرح دوران سند کلمہ "ح" لکھ کر اشارہ اس جانب کر دیا جاتا ہے کہ یہ پہلی سند بھی آخر تک متصل ہے جس طرح کہ دوسری سند

یہ قول مغرب ر مراکش اور الجزائر کے بعض محدثین کا ہے

لہذا یہ حضرات محدثین سند حدیث کو پڑھتے ہوئے "ح" کی بجائے "الحدیث" کا تلفظ کرتے ہیں

(۳) صحیح : یہ لفظ "ح" کلمہ "صحیح" سے مخفف ہے جس کا مقصد یہ : کہ دونوں اسناد صحیح ہیں یعنی لفظ "ح" سے پہلے والی سند بھی درست ہے اور بعد والی بھی

(۴) تحویل اور تحول : یہ "ح" تحویل اور تحول کی علامت ہے یعنی شیخ مذکور کے بعد اب آپ دوبارہ نئی سند کی جانب لوٹ کر جائیں اور شیخ مذکور پلٹتی ہوئی دونوں اسناد کا مدار اور مرکز ہیں جن پر مصنف کتاب کی دونوں اسناد جمع ہو رہی ہیں۔ اس قول کے تناظر میں تلاوت سند کے وقت لفظ "ح" کو بالقصر (ح) یا بالمد (حاء) پڑھنا ضروری ہے

(۵) بعض محدثین کے نزدیک یہ "ح" اصل میں "خ" ہے جو "اسناد آخر" سے مخفف ہے یعنی ایک سند "ح" سے پہلے ہے اور دوسری سند "ح" کے بعد

اس قول پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ : " حدیث الباب " کے آخری جملے : **حتی یخرج نقیا من الذنوب** . سے
تو " صغائر " اور " کبائر " دونوں کا معاف ہونا معلوم ہوتا ہے .
پھر صرف صغائر کی تخصیص کیسے صحیح ہوگی ؟

جوابات : (۱) اس حکم عام کے لیے مخصص دوسری احادیث مقدسہ ہیں . جن سے صراحتا معلوم ہوتا ہے کہ : کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے -

(۲) حضور اکرم بہت سے مواقع پر ہر عمل کی مفرد خاصیت بیان فرماتے ہیں : گویا وہ خاصیت دیگر عوارض اور موانع سے قطع نظر اس فعل و عمل پر مرتب ہوتی ہے . جیسا کہ آپ نے کلمہ طیبہ کی خاصیت یوں بیان فرمائی :

من قال : لا اله الا الله محمد رسول الله دخل الجنه .

یعنی جب صرف کلمہ طیبہ پر یقین ہو اور اس کے معارض : سیئات و خطایا کا ارتکاب نہ ہو تو اس کلمہ طیبہ کا اثر : دخول جنت ہوگا .

لیکن جب اس کلمہ طیبہ کے معارض : خطایا اور معاصی ہوں تو پھر کلمہ طیبہ کی یہ خاصیت اس تعارض کے سبب ختم ہوجائے گی . اور اس کے معارض جو خطایا و معاصی ہیں : ان کی خاصیات پھر مرتب ہونے لگیں گی .

یعنی ایسا شخص نہ ہی سیدھا جنت میں جائے گا اور نہ ہی بوجہ گناہوں کے ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا . ان دونوں کے اجتماع سے ایک مجموعی اثر مرتب ہوگا کہ یہ شخص دخول جہنم کے بعد جنت میں پہنچ جائے گا .

جیسا کہ یہ امر ادویات و نسخہ جات میں ظاہر ہے .

بہرحال " حدیث الباب " میں یہ بتانا مقصود ہے کہ وضوء کی خاصیت اور اثر یہ ہے کہ وضوء کے کرنے سے تمام لغزشیں و خطائیں معاف ہوجاتی ہیں مگر یہ اثر اس وقت مرتب ہوگا . جب اس کے ساتھ کسی گناہ کا ارتکاب نہ ہوا ہو .

(۳) حدیث الباب میں : استغراق حقیقی مراد نہیں بلکہ وہ ذنوب و خطایا مراد ہیں جو دوران وضو انسان سے صادر ہوئے . واللہ اعلم

(۴) **فقہ و نظر : احقر کے نزدیک :** احادیث طیبہ میں کسی معمولی عمل یا کسی ادنی سی عبادت کی ادائیگی پر : " سیئات ، ذنوب یا معاصی " کے بالکلیہ خاتمے کا جو ذکر کیا جاتا ہے وہ احادیث مقدسہ : " خیر القرون " (حضرات صحابہ) کی پاکیزہ معاشرت پر محمول ہیں .

کیونکہ ان پاکیزہ انسانوں سے : فقط ایسی معمولی لغزشوں کا وقوع ممکن تھا . جو زیادہ سے زیادہ صغیرہ گناہوں کی فہرست میں آتی ہیں . اور وہ صغیرہ گناہ اعمال مذکورہ سے : بالاجماع یقیناً مندمل ہوجاتے ہیں .

جب کہ شر القرون کی معاشرت ان احادیث پر محمول ہے جن میں کفارہ سیئات کے لیے توبہ واستغفار ضروری

گویا حدیث الباب اور احادیث توبہ میں فرق: تفرق ازمنہ اور تغیر زماں کے اعتبار سے ہے۔ للذا تعارض باقی نہ رہا، کہ جہاں بالکلیہ سیئات و ذنوب کے خاتمہ کا ذکر ہے۔ وہ احادیث مقدسہ: صغائر اور خیر القرون کی معاشرت پر محمول ہیں۔ اور جن احادیث مبارکہ میں توبہ و استغفار کی قید ہے وہ احادیث: کبائر اور شر القرون کے احوال پر محمول ہیں۔

میری اس رائے کی تائید: حضرات مفسرین کے اس تقییدی ضابطہ سے ہوتی ہے جو ان محققین نے تفسیر قرآن کے لیے بطور شرط کے بیان فرمائی: کہ مفسر قرآن کے لئے ضروری ہے کہ قرآنی آیات کی تفسیر و توضیح کے وقت اس ماحول و معاشرت کو ذہن میں رکھے جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا:

النظر الی الجو الذی نزل فیہ القرآن۔ یقیناً احادیث مقدسہ میں تعارض کو رفع کرنے کے لیے اس ضابطہ کو ملحوظ رکھنا ضروی ہے۔

(۳) صغائر و کبائر دونوں: علامہ ابن حزم ظاہری اور بعض متقدمین علماء کی تحقیق یہ ہے کہ: حدیث مذکور صغائر و کبائر دونوں کو عام ہے۔

یہ حضرات مندرجہ ذیل شواہد و قرائن بطور دلیل پیش فرماتے ہیں۔

(الف) "حدیث الباب" میں: "کل خطیئہ" کے کلمات ہیں اور خطیئہ کا کلمہ عام ہے۔ جو صغائر و کبائر دونوں کو شامل ہے۔

(ب) "حدیث الباب" کے آخری جملے: حتی یخرج نقیا من الذنوب۔ سے بھی ان حضرات کی تائید ہوتی ہے۔

(۴) حاصل مطالعہ کتب حدیث: --

حضرت امام مسلم: "حدیث الباب" کو: باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء۔ حضرت امام نسائی: باب مسح الاذنین مع الراس۔ امام ترمذی: باب ما جاء فی فضل الطھور۔ حضرت امام مالک: جامع الوضوء۔ امام ابن ماجہ: ثواب الطھور۔ اور امام طحاوی: باب حکم الاذنین فی وضوء الصلوہ۔ کے ضمن میں لائے ہیں: اور اس حدیث مذکور سے حضرات محدثین نے دو (۲) طرح کا استدلال کیا ہے:

(۱) وضوء، طہارت اور غسل کی فضیلت پر۔

(۲) کان، سر کے تابع ہے۔ اس لیے جس طرح سر کے لیے مسح کا حکم ہے ایسے ہی کانوں پر بھی "مسح: فرض" ہوگا۔

حضرت امام بخاری نے: وضوء اور طہارت کی فضیلت پر سیدنا ابو ہریرہؓ کی ایک معروف روایت کو تخریج کیا

عن استقبال القبلہ بغائط اوبول ۔ قائم فرما کر سیدنا ابوایوب الانصاری کی روایت مقدسہ کو روایت فرمایا ہے۔ جو مسلک حنفیہ کی اساسی اور بنیادی دلیل ہے ۔ پھرامام ترمذی نے مسلک حنفیہ کی موید روایت کو حدیث ابی ایوب احسن شئی فی هذاالباب واصح۔ فرما کر حسب معمول اعتراف حقیقت فرمایا ہے ۔

دوسرا عنوان باب ماجاء من الرخصه فی ذلک ۔ مقرر فرمایا ہے ۔ اور اس کے ضمن میں دو روایات : عن جابر بن عبدالله قال نهی ....، عن ابن عمر قال رقیت .... کو تخریج فرمایا ہے ۔ پہلی روایت کو " غریب " فرماکر اور دوسری روایت کو مسئلہ الباب میں " غیر صریح " سمجھتے ہوئے آخر میں تحریر فرما کر حضرت امام نے جس انداز سے " مسلک حنفیہ " کی تائید فرمائی ہے ۔ وہ یقیناً ان کی شان امامت کی باعظمت دلیل ہے ۔

امام ابن ماجہ نے دو عنوانات : باب النهی عن استقبال القبله بالغائط والبول ، باب الرخصه فی ذلک فی الکنیف واباحته دون الصحاری ۔ کے ضمن میں آٹھ (۸) احادیث مقدسہ کو نقل فرمایا ہے ۔ جن میں سے سیدنا عبدالله بن الحرث بن جزء الزبیدی اور سیدنا ابوسعید الخدری کی روایات سے امام ابن ماجہ نے مسلک حنفیہ کو جو مزید مدلل کیا ہے ۔ وہ ان کی جلالت شان کی بہترین مثال ہے ۔

(۲) ترجمہ و مختصر تشریح :

(۱) سیدنا ابوایوب انصاری حضورانور سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا : تم میں سے جو فرد قضاء حاجت کے لیے " بیت الخلاء " میں آئے ۔ نہ ہی قبلہ کی جانب بحالت پاخانہ و پیشاب رخ کرے ۔ اور نہ ہی پشت ۔ بلکہ مشرق و مغرب کی طرف اپنا رخ لے ۔ (جب کہ قبلہ شمال یا جنوب کی سمت میں ہو۔)

حضور اکرم کے اس مقدس فرمان کے مخاطب چونکہ اہل مدینہ تھے ۔ اور مدینہ طیبہ ، بیت الله سے جنوب کی جانب واقع ہے ۔ اس لیے آپ نے مشرق و مغرب میں بیٹھنے کا حکم فرمایا ۔ برصغیرپاک و هند ، بنگلہ دیش ، افغانستان اور ایران کے باسی چونکہ بیت الله سے مشرق کی سمت ہوجاتے ہیں ۔ اس لیے ہمیں شمال و جنوب میں بیٹھنے کا حکم ہو گا ۔

سیدنا ابوایوب انصاری فرماتے ہیں : جب ہم (حضرات صحابہ) ملک شام میں فاتح بنکر داخل ہوئے ۔ تو ہم نے دیکھا : کہ " بیت الخلاء " قبلہ رخ بنے ہوئے ہیں ۔ لهذا ہم " قضاء حاجت " کے وقت اس سمت سے اپنا جسم پھیر لیتے ۔ اور ساتھ ہی الله رب العالمین سے بیت الله کا مکمل احترام نہ ہوسکنے کے سبب معافی مانگا کرتے تھے ۔

(۲) سیدنا عبدالله بن عمر بیان فرماتے ہیں : میں ایک دن سیدہ حفصہ کے حجرہ کی چھت پر چڑھا ۔ میں نے دیکھا کہ رسول الله قضاء حاجت کے لئے تشریف فرما ہیں ۔ ملک شام کی جانب آپ کا رخ انور ہے ۔ اور کعبہ کی جانب آپ کی پیٹھ مبارک ۔

(۳) مسالک ائمہ :

فقہاء امت اور محققین ملت سے قضاء حاجت کے وقت " استقبال و استدبار قبلہ " کی شرعی حیثیت کے بارے میں دس اقوال کتب حدیث میں موجود ہیں . جن میں سے چار معروف اقوال درج ذیل ہیں .

(ا) " استقبال اور استدبار " ہر حالت میں ناجائز ہے . خواہ انسان قضاء حاجت کے لیے میدان و صحراء میں بیٹھا ہوا ہو . یا چار دیواری و بند کمرہ میں .

یہ مسلک امام اعظم امام ابوحنیفہ ر امام احمد بن حنبل ر اھل ظواہرر جمہور محدثین اور جملہ فقہاء کا ہے .

آج ملت اسلامیہ بلا تفریق مسلک اسی " قول احق " پر عمل پیرا ہے .

(۲) " استقبال اور استدبار " بہرکیفیت جائز ہے .

یہ قول سیدہ عائشہ اور چند متقدمین فقہاء کی جانب منسوب ہے .

(۳) " استقبال اور استدبار " چار دیواری میں تو جائز ہے . کھلی فضاء میں ممنوع .

یہ مسلک امام مالک اور امام شافعی سے منقول ہے .

(۴) " استدبار " مطلقاً جائز ہے . اور " استقبال " مطلقاً ناجائز (خواہ بنیان میں ہو یا صحراء میں)

علامہ عینی نے امام ابوحنیفہ اور امام احمد سے ایک روایت اس قول کے موافق نقل کی ہے .

(۴) دلائل احناف :

حضرات احناف نو (۹) احادیث مرفوعہ اور تین آثار موقوفہ سے استدلال کرتے ہیں . جو " صحیحین " اور " سنن " میں موجود ہیں . حضرت امام ترمذی نے : **و فی الباب عن.** سے ان احادیث اور آثار کی جانب اشارہ فرمایا ہے . ان میں سے چار احادیث درج ذیل ہیں :

(ا) حدیث الباب : **عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ : اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلہ و لاتستدبروھا ولکن شرقوا او غربوا.** (رواہ البخاری و مسلم و ابوداود وغیرھم)

یہ وہ حدیث مبارک ہے جسے تمام سادات محدثین نے نہ صرف نقل کیا ہے . بلکہ اسے " صحیح اور اصح " فرما کر " مسئلہ الباب " کی اساس قرار دیا ہے . امام ترمذی نے مذکورہ روایت کو : **احسن شی فی ھذا الباب و اصح.** فرما کر تمام سادات محدثین کی ترجمانی فرماتے ہوئے " اعتراف حقیقت " فرمایا ہے . یہ حدیث " مسلک احناف " کی حقانیت اور " ارجح " ہونے پر نہ صرف " نص " ہے بلکہ متاخرین علماء ر محدثین اور فقہاء نے بلا تفریق مسلک اس حدیث مبارک کو " مرجع اور ماخذ " قرار دے کر " مسلک احناف " کو ہی فقط قابل عمل اور " معمول بہ " قرار دیا ہے .

(۲) فرمان شارع : **عن سلمان قال قیل لہ لقد علمکم نبیکم ...... قال : لقد نھانا رسول اللہ ان نستقبل القبلہ.** (رواہ مسلم و ترمذی و ابوداود وغیرھم)

(۳) حدیث الباب : **عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ : انما انا لکم بمنزلہ الوالد اعلمکم فاذا اتی احدکم**

الغائط فلا یستقبل القبلہ و لا یستدبرھا (صحیح مسلم و سنن ابوداود و ابن ماجہ)

(۴) اثر الباب : عن ابی ایوب الانصاری قال : فقدمنا الشام فوجدنا مراحیض قدبنیت مستقبل القبلہ فننحرف عنھا فنستغفر اللہ. (رواہ مسلم و ابوداود و الترمذی و غیرھم)

ان دلائل کے علاوہ حضرت معقل ر عبداللہ بن الحارث ر ابو امامہ اور سہل بن حنیف کی روایات سنن ابوداود ر سنن نسائی ر سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب احادیث میں مکمل متن اور سند کے ساتھ موجود ہیں . اور امام ترمذی نے : وفی الباب عن. کے تحت نقل کیا ہے . جن سے " استقبال اور استدبار قبلہ " کی " کراھت " صراحتاً معلوم ہوتی ہے .

کتب احادیث میں کچھ روایات ایسی بھی موجود ہیں جن میں قبلہ کی جانب لعاب دھن اور آب بینی ڈالنے سے منع کیا گیا ہے . حالانکہ یہ دونوں مواد بالاتفاق طاہر ہیں نجس نہیں . جبکہ " بول و براز " بالاجماع نجس ہیں . لہٰذا قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب " استقبال اور استدبار " یقیناً " مکروہ " ہو گا .

(۵) قول ثانی کے دلائل :

اس مسلک کے قائلین درج ذیل دو روایات سے استدلال کرتے ہیں :

(۱) حدیث الباب : عن جابر قال : نھی النبی ان نستقبل القبلہ ببول فرایتہ قبل ان یقبض بعام یستقبلھا. (رواہ الترمذی و ابوداوٗد)

وصال مبارک سے ایک سال قبل کا عمل یقیناً سابقہ اعمال کے لیے " ناسخ " ہے . لہٰذا وہ جملہ روایات منسوخ ہو نگی : جو " استقبال اور استدبار قبلہ " کی " کراھت " پر دلالت کرتی ہیں .

(۲) حدیث الباب : عن ابن عمر قال : رقیت یوما علی بیت حفصہ فرایت النبی علی حاجتہ مستقبل الشام مستدبر الکعبہ.(رواہ الترمذی و ابوداوٗد)

قول ثالث کے دلائل :

یہ حضرات " کراھت " کی روایات اور " احادیث جواز " میں تطبیق اس فقیہانہ بصیرت سے دیتے ہیں. کہ جواز کی روایات چار دیواری کے ساتھ مخصوص ہیں . اور احادیث " کراھت " کھلی فضاء اور میدانی علاقے پر محمول ہیں .

جس کی تائید درج ذیل " اثر موقوف " سے ہوتی ہے :

عن مروان الاصفر قال : اناخ ابن عمر راحلتہ نحو القبلہ ثم جلس یبول الیھا . فقال : فاذا کان بینک وبین القبلہ شی یسترک فلاباس بہ . (رواہ ابوداوٗد)

(۶) قول رابع کے دلائل :

اس قول کا ماخذ سیدنا عبد اللہ بن عمر کی حدیث کا یہ مذکورہ جملہ ہے: **مستقبل الشام مستدبر الکعبہ**

(۲) دلیل عقلی: " استقبال قبلہ " میں چونکہ " سوء ادب " ہے. اس لیے " استقبال: مکروہ " ہے. جب کہ " استدبار " خلاف ادب نہیں. کیونکہ بحالت استدبار گندگی کا رخ زمین کی جانب ہوتا ہے. نہ کہ قبلہ کی جانب. لہٰذا " استقبال: مکروہ " ہے اور " استدبار: جائز ".

(۸) جوابات:

دوسرے اور تیسرے قول کے دلائل کے ضمن میں سیدنا جابر ر سیدہ عائشہ ر سیدنا عبد اللہ بن عمر اور حضرت مروان الاصفر کی روایات مقدسہ کا حوالہ دیا گیا ہے. اور یہی چار روایات ان تمام مسالک کا " مجموعی ماخذ " ہیں. ہر ایک حدیث مبارک کے " جوابات اور توجیہات " کا خلاصہ درج ذیل ہے:

جوابات حدیث جابر: حضرات محدثین نے مذکورہ روایت کے " صحیح " ہونے کی نفی کی ہے. اور اسے ایک ضعیف روایت " قرار دیا ہے.

امام ترمذی فرماتے ہیں: **حدیث جابر فی ھذا الباب حدیث حسن غریب**. یہ حدیث " محمد بن اسحاق " اور ابان بن صالح " کے سبب نہ صرف " ضعیف " ہے بلکہ غیر معتبر ہے.

" محمد بن اسحاق " کے بارے میں:

(۱) امام نسائی. (۲) امام دار قطنی. (۳) حضرت امام مالک نے نہایت سخت موقف اختیار کیا ہے. اور اسے ایک " غیر معتبر ر ضعیف اور کذاب راوی " قرار دیا ہے. امام مالک کا فرمان ہے: **لان اقمت فیما بین الحجر و باب بیت اللہ لقلت: انہ دجال کذاب لست ابالی**. محمد بن اسحاق کے " دجال " اور " کذاب " ہونے کی وجہ اس کا بد عقیدہ ہونا ہے. کیونکہ وہ " رافضی " بھی تھا. اور " قدری " بھی.

(۲) اصول حدیث کا مسلم ضابطہ ہے: **ان الناسخ لابد ان یکون فی قوہ المنسوخ**. " ضعیف " اور غیر معتبر روایات کبھی بھی ان احادیث مقدسہ کے لیے ناسخ نہیں بن سکتیں. جو حضرات محدثین کے ہاں: بالاتفاق " صحیح " بھی ہیں. اور " مسئلہ الباب " میں " اصح " بھی

لہٰذا یہ حدیث ضعیف " احادیث صحیحہ " کے " معارض " ہونے کے سبب " متروک " ہوگی.

جوابات حدیث عائشہ: (۱) حضرات محدثین نے مذکورہ روایت کی نہ ہی " تحسین " کی ہے. اور نہ ہی اسے صحیح " قرار دیا ہے.

(۲) امام بخاری کے نزدیک: اس حدیث کی سند دو جگہ سے " منقطع " ہے.

(۳) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: کہ یہ روایت " منقطع " بھی ہے. اور " موقوف " بھی. **انہ مرسل لان عراکا لم یسمع عن عائشہ**.

(۴) علامہ ابن حزم نے حدیث مذکور کو " منسوخ " قرار دیا ہے۔

(۴) طالب علمانہ رائے: احقر کے نزدیک حضرات صحابہ نے محبت رسالت میں حضور انور کے فرمان: **لاتستقبلوا القبلہ و لاتستدبروھا.** کی " نہی " کو " حرمت " پر محمول فرمایا اور استقبال اور استدبار قبلہ کو حرام سمجھنے لگے۔ حضور انور نے " بیان جواز " اور اثبات کراہت " کے لیے **استقبلوا بمقعدتی الی القبلہ** کا حکم فرمایا۔

جوابات اثر مروان الاصفر: یہ اثر موقوف " حسن بن ذکوان " راوی کی بدولت نہایت " ضعیف " ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: **احادیثہ اباطیل.**

علامہ یحی بن معین فرماتے ہیں: **انہ منکر الحدیث.**

حضرت امام نسائی کا فرمان ہے: **انہ لیس بالقوی.**

جوابات حدیث ابن عمر: سیدنا عبداللہ بن عمر کی روایت: سند اور متن دونوں اعتبار سے " صحیح " ہے۔ حضرات محدثین نے اسے " صحیح " مانا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث " حسن " بھی ہے اور " صحیح " بھی۔ اب متن حدیث کا صحیح مفہوم اور معنی کیا ہے؟

اس کے تعین میں حضرات علماء اور سادات محدثین کے فرامین کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

(ا) رویت اجمالی فقط: حضرت عبداللہ بن عمر کی " رویت " میں دو احتمال ہیں: (ا) رویت اجمالی۔ (۲) رویت تفصیلی۔

رویت تفصیلی درج ذیل وجوہ سے محال ہے۔

(ا) سیدنا ابن عمر خود فرماتے ہیں: کہ حضور انور کا جسم اطہر دو باپردہ دیواروں کے مابین تھا۔ گویا سیدنا ابن عمر نے آپ کے چہرہ انور کی زیارت کی اور اس کے بعد آپ نیچے تشریف لے آئے۔ بھرحال یہ ایک اجمالی زیارت تھی جسے سیدنا ابن عمر بیان فرمارہے ہیں۔

(ب) حضور اکرم کا اپنا یہ معمول مبارک تھا۔ کہ آپ نہایت باپردہ ہوکر قضاء حاجت فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے حدیث مذکور سے کسی صحیح سمت کا تعین درست نہ ہو گا۔ بہرحال سیدنا ابن عمر کی رویت تفصیلی نہ تھی۔

(ج) قضاء حاجت کی کیفیت اور احترام نبوت کے سبب یہ امر یقیناً ناممکن ہے۔ کہ سیدنا ابن عمر کی یہ زیارت تفصیلی ہو۔

(۲) ممانعت عین کعبہ: بعض حضرات فقہاء نے یہ جواب دیا: کہ نماز کے " استقبال " اور قضاء حاجت کے استقبال قبلہ " میں شرعاً فرق ہے۔ کہ نماز کے لیے " استقبال الی جھت القبلہ " کافی ہے۔ عین قبلہ کا استقبال ضروری نہیں۔ جب کہ قضاء حاجت کی صورت میں استقبال اور استدبار عین قبلہ کی جانب ممنوع ہے۔ نہ کہ جھت قبلہ کی جانب۔ حدیث مذکور سے " استدبار الی جھت القبلہ " ثابت ہو رہا ہے۔ لہٰذا حدیث مذکور ہمارے مسلک کے " معارض " نہیں۔

احقر کے ہاں یہ توجیہ : درست نہیں . کیونکہ سیدنا ابوایوب انصاری کی حدیث الباب کے کلمات لاتستقبلوا القبلہ و لاتستدبروھا و لکن شرقوا اوغربوا. اس حقیقت پر صراحتا دال ہیں. کہ قضاء حاجت کے لیے بھی جہت قبلہ کا اعتبار ہے. عین قبلہ کا نہیں. نیز کتب حدیث میں ہمیں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس کے ذریعے ہم نماز کے "استقبال" اور قضاء حاجت کے "استقبال" میں فرق کرسکیں.

محدثانہ توجیہ اور میں: احقر کی تحقیق میں حضور اکرم کے لیے نماز اور قضاء حاجت دونوں میں "عین قبلہ" کا اعتبار ہے. جب کہ امت محمدیہ کے لیے "جہت قبلہ" کا. یعنی فرق حضور اکرم اور امتی کے اعتبار سے ہے. نہ کہ نماز اور قضاء حاجت کے اعتبار سے.

(۴) حقیقت محمدیہ کعبہ سے بہتر ہے: احقر کے ہاں حضرات ارباب تصوف اور اصحاب فقہ و حدیث کے نزدیک حضور انور کا وجود مسعود بیت اللہ اور کعبہ مقدسہ کے در و دیوار سے بہت ہی اعلی اور ارفع ہے. اس لیے حضور دو عالم کا قبلہ کی جانب رخ یا پیٹھ کرنا خود بیت اللہ کے لیے باعث شرف اور سبب فضیلت ہے. جب کہ اہل اسلام کو استقبال اور استدبار قبلہ سے جو روکا گیا ہے. اس کی حکمت گستاخی اور بے ادبی سے بچنا ہے. لہٰذا حضرت ایوب انصاری کی روایت میں عدم استقبال اور استدبار کا حکم سیدنا ابن عمر کی واقعاتی حدیث سے معارض نہیں. کیونکہ سیدنا ابوایوب انصاری کی روایت: تعلیم امت کے لیے ہے. اور سیدنا ابن عمر کی واقعاتی روایت آپ کی خصوصیت" پر دال ہے.

(۵) علامہ بحرالعلوم لکھنوی فرماتے ہیں: کہ آپ کے ہاں میدان اور چار دیواری میں فرق کرنے کی وجہ کیا ہے؟ کہ "استقبال" اور "استدبار" صحرا میں تو ناجائز ہو اور بنیان میں جائز ہو.

اگر یہ جواب دیا جائے کہ "بنیان" میں در و دیوار حائل ہوتے ہیں: جس کے سبب بیت اللہ الحرام کی تعظیم میں کمی نہیں آتی. جب کہ صحرا میں کوئی ایسی بناء حائل نہیں اس لیے سوئے ادب لازم آئے گا.

تو اس ممکنہ جواب پر علامہ لکھنوی فرماتے ہیں: کہ اگر کسی حائل اور حد بندی سے بے ادبی لازم نہیں آتی. تو کوئی ایسی صورت بتلاؤ! کہ جس میں اس انسان اور بیت اللہ کے مابین کوئی در و دیوار حائل نہ ہو. اگر یہ بھی مان لیا جائے. کہ درمیان میں کوئی عمارت حائل نہیں. تو "افق" بہرحال اس انسان اور بیت اللہ کے درمیان حائل رہے گا. کیونکہ تجرباتی مشاہدہ سے یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے. کہ زمین گول ہے.

(۶) حضور انور نے قضاء حاجت کے دوران جب آہٹ کی آواز سنی. تو آپ نے اپنا چہرہ انور عبداللہ بن عمر کی طرف پھیر دیا جو شمال کی جانب سے چھت پر چڑھ رہے تھے. جس سے انہیں یہ شبہ گزرا کہ حضور اکرم کعبہ کی جانب پیٹھ کئے ہوئے ہیں. جب کہ آپ مشرق و مغرب کی سمت میں بیٹھے ہوئے تھے.

(۷) فقہ و نظر: احقر کے نزدیک امام بخاری کے ہاں بھی حدیث سیدنا ابن عمر سے وہ دعوی ثابت نہیں ہوتا جسے فریق ثانی ثابت کرنا چاہتا ہے. کیونکہ امام بخاری نے حدیث موصوف کو "کتاب الوضوء" میں دو مواقع پر نقل

فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ: من تبوز علی لبنتین. اور دوسری مرتبہ: التبوز فی البیوت. کا عنوان قائم فرمایا ہے۔ بناء ر جدار اور حائط (چار دیواری) میں "استقبال و استدبار" کے "جواز" کو ثابت نہیں فرمایا۔ لھذا حدیث سیدنا ابن عمر سے فریق ثانی و ثالث کا دعوی ثابت نہ ہوسکا۔

(۹) وجوہ ترجیح: امام اعظم امام ابوحنیفہ اور آپ کے مقلدین کا مسلک کئی وجوہ سے راجح ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) **اصح ما فی الباب:** مسلک حنفیہ بحمد اللہ نو (۹) احادیث صحیحہ ر مرفوعہ ر جید الاسناد اور ایک اثر موقوف سے موید ہے۔ جن میں سے سیدنا ابوایوب انصاری کی روایت مقدسہ **باتفاق المحدثین: اصح ما فی الباب.** ہے یقیناً کوئی روایت اور کوئی اثر سند و متن میں صحت اور حسن کے اعتبار سے اس کے مساوی نہیں۔

(۲) **احادیث قولیہ:** اصول حدیث کے ماہرین کا مسلمہ اصول ہے کہ: "تعارض احادیث" کے وقت ان روایات کو "ترجیح" ہوگی۔ جن میں نبی رحمت کے فرامین اور اوامر کا ذکر خیر ہو۔

(۳) **ضابطہ و قانون کی روایات:** حضرات محدثین کے نزدیک وہ روایت بقیہ ان تمام روایات سے "راجح" ہو گی جس میں شاہ دو عالم نے امت مسلمہ کے لیے کوئی ضابطہ اور قانون بیان فرمایا ہو۔ سیدنا ابوایوب انصاری کی روایت مبارکہ میں حضور انور نے یہ ضابطہ بیان فرمایا: کہ امت مسلمہ کا کوئی بھی فرد قضاء حاجت کے وقت نہ ہی "استقبال قبلہ" کرے اور نہ ہی "استدبار"۔

(۴) **فرمان بمع دلیل:** جس حدیث مقدس میں حکم کے ساتھ دلیل اور سبب کو بھی بیان کر دیا جائے۔ وہ حضرات اصولیین کے نزدیک اپنے معارض دیگر روایات سے "راجح ہوتی ہے۔ سیدنا ابوایوب انصاری کی حدیث الباب **حکم مع السبب** پر مشتمل ہے۔ کہ **لا تستقبلوا القبلہ.** حکم ہے اور **اذا اتیتم الغائط.** سبب۔ لھذا حدیث ابوایوب انصاری "راجح" ہوگی۔

(۵) **حدیث محرم:** "حلت و حرمت" میں تعارض کے وقت حضرات علماء کے نزدیک ان روایات کو "ترجیح" ہو گی۔ جو "حرمت" پر دلالت کریں۔ اصول حدیث کا ضابطہ ہے: **الترجیح للمحرم.**

(۶) **اوفق بالقران:** بیت اللہ ر اللہ کے شعائر میں سے ہے۔ اور شعائر اللہ کی تعظیم امت مسلمہ پر لازم ہے۔ ارشاد باری ہے: **و من یعظم شعائر اللہ.** لھذا قضاء حاجت کے وقت ہر کیفیت میں "استقبال اور استدبار" نہ کرنا، "شعائر اللہ" کی تعظیم کا منشاء ہے۔ اس لیے سیدنا ابوایوب انصاری کی روایت تمام روایات سے "راجح" ہوگی۔ نیز سیدنا ابوایوب انصاری کی روایت آیات قرآنیہ سے موافقت کے سبب بھی "راجح" ہوگی۔

(۷) **اجماع صحابہ:** حضرات صحابہ جب ملک شام میں تشریف لائے تو تمام مجاہدین و فاتحین صحابہ قضاء حاجت کے وقت "استقبال و استدبار قبلہ" سے پہلو پھیر کر بیٹھتے تھے۔ یہ حضرات صحابہ کا اجماعی عمل ہے۔ جو سیدنا

عبداللہ بن عمر کی اجمالی رؤیت سے یقیناً " راجح " ہے۔

(۸) صحابہ و تابعین کی حمایت و تائید: مسلک حنفیہ کی تائید اکابر صحابہ اور مشاہیر محدثین کے اقوال سے ہوتی ہے۔ جن میں سے چند زیب قرطاس ہیں۔

(ا) حضرت ابوایوب انصاری کا فرمان: **فننحرف عنها و نستغفر الله**. تائید احناف میں بین دلیل ہے۔

(ب) خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: **ما استقبلت و ما استدبرت منه عمری**.

(ج) علامہ ابن حزم ظاہری اور علامہ ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں: **ان الاقرب مذهب ابی حنيفه**.

(د) حنبلی مسلک کے بہت بڑے عالم علامہ ابن قیم اپنی کتاب " السنن " میں تحریر فرماتے ہیں۔ **الترجيح لمذهب ابی حنيفه**.

تنظیم المدارس

الثانی: عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها ولکن شرقوا او غربوا ۴۰

(الف) ضع الحرکات والسکنات علی کلمات الحدیث وسنده؟

(ب) ترجم الحدیث باللغة الاردویة

(ج) فصل المذاهب فی مسئلة الاستقبال والاستدبار فی حالة الغائط والبول وزینوها بالدلائل؟

ثالث: عن عبد اللہ بن مغفل ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم امر بقتل الکلاب ورخص فی کلب الصید والغنم وقال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوه سبع مرات وعفروه الثامنة بالتراب۔

(الف) ترجموا الحدیث بالاردویة۔

(ب) بینوا ان قتل الکلاب الغیر الصیدیه والغنمیة واجب ام لا؟ علی الثانی فما معنی الامر؟

(ج) انتم تعرفون ان التغسیل عندنا لسبع مرات لیست بشرط فما الجواب عن هذا الحدیث؟

۴۔ باب الاستنجاء بالحجارۃ

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

امام بخاری نے: **باب الاستنجاء بالحجارہ، باب لا یستنجی بروث**۔ کے تحت سیدنا ابو ہریرہؓ اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث کو نقل فرمایا ہے۔ اور ان دونوں روایات سے نہایت واضح سیاق و سباق اور تراجم ابواب سے مسلک جمہور یعنی مسلک حنفیہ کی بھرپور تائید فرمائی ہے۔ جس کی وضاحت: "دلائل احناف" کے ضمن میں آرہی ہے۔

امام نسائی نے حسب معمول مسئلہ الباب پر کئی عنوانات: **النھی عن الاستطابہ بالعظم، النھی عن الاستطابہ بالروث، النھی عن الاکتفاء فی الاستطابہ باقل من ثلثہ احجار، الرخصہ فی الاستطابہ بحجرین، باب الرخصہ فی الاستطابہ بحجر واحد، الاجتزاء فی الاستطابہ بالحجارہ دون غیرھا**۔ قائم فرمائے ہیں۔ ان ابواب کی ترتیب اور ان "تراجم ابواب" کی تشکیل سے صراحتا اس حقیقت کی تائید ہو رہی ہے۔ کہ امام نسائی مسئلہ الباب میں حضرات حنفیہ کے ہم مسلک ہیں۔

امام ابوداؤد نے: **باب الاستنجاء بالاحجار**۔ کے ضمن میں دو روایات: سیدہ عائشہ اور حضرت خزیمہ کی تخریج فرمائی ہے۔ ان میں سے پہلی روایت مسلک حنفیہ کے احق ہونے میں نص ہے۔ جس کی اجمالی وضاحت آگے تحریر ہے۔

امام ترمذی نے: **باب الاستنجاء بالحجارہ، باب فی الاستنجاء بالحجرین، باب کراھیہ ما یستنجی بہ**۔ کے عنوانات کے تحت نہایت عمدہ محدثانہ اور فقیہانہ گفتگو فرمائی ہے۔ جس کی تفصیلی وضاحت "مفتاح النجاح" جلد اول میں موجود ہے۔ امام ترمذی نے: **باب فی الاستنجاء بالحجرین**۔ کے عنوان سے جس طرح مسلک حنفیہ کی تائید کی ہے۔ وہ بالکل واضح ہے اور حضرت امام کے عظمت فقاہت کی عمدہ دلیل ہے۔

امام مسلم نے: **باب الایتار فی الاستنثار و الاستجمار**۔ کے ضمن میں سیدنا ابو ہریرہؓ کی روایت کو کئی عمدہ اسناد سے نقل فرمایا ہے۔ حضرت امام کے انداز تبویب سے مسلک جمہور کی تائید بالکل واضح ہے۔

(۲) اقوال ائمہ:

(۱) امام اعظم امام ابو حنیفہ، حضرات احناف، امام مالک اور امام بخاری کے ہاں: "انقاء" (صفائی) واجب ہے۔ خواہ یہ صفائی پتھر کو تین مرتبہ استعمال کرنے سے حاصل ہو۔ یا تین سے کم و بیش۔

البتہ "تثلیث فی العدد" اور "ایتار" دونوں: "مستحب" ہیں.

اگر ایک یا دو پتھر کے استعمال سے کامل صفائی ہوجائے. تو تیسرے پتھر کو استعمال کرنا ضروری نہیں.

(۲) امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک: "استنجاء" میں "انقاء" اور "تثلیث" دونوں "واجب" ہیں. اور "تثلیث" کے بعد پانچ ر سات یا نو کا عدد "مستحب" ہے.

(۳) دلائل احناف:

علماء احناف مندرجہ ذیل تین (۳) احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہیں.

(۱) **عن ابی هریرہ عن النبی قال: من استجمر فلیوتر. من فعل فقد احسن. و من لا فلا حرج.** (رواہ ابوداوٗد و ابن ماجہ و غیرهما)

امام ابوداوٗد یہ روایت: **الاستتار فی الخلاء.** کے عنوان کے ضمن میں لائے ہیں.

(۲) **عن عائشه ان رسول الله قال: اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلاثة احجار ... فانها تجزی عنه.** (رواہ ابوداوٗد و ابن ماجہ وغیرهما)

اس "حدیث صحیح" میں: **فانها تجزی عنه.** کی عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے: کہ مقصود صرف اور صرف "ازالۂ نجاست" ہے. نہ کہ "تثلیث و ایتار". چونکہ عموما تین پتھروں سے "ازالہ نجاست" ہوجاتا ہے. اس لیے "احادیث صحیحہ" میں لفظ "ثلاثہ" کا تذکرہ ہے.

(۳) **حدیث الباب: عن عبدالله بن مسعود يقول: اتى النبی الغائط فاخذ الحجرين و القى الروثة** (رواہ البخاری و مسلم و غیرهما)

یہ حدیث مبارک "مسلک حنفیہ" کی نہایت عمدہ موید دلیل ہے. کہ حضور انور نے مینگنی کو مسترد فرما کر یہ تعلیم دی: کہ "انقاء" ضروری ہے. "تثلیث و ایتار: واجب" نہیں.

امام ترمذی نے "حدیث الباب" پر: **الاستنجاء بالحجرين.** کا عنوان قائم فرماکر نیز "حدیث الباب" کی متعدد اسانید پر "جرح و تعدیل" کے بعد بعض اسانید کو "اصح شی" قرار دے کر "مسلک حنفیہ" کی بھرپور حمایت و تائید ر نمائندگی و سرپرستی فرمائی ہے.

امام نسائی نے بھی "حدیث الباب" پر: **الاستطابه بحجرين.** کا "ترجمہ الباب" قائم فرماکر "مسلک جمہور" کو "احق" تسلیم کیا ہے.

ان "احادیث صحیحہ" کے علاوہ: امام مسلم ر امام نسائی ر امام ابوداوٗد ر امام طحاوی اور دیگر سادات محدثین نے متعدد احادیث کو مختلف اسناد سے روایت فرمایا ہے. جن سے "مسلک احناف: مؤید بالااحادیث" ہوکر نہایت واضح اور مضبوط تر ہوجاتا ہے.

(۴) دلائل ائمہ:

قائلین مذہب ثانی نے حضرت سلمان فارسیؓ کی "حدیث الباب" کے اس جملے: **او ان یستنجی احدنا باقل من ثلاثہ احجار.** کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے. نیز یہ حضرات ہراس دلیل سے استدلال کرتے ہیں. جس میں: **ثلاثہ احجار.** کے کلمات موجود ہیں.

(۵) جوابات:

(۱) استحبابی حکم: دونوں طرح کی احادیث کے پیش نظر حضرات فقہاء احناف نے: "ثلاثہ احجار" کے حکم کو "استحباب" پر محمول کیا ہے. تاکہ وہ روایات بھی جن میں تین سے کم پتھروں کا استعمال ثابت ہے. وہ بغیر کسی" توجیہ" اور "تاویل" کے "معمول بھا" ہوجائیں.

(۲) صفائی تین پتھروں سے عموماً: عام طور پر صفائی چونکہ تین پتھروں سے ہی حاصل ہوتی ہے. اس لئے حضور انور نے اسی عدد کو بیان فرمایا جبکہ مقصود صرف اور صرف کامل صفائی ہے نہ کہ "تثلیث"

(۳) فقہ و نظر: احقر کے نزدیک: امام بخاری نے: "مسئلہ الباب" پر: **الاستنجاء بالحجارہ.** کا عنوان قائم فرماکر "مسلک احق" کی بھرپور تائید کی ہے. یعنی "استنجاء" اور صفائی کے لیے "احجار" کو استعمال کرنا ہی "مسنون" اور "مقصود" ہے. اس سے قطع نظر کہ ان کی تعداد کتنی ہے؟

یہی مسلک احق ہے اور یہی حضرات حنفیہ کا مذھب ہے.

(۴) طالب علمانہ رائے: احقر کے ہاں: امام نسائی نے بھی: **الاستطابہ بحجرین. ر الاستطابہ بحجر واحد.** کے "تراجم" قائم فرماکر "مسلک حنفیہ" کو نہ صرف احادیث صحیحہ کے ذریعہ سے موید کیا ہے. بلکہ اپنی فقیہانہ بصیرت سے: "مسلک احق" کو مزید تقویت بخشی ہے۔

(۶) نظر طحاوی:

بالاجماع مقام "غائط" اور "بول" کے دھونے کے لئے کوئی عدد متعین نہیں. جیسے ہی "اثر نجاست" اور "ریح نجاست" زائل ہوجائے. دھونا بند کر دیا جائے. خواہ "اثر" اور "ریح" ایک مرتبہ سے زائل ہو یا دو ر تین ر چار مرتبہ سے. جب تک یہ دونوں چیزیں زائل نہ ہو جائیں. بالاجماع دھوتے رہنا ضروری ہے. ایسے ہی: "طھارہ بالاحجار" کی صورت میں بھی "تثلیث" کی قید نہ ہوگی. بلکہ جیسے ہی "اثر نجاست" اور "ریح نجاست" مندمل ہو "احجار" کا استعمال بند کردیا جائے. خواہ دو مرتبہ سے ہو ر یا تین دفعہ اور چار دفعہ سے.

۵۔ باب غسل الرجلین ولا یمسح

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث :--

امام بخاری نے : " مسئلہ الباب " پر تین (۳) ابواب : **باب غسل الرجلین و لا یمسح علی القدمین** ، **باب غسل الاعقاب** ، **باب غسل الرجلین فی النعلین**. قائم فرمائے ہیں . اور نہایت زوردار دلائل اور صحیح ترین احادیث مقدسہ سے ثابت فرمایا ہے . کہ : امام الانبیاء اور حضرات صحابہؓ کا دائمی عمل " غسل رجلین " کا ہی رہا ہے

امام مسلم نے : " احادیث الباب " کو **باب وجوب غسل الرجلین بکمالھا**. کے تحت متعدد اسناد سے مدلل فرمایا ہے -

امام نسائی نے : **باب ایجاب غسل الرجلین** ، **باب بای الرجلین یبدا بالغسل** ، **غسل الرجلین بالیدین** ، **الامر بتخلیل الاصابع** ، **عدد غسل الرجلین** ، **باب حد الغسل**. کے ضمن میں : سیدنا ابوھریرہؓ ، سیدنا عبداللہ بن عمروؓ ، سیدہ عائشہؓ ، سیدنا عاصم بن لقیطؓ ، سیدنا علیؓ ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی روایات مقدسہ کو نقل فرماکر " مسئلہ الباب " پر عظیم محدثانہ گفتگو فرمائی ہے . اور نہایت عمدہ انداز میں سادات اہل سنت کے نظرو فکر کی ترجمانی فرمائی ہے -

امام ابوداؤد نے : **باب فی اسباغ الوضوء**. کے تحت سیدنا عبداللہ بن عمروؓ کی روایت کو نقل فرمایا ہے -

امام ترمذی نے بھی : **باب فی اسباغ الوضوء**. کے تحت " مسئلہ الباب " پر محدثانہ اور فقیہانہ گفتگو فرمائی ہے اور تمام حضرات صحابہؓ کے اسمائے گرامی **وفی الباب عن**. کے بعد ذکر فرمائے ہیں -

امام طحاوی نے : **باب فرض الرجلین فی وضوء الصلاہ**. کے ضمن میں بہت ہی عمدہ فقیہانہ اور محدثانہ گفتگو فرماکر " مسلک اہل سنت " کو قرآن مجید اور سنت مطہرہ کے موافق قرار دیا ہے -

(۲) بیان مذاھب :--

(۱) حضرات ائمہ اربعہؒ اور جملہ علماء اہل سنت و الجماعت کے نزدیک :
متوضی نے جب موزے پہنے ہوئے نہ ہوں تو پاؤں کا دھونا : " فرض " ہے . اگر ایک بال برابر بھی پاؤں خشک رہا تو وضو نامکمل رہے گا -

(۲) اھل تشیع کے نزدیک : تین (۳) انگلیوں کے ساتھ مسح کرلینا کافی ہے . اگر موزے پہن نکلے تو پھر پاؤں

کو دھونا ضروری ہے۔

(۳) دلائل اہل سنت :---

(۱) ارشاد باری : فاغسلوا وجوھکم .... و ارجلکم الی الکعبین. (القرآن)
قرائت متواترہ میں : " ارجلکم " لام کی زبر کے ساتھ ہے ۔ یعنی پاؤں کو بازووں کی طرح : دھونا ضروری ہے.
اور " غسل رجلین " وضو کے چار (۴) ارکان میں سے ایک (۱) رکن ہے ۔

(۲) اجماع صحابہ : تیئیس (۲۳) حضرات صحابہؓ (جن میں سیدنا علیؓ بھی ہیں) نے حضور انور کے وضو کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے. ان تمامی احادیث و روایات میں آپ کا قدمین شریفین کو دھونا ثابت ہے ۔

(۳) حدیث الباب : فقال ابوھریرہ : اسبغوا الوضوء فان اباالقاسم قال : ویل للاعقاب من النار.
(رواہ البخاری و مسلم و غیرھما)
یہ روایت مبارکہ : صحیحین ، سنن اور تمامی کتب حدیث میں صحیح سند اور صریح کلمات کے ساتھ موجود ہے.
اور اس حدیث مبارک سے یقیناً پاؤں کے دھونے کی فرضیت معلوم ہوتی ہے. کیونکہ مسح : ایڑیوں پر نہیں ہوتا بلکہ مسح صرف پاؤں کے بالائی حصہ پر ہوتا ہے.
یہ حدیث مبارک دس (۱۰) اکابر صحابہؓ سے منقول ہے ۔

(۴) حدیث الباب : ان علیاً توضا و غسل رجلیہ ثلاثا. و قال : ھکذا کان وضوء رسول اللہ. (رواہ النسائی و ابوداؤد وغیرھما)
یہ روایت مقدسہ قرآنی آیت کی تفسیر ہے. اور کئی جہتوں سے " مسلک اھل سنت " کی تائید کررہی ہے ۔

(۵) حدیث الباب : عن لقیط قال : قال رسول اللہ : اذا توضات فاسبغ الوضوء و خلل بین الاصابع.
(رواہ النسائی وغیرہ)
حضرات محدثین اس روایت کو : " تخلیل الاصابع " کے " ترجمہ الباب " کے ضمن میں لائے ہیں. انگلیوں کا خلال یقیناً بصورہ " غسل " ہی ممکن ہے ۔

(۶) عن زیدؓ بن علیؓ عن ابیہ عن جدہ علیؓ قال : قال رسول اللہ : یا علی ! خلل بین الاصابع. (رواہ الشیعہ فی کتبہ)
معلوم ہوا کہ : پاؤں کا وظیفہ : " غسل " ہی ہے ۔ اور یہی سیدنا علیؓ کا معمول ہے. شیعان علیؓ کے لئے یہ روایت سبب ہدایت بن سکتی ہے. اگر نظر و فکر : ختم اللہ. والی شان سے مذموم نہ ہوچکے ہوں ۔
دلائل مذکورہ بالا کے علاوہ : بیسیوں احادیث صحیحہ ، متعدد آثار صحابہؓ ، امت مسلمہ کے اجماع ، انسانی عمل کے تواتر اور دلائل قیاسیہ سے : " مسلک اہل سنت " کی تائید ہوتی ہے ۔

(۴) دلیل اھل تشیع :---

ارشاد باری : وامسحوا برووسکم وارجلکم . (القرآن) .
"ارجلکم" کا عطف : "روٗسکم" پر ہے . یعنی سر کی طرح پاؤں پر بھی مسح : "فرض" ہے ۔

(۵) دلیل بالا کے جوابات :---

(۱) جرجوار : حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ : "ارجلکم" خواہ : "بالنصب" ہو یا "بالجر" . اس کا عطف : "ایدیکم" پر ہی ہے . یعنی : "وجوہ" اور "ایدی" کی طرح : "ارجل" کا وظیفہ : "غسل" ہی ہے . باقی "ارجلکم" کی کسرہ : "روٗسکم" کی ھمسائیگی کے سبب ہے . یعنی : "ارجلکم" کا "روٗسکم" پر عطف : "لفظی" ہے . معنوی نہیں . اور اس (جر جوار) کی امثلہ قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں ۔

(۲) منسوخ : حضرت امام طحاوی فرماتے ہیں کہ : "مسح رجلین" کا حکم : آیت قرآنی سے کسی درجہ مان بھی لیا جائے . پھر بھی حضرت صاحب قرآن کے عمل مشروع کے سبب : حکم قرآنی : "منسوخ" ہے ۔

(۳) حالت خف پر محمول : علامہ ابن العربی کی تحقیق یہ ہے : کہ یہ دو (۲) متواتر قرائتیں : دو (۲) مختلف حالتوں پر : "محمول" ہیں ۔

یعنی : "ارجلکم" کی : "قرائت جر : مسح" کے معنی میں : حالت خف پر .

اور "قراءت نصب : غسل قدمین" کے مفہوم میں : عمومی حالت پر "محمول" ہے ۔

(۴) فقہ و نظر : احقر کی طالب علمانہ توجیہ یہ ہے کہ :

"ارجلکم" کی : "قرائت نصب" یعنی غسل رجلین کا حکم : بے وضوء شخص کے لئے ہے . اور "قراءت جر" یعنی مسح ارجل کا حکم : باوضو انسان کے لئے ہے :

اس توجیہ کی تائید : "سنن نسائی ر سنن ابوداوٗد" کی ایک روایت مبارکہ سے ہوتی ہے . جس کے الفاظ یوں ہیں :

مسح رجلیه . و قال : هذا الوضوء لمن لم یحدث . (سنن نسائی)

(۵) علامہ زجاج نحوی فرماتے ہیں کہ : "الی الکعبین" کی غایت اس حقیقت کی طرف مشیر ہے : کہ "رجل" کا وظیفہ : "غسل" ہے . اگر پاؤں پر "مسح" کرنا ہوتا . تو اس میں : "الی الکعبین" کی تحدید نہ ہوتی . جیسا کہ : "روٗسکم" میں : "تحدید" نہیں .

نیز اہل تشیع ٹخنوں تک مسح نہیں کرتے . بلکہ صرف تین (۳) انگلیوں کو پشت قدم پر کھینچ دیتے ہیں ۔

(۶) وجوہ ترجیح :---

(۱) بصورہ تعارض یقیناً بوجہ احتیاط: "غسل: راجح" ہے۔

(۲) حصول نظافت کے لئے: "غسل" زیادہ مناسب ہے۔

(۳) احادیث صحیحہ سے: "غسل" کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا راجح ہوگا۔

(۴) "غسل رجلین" کو: "تواتر عمل" سے بھی "ترجیح" ہے۔

(۵) ذخیرہ احادیث میں سے: ایک (۱) حدیث بھی: "مسح علی الرجلین" کو ثابت نہیں کرتی۔ لہٰذا احادیث صحیحہ کو ترجیح ہوگی۔

(۷) ایک علمی تجزیہ:--

اگر "ارجل" کا وظیفہ: "غسل" ہے تو پھر "ارجلکم" کو اعضاء مغسولہ کے بعد ذکر کرنے کی بجائے "رووس" کے بعد کیوں لایا گیا؟

اور اس وقفہ میں کیا حکمتیں ہیں؟

(۱) بوجہ ترتیب: وضوء کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۲) حالت تخفف: اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ: بعض صورتوں میں: "رجل" کا وظیفہ: "مسح" ہے۔ جیسا کہ: "خفین" اور باوضو ہونے کی صورت میں۔

(۳) بوجہ اشتراک: چونکہ بصورہ تیمم: سر کا مسح اور پاؤں کا غسل۔ دونوں: ساقط ہوجاتے ہیں۔ اسی لئے: "راس" اور "ارجل" کو جمع کردیا گیا۔

(۴) علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ: عموماً "ارجل" پر میل کچیل زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اسراف ماء سے روکنے کے لئے: "غسل خفیف" کا حکم بالفاظ "مسح" دیا گیا۔ تاکہ پانی کے استعمال میں احتیاط رہے۔ ٭٭

۶۔ باب اذا شرب الکلب

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

امام بخاری نے "مسئلہ الباب" پر دو "ترجمہ الباب":

باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان ...... و سور الکلاب و ممرھا فی المسجد و قال الزھری اذا ولغ ..... ، **باب اذا شرب الکلب فی الانائ.** قائم فرمائے ہیں۔ ان میں سے پہلے "ترجمہ الباب" میں: امام زہری اور امام سفیان ثوری کے آثار نیز اس کے ضمن میں سیدنا ابن سیرینؒ اور سیدنا انس بن مالکؓ کی روایات امام بخاری کے کمال عشق، معراج محبت اور عظمت عقیدت پر "نص" ہیں۔ کہ حضرت امام نے نہایت پر کیف انداز میں عمدہ شان بصیرت کے تحت "سگان مدینہ" کی عظمت اور حضور انور کے جسم اطہر سے تراشے ہوئے بال کے فضائل و برکات کو بیان فرمایا ہے۔

یہی امام بخاری کی عظمت ہے۔ اور اسی سبب سے امت مسلمہ انھیں:

امیر المومنین فی الحدیث، ناصر الاحادیث النبویہ، ناشر المواریث المحمدیہ. کے القاب سے یاد کرتی ہے۔

دوسرے "ترجمہ الباب" کے ضمن میں حضرت امام نے سیدنا ابو ہریرہؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ اور سیدنا عدی بن حاتمؓ کی روایات سے نہایت عجیب انداز سے کتے کے "لعاب دھن" کو پاک اور اسکے پس خوردہ کو قابل استعمال قرار دیا ہے۔

امام مسلم نے: **باب حکم ولوغ الکلب.** کے تحت سیدنا ابو ہریرہؓ اور سیدنا عبد اللہ بن المغفلؓ کی روایات کو متعدد اسناد سے تخریج فرمایا ہے۔

امام نسائی نے دو مقامات پر: **سور الکلب، الامر باراقہ ما فی الانائ اذا ولغ فیہ الکلب، باب تعفیر الانائ الذی ولغ فیہ الکلب بالتراب، باب سور الکلب، باب تعفیر الانائ بالتراب من ولوغ الکلب فیہ.** (کے) متعدد عناوین کے تحت سیدنا ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن المغفلؓ کی روایات کو متعدد اسناد اور طرق سے تحریر فرمایا ہے۔

امام ابوداؤد: **باب الوضوء بسور الکلب.** کے ضمن میں (وہی) سیدنا ابو ہریرہؓ اور سیدنا عبد اللہ بن مغفلؓ کی روایات کو لائے ہیں۔ البتہ تین مقامات میں: **قال ابوداود.** کے تحت محدثانہ گفتگو فرمائی ہے۔ جن کا حاصل آگے تحریر ہے۔

امام ترمذی نے: **باب ما جاء فی سور الکلب.** کے تحت سیدنا ابو ہریرہؓ کی حدیث کو درج فرمایا ہے۔ اور اسے **: ھذا حدیث حسن صحیح.** کے توصیفی کلمات سے نوازا ہے۔

امام ابن ماجہ نے بھی: باب غسل الاناء من ولوغ الکلب کے ضمن میں سیدنا ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن المغفلؓ کی روایات کو نقل فرمایا ہے. نیز سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کو ان احادیث کی تائید میں لائے ہیں.
حضرت امام مالک نے: جامع الوضوء. کے عنوان کے ضمن میں کئی احادیث کو بیان فرمایا ہے. ان میں سے ایک روایت سیدنا ابو ہریرہؓ: کی بھی نقل فرمائی جو "مسئلہ الباب" سے مناسبت رکھتی ہے.

(۲) آثار و احادیث بخاری کا ماحصل:

(۱) اس باب میں کتوں کے استعمال شدہ پانی اور مسجد میں آنے جانے والے کتوں کا بیان ہے.
(۲) امام زھری نے فرمایا: کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈالے (چپڑ چپڑ کرے) اس پانی کے سوا اور پانی موجود نہ ہو تو اسی پانی سے "وضوء" کرلیا جائے.
گویا امام بخاری کے ہاں: کتے کا جھوٹا پاک ہے. اور اسکا لعاب دھن "طاہر" ہے. اس لیے ایسا پانی امام بخاری کے ہاں: قابل وضوء ہے.
(۳) امام سفیان ثوری کی فقیہانہ رائے بھی یہی ہے. کہ: قرآن مجید کی مذکورہ آیت: فلم تجدوا ماء فتیمموا.
سے بھی یہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے. کیونکہ کتے کا پس ماندہ پانی ر یقیناً پانی ہی ہے. البتہ انسانی دل میں اگر کوئی شبہ پیدا ہو. تو "وضوء" کے بعد "تیمم" کرلیا جائے.
(۴) سیدنا ابن سیرینؒ بیان فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبیدہؒ کو یہ خوشخبری سنائی کہ: ہمارے پاس (بطور تبرک) حضور انور کے کچھ بال موجود ہیں. جو ہمیں سیدنا انسؓ یا ان کے اھل خانہ کی جانب سے عطا ہوئے ہیں.
سیدنا عبیدہؒ (وجد میں آئے) فرمانے لگے: اگر مجھے حضور اقدس کا ایک بال مل جائے. وہ مجھے جملہ کائنات اور اس کی نعمتوں سے بہت زیادہ "محبوب" ہے.
حضرات صحابہؓ اور سادات تابعینؒ کی یہ کمال عقیدت امت مسلمہ کے لئے بہترین نمونہ ہے.
(۵) سیدنا انسؓ سے مروی ہے: کہ جب "حجۃ الوداع" کے موقع پر حضور انور نے میدان "منی" میں سر منڈوایا تو سب سے پہلے حضرت ابو طلحہؓ کو کچھ بال مبارک بطور تبرک کے ملے.
حضرت ابن سیرین کے والد سیدنا سیرینؒ: سیدنا انس بن مالکؓ کے غلام تھے. اور سیدنا انسؓ حضرت ابو طلحہؓ کے "ربیب" (گود میں پرورش پانے والے نو مولود بچے) تھے.
مقام "منی" میں جب حضور انور کے جسم اطہر سے تراشے ہوئے بال مبارک حضرات صحابہؓ میں بطور تبرک تقسیم ہونے لگے. تو سیدنا ابو طلحہؓ جو ان بابرکت بالوں کو تقسیم کرنے والے تھے. انھوں نے کچھ بال مبارک خود محفوظ فرما لیے تھے. جو انکے وصال کے بعد سیدنا انس بن مالکؓ کو ملے اور پھر سیدنا انس بن مالکؓ نے ان میں سے کچھ بال مبارک سیدنا ابن سیرینؒ کے والد حضرت سیرینؒ کو عطا فرمائے. جن کی زیارت حضرت ابن سیرینؒ نے

فرمائی اور انہی متبرک بالوں کا تذکرہ ان دو احادیث میں ہے۔ جن کے متعلق مشہور جلیل القدر تابعی اور فقہ و حدیث کے امام سیدنا عبیدہؒ نے مذکورہ بالا " الھامی " جملہ بیان فرمایا۔

(۶) آنحضرت نے فرمایا: جب کتا تمھارے کسی برتن سے پی لے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھولیا کرو۔

امام بخاری کے ہاں: حضور انور کا یہ فرمان: کسی روحانی امراض کے علاج کے لیے ہے۔ کتے کے سور (پس خوردہ) کی " نجاست " کی وجہ سے نہیں۔ نیز آپ کا یہ حکم صرف " امر تعبدی " ہے۔ کیونکہ خنزیر اس سے زیادہ " نجس " ہے۔ اور اسکے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھولینا بالاجماع کافی ہے۔

(۷) سیدنا ابوھریرہؓ سے مروی ہے: کہ حضور انور نے فرمایا: کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے کتے کو اس حالت میں دیکھا کہ: وہ پیاس کے مارے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس رحم دل انسان نے اپنا موزہ اتارا اور اس موزے کے زریعے کنوئیں سے پانی بھر بھر کر اس پیاسے کتے کو پانی پلانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ: وہ کتا سیر ہوا اور اللہ رب العالمین نے اس کے اس رحیمانہ عمل کی اس قدر قدر و منزلت فرمائی کہ صرف اسی عمل کے ذریعے اسے جنت میں داخل فرمادیا۔

اس حدیث سے امام بخاری کئی مسائل ثابت فرمارہے ہیں:

(الف) کتے نے موزہ میں منہ ڈالا ر پانی پیا اور موزہ پاک رہا۔ گویا کتے کا لعاب پاک ہے اور اسکا سور " طاہر " ہے۔

(ب) یہ گناہ گار شخص ساقی کلب بننے کے سبب جنت میں داخل ہوا۔

(ج) کتے کی خدمت انسانی فرائض میں داخل ہے۔ اور بے زبان حیوانات کی خدمت جنت میں دخول کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۸) سیدنا عبداللہ بن عمر بیان فرماتے ہیں: کہ آنخضرت کے نورانی دور میں مدینہ طیبہ کے کتے مسجد نبوی میں آتے جاتے رہتے تھے۔ اور انکی آمد و رفت کے باوجود مسجد کے صحن میں کبھی بھی پانی نہیں ڈالا جاتا تھا۔

امام بخاری حدیث مذکور سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

اور کس باطنی شان کا اظہار فرمارہے ہیں؟

اس کی مکمل تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۹) سیدنا عدی بن حاتم فرماتے ہیں: میں نے حضور اکرم سے کتے کے شکار شدہ جانور کے بارے سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا: جب توں اپنا سدھایا (سکھایا) ہوا شکاری کتا کسی حلال جانور پر چھوڑے وہ کتا اس جانور کو شکار کر لے تو توں اس حلال شکار شدہ جانور کو کھا لیا کر۔ ہاں! اگر وہ شکاری کتا اس جانور کو خود کھا لے تو پھر توں اس جانور کو نہیں کھا سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں شکاری کتے نے اس جانور کو اپنے لیے شکار کیا ہے۔ (نہ کہ تیرے لیے)

میں نے عرض کی میں اپنا شکاری کتا چھوڑوں اور ایک دوسرا کتا اس کتے کے ساتھ دیکھ لوں؟

آپ نے فرمایا: کہ پھر بھی اس شکار شدہ جانور کو نہ کھا. کیونکہ توں نے اپنے کتے کو "بسم اللہ" پڑھ کر روانہ کیا ہے. اور دوسرا کتا بغیر "بسم اللہ" کے روانہ کیا گیا ہے.
امام بخاری اس حدیث مبارک سے بھی کتے کی لعاب کو "طاہر" اور پاک ثابت فرمارہے ہیں. جس کی تفصیل آگے آرہی ہے.

(۳) اقوال ابوداود کا حاصل

(۱) قال ابوداود و کذلک قال ایوب و حبیب بن الشهید عن محمد.

(۲) قال ابوداود واما ابو صالح وابو رزین والاعرج ....

ان دو اقوال ابوداوٗد کا حاصل یہ ہے: کہ حضرت محمد بن سیرین کے تمامی شاگردان رشید: سبع مرات. کے کلمات کو تو بیان کرنے میں "متفق" ہیں.

البتہ سیدنا ھشام بن حسان، ایوب سختیانی اور حبیب بن الشہید یہ تینوں: اولهن بالتراب کے کلمات بھی روایت فرماتے ہیں. نیز ان تینوں میں سے جناب ایوب سختیانی حدیث الباب کو "موقوفا" نقل کرتے ہیں. جب کہ بقیہ دو "مرفوعا" روایت کرتے ہیں.

نیز ان تین تلامذہ میں سے جناب ایوب: واذا ولغ الهر غسل مرہ. کے جملے کا اضافہ فرماتے ہیں. اور باقی دو اس جملے کو نقل نہیں کرتے.

سیدنا ابن سیرین کے چوتھے شاگرد حضرت قتادہ السابعه بالتراب. کا جملہ بھی نقل فرماتے ہیں. لیکن سیدنا ابو صالح، ابو رزین، اعرج، ثابت الاحنف، ھمام بن منبہ اور ابو السدی جب اسی روایت کو سیدنا ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں. تو وہ: السابعه بالتراب. کا جملہ بیان نہیں کرتے.

(۳) قال ابوداود وهکذا قال ابن مغفل.

اس قول ابوداوٗد کا حاصل یہ ہے: کہ مذکورہ حدیث: "حدیث مرفوع قولی" بھی ہے. اور "حدیث موقوف قولی" بھی. یعنی حدیث الباب میں: قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوه سبع. یہ حضور انور کا فرمان بھی ہے. اور سیدنا ابن مغفل کا قول بھی.

"مسئلہ الباب" میں تین طرح کا اختلاف ہے.

(۱) سور کلب (کتے کا جھوٹا) "نجس" ہے یا "طاہر"؟

(۲) کتے کے مستعمل برتن کو پاک کرنے کے لئے: "تثلیث" (تین مرتبہ دھونا) کافی ہے؟ یا "تسبیع" (سات مرتبہ دھونا) ضروری ہے؟

(۳) "تتریب" (برتن کو مٹی سے مانجھنے) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۴) سور کلب کی شرعی حیثیت:

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ ، امام شافعی ، امام احمد ، حضرات حنفیہ ، امام مالک (فی روایہ) اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک:

سور کلب بالکلیہ پلید ہے۔ نیز اس کا لعاب دھن بھی "نجس" ہے۔

(۲) امام مالک ، امام بخاری اور فقہاء اھل مدینہ کے نزدیک:

کتا پاک ہے۔ اس کا سور (پس خوردہ) ، لعاب دھن ، بول: سب "طاہر" (پاک) ہیں۔

بعض اھل تصنیف علماء نے لکھا ہے: کہ حضرت امام مالک کے ہاں: کتا پاک ہونے کے ساتھ ساتھ "حلال" بھی ہے۔

ان اھل تالیف فقہاء اور محدثین کی یہ روایت:

احقر کی تحقیق میں: قطعی غلط ہے کیونکہ یورپ اور افریقہ کے اسفار میں جب فقہاء مالکیہ سے "مسئلہ الباب" پر گفتگو ہوئی۔ تو ان اکابر محدثین و فقہاء نے نہ صرف اس قول حلت کی تکذیب کی۔ بلکہ فقہ مالکی کی مستند کتب سے یہ ثابت کیا: کہ کتا ہمارے ہاں بھی "حرام" ہے۔

(۵) دلائل جمہور:

(الف) حدیث الباب: عن ابی ھریرہ عن النبی قال: ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقہ و لیغسلہ۔ (رواہ مسلم وغیرہ)

حدیث مذکور میں "فلیرقہ" (انڈیلنے اور ضائع کر دینے) کا حکم ہے۔ خواہ اس برتن میں پانی ہو یا کوئی طعام اور غذا وغیرہ۔ اگر سور کلب پاک ہوتا۔ تو مطلقاً ضائع کردینے کا حکم نہ ہوتا۔ کیونکہ ضائع کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ نیز "فلیغسلہ" کا کلمہ سور کلب کی "نجاست" پر صراحتاً دال ہے۔

(ب) قول نبوت: عن علی قال قال رسول اللہ: لا یدخل الملائکہ بیتا فیہ کلب۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

حضرات ملائکہ کا گھر میں داخل نہ ہونا۔ یقیناً "نجاست و حرمت کلب" کی وجہ سے ہے

(ج) عن عبداللہ بن المغفل قال: امر رسول اللہ بقتل الکلاب۔ (رواہ النسائی و ابوداؤد وغیرہما)

امام نسائی یہ روایت: باب تعفیر الاناء الذی ولغ ... کے عنوان کے ضمن میں لائے ہیں۔ اور اسے امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

قتل کا حکم اس حقیقت کی تائید کرتا ہے: کہ کتا نہایت موذی جانور ہے۔ اور سر تا پا "حرام" بھی ہے اور "نجس" بھی۔

(۶) دلائل اھل مدینہ:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ: حرمت علیکم المیتۃ و الدم و لحم الخنزیر و ما اھل بہ لغیر اللہ۔ (القرآن)
اس آیت مقدسہ میں چار چیزوں پر " حرمت " کا حکم لگایا گیا ہے. جس میں: کتے کا ذکر نہیں. معلوم ہوا: کہ کتا " حرام " جانور نہیں ہے.
نیز یہ حقیقت مسلم ہے: کہ لعاب دھن گوشت سے پیدا ہوتا ہے. جب گوشت " حلال " ہے. تو لعاب دھن بھی یقیناً پاک ہوگا. اور کتے کا جھوٹا بھی پاک ہوگا.

(۲) ارشاد باری تعالیٰ: فکلوا مما امسکن علیکم. (القرآن)
شکاری کتے کا لعاب دھن یقیناً شکار شدہ جانور کے گوشت اور خون سے مخلوط ہوتا ہے. اگر " سور کلب: نجس " ہوتا. تو شکار کیا ہوا جانور یقیناً ناپاک ہوتا. جبکہ شریعت مطہرہ نے بغیر دھوئے شکار شدہ جانور کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے.
نیز اس آیت مقدسہ کے ھم معنی ایک روایت سیدنا عدی بن حاتمؓ سے " صحیح بخاری " میں موجود ہے. جسے حضرت امام بخاری: باب اذا شرب الکلب. کے ضمن میں لائے ہیں.

(۳) حدیث الباب: عن ابن عمر قال: کانت الکلاب تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ فلم یکونوا یرشون شیا. (رواہ البخاری وغیرہ)
یہ روایت " صحیح بخاری " میں: باب اذا شرب الکلب فی الاناء. کے تحت موجود ہے.
مسجد النبوی الشریف میں کتوں کی آمد سے ان کا لعاب دہن یقیناً اس مسجد مطہر کے صحن مقدس میں گرتا ہوگا اگر لعاب دھن اور سور کلب " نجس " ہوتا. تو حضرات صحابہؓ طہارت مسجد کے لئے ضرور پانی استعمال فرماتے

(۴) کتے کے لعاب دھن اور " سور کلب " کی طھارت پر حضرت امام بخاری نے: باب اذا شرب الکلب فی الاناء. کے تحت تین روایات مقدسہ نقل فرمائی ہیں. جن کا ترجمہ و تشریح آغاز مسئلہ میں تحریر ہے.
ان میں سے سیدنا ابوھریرہؓ کی روایت مبارکہ سے حضرت امام نے عجیب پر کیف انداز میں نہ صرف " سور کلب " کی " طھارت " کو ثابت فرمایا ہے. بلکہ ساقی کلب کو " جنت " کی عظیم نوید سنائی ہے.

(۵) فقہ و نظر: احقر کے طالب علمانہ مطالعہ کے مطابق: امام بخاری " مسئلہ الباب " سے پہلے: باب الماء الذی یغسل بہ ..... کے ترجمہ الباب میں: وسور الکلاب و ممرھا فی المسجد. وقال الزھری اذا ولغ ..... وقال سفیان ھذا الفقہ بعینہ ...... کے بصیرت افروز کلمات اور اس کے ذیل میں سیدنا ابن سیرینؒ اور سیدنا انس بن مالکؓ کی وجد آفریں اور معطر بھری روایات سے یہ حقیقت ثابت فرمارہے ہیں:
کہ جس شیئی کی نسبت ذات حبیب رب العالمین سے ہوجائے وہ میرے (امام بخاری) کے ہاں " طاھر " بھی

۴۔ اور باعث " برکت و زیارت " بھی۔
خواہ وہ مدینہ طیبہ کا کتا ہو یا آپ کے جسم اطہر سے تراشہ ہوا بال۔
علماء السلف کے لئے امام بخاری کی یہ کمال عقیدت سبب ھدایت بن سکتی ہے۔ اگر " کالانعام " والی شان ابھی فکر و نظر میں پیدا نہ ہوئی ہو۔

(۶) دلیل قیاسی: شریعت مطہرہ نے تین اقسام کے کتوں کو گھر میں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ جس وقت کتے گھر میں موجود ہوں گے۔ یقیناً گھریلو اشیاء سے ان کا اختلاط ہوگا۔ اگر " سور کلب " بالکلیہ پلید ہوتا تو حضرت شارع کبھی بھی کسی طرح کے کتے کو گھر میں رکھنے کی اجازت مرحمت نہ فرماتے۔

(۷) جوابات دلیل اول:

(۱) آیت مذکورہ میں کتے کی " حرمت " کے عدم بیان سے یہ اجتھاد حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتا: کہ کتا " حرام " نہ ہو۔ کیونکہ " بول و براز " بالاجماع " نجس " ہیں۔ جبکہ ان کی " حرمت و نجاست " قرآن کریم میں مذکور نہیں۔

(۲) حضور اکرم ہی " شارع " ہیں اور آپ ہی " مقنن حقیقی "۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے: **حرم علیکم کل ذی ناب من السباع۔**

کہ ہر " ذی ناب " (پنجے والا) درندہ " حرام " ہے۔ کتا یقیناً " ذی ناب " (درندہ) ہے۔ لہٰذا حضور انور کے فرمان کے تناظر میں بلاریب " حرام " ہوگا۔

(۸) جواب دلیل ثانی:

آیت مذکورہ میں شکار شدہ جانور کی " حلت و حرمت " کو بیان کرنا مقصود ہے۔ " سور کلب " کا مسئلہ زیر بحث ہی نہیں۔ لہٰذا قیاس کے ذریعے سے " سور کلب " کو پاک کہنا قطعاً نامناسب ہے۔

(۹) جوابات دلیل ثالث:

(۱) حدیث مذکور سے صرف کتوں کی مسجد میں آمد و رفت معلوم ہوتی ہے۔ " لعاب دھن " کا گرنا " احتمال " کے درجہ میں ہے۔ " احتمالات " سے مسائل ثابت نہیں ہوا کرتے۔

(۲) سنن ابوداؤد کی روایت میں: **تبول۔** کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ جس سے کتوں کے پیشاب کی " طھارت " بھی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ بول کلب بالاجماع " نجس " ہے۔

(۳) اگر اس احتمال کو تسلیم کر لیا جائے کہ کتے کا لعاب دھن مسجد میں گرتا ہوگا۔ تو بوجہ حدیث مبارک: **زکوۃ الارض یبسھا۔** (زمین کی طھارت خشک ہونا ہے) مسجد کا صحن پانی ڈالے بغیر خشک ہو کر " طاہر " ہوگا۔

(۴) کرم نبوت : احقر کے نزدیک : بارگاہ رسالت میں حاضری دینے والے کتے ارباب عشق و محبت کے ہاں : نہ صرف "پاک" ہیں۔ بلکہ لائق تعظیم و تکریم اور قابل زیارت و توصیف ہیں۔

انسانیت کے حقیقت پسند اور اصحاب معرفت افراد نے :

ان کتوں اور درندوں کو جو رخ انور کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ بعد کے عمومی انسانوں سے بہتر قرار دیا ہے

اور اپنے بارے :

یہ تمنا کی ہے۔ کہ : ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار۔

عشق و وجدان کے اس سفر معراج میں جہاں اھل تصوف : ہمیں "حقیقت و معرفت" کے اس عرش بریں پر براجماں نظر آتے ہیں۔ وہاں سادات محدثین اور حضرات فقہاء کی بہت عظیم الشان تعداد ہمیں رندانہ چال میں اس عرش بریں کا طواف کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔

ہمارے زمانہ کے کور چشم لاسلف افراد ذوق بد کے سبب نہ صرف اس معراج انسانی سے محروم ہیں۔ بلکہ فکر ابو لھبی کے سبب ورطہ حیرت میں ہیں۔

رب کریم انہیں عقل سلیم اور ایمان مستقیم عطا فرمائیں۔ ورنہ ان محروم القسمت افراد کا انجام "قلیب بدر" سے یقیناً مختلف نہ ہوگا۔

اگر یہ کالانعام افراد صحیفہ ھدایت ر شفاء امراض روحانی : آیات قرآنیہ سے شفاء پانے کی تمنا رکھتے ہوں۔ تو اصحاب کھف ؒ اور ان کے کتے کے تذکرہ میں حضرات مفسرین ؒ اور سادات محدثین ؒ کے فرامین : ان کے علاج اور تشخیص کیلئے نھایت مجرب ہیں۔

نیز حضرت امام بخاری کے مذکورہ دونوں "تراجم ابواب" :

باب الماء الذی یغسل بہ شعر ... (الخ) ر باب اذا شرب الکلب فی الانا۔ اور ان کے ضمن میں : پانچ (۵) احادیث مرفوعہ اور دو (۲) آثار موقوفہ بھی حصول شفاء کے لئے مفید اور موثر ثابت ہوسکتے ہیں۔

وھو الھادی الی سواء السبیل۔

الحاصل حضرات حنفیہ کا قول : "کہ سور کلب نجس ہے" عمومی کتوں کے بارے میں ہے۔ اور حضرت امام مالک کا فرمان : "کہ کتے کا لعاب دھن اور اس کا گوشت پاک ہے" یہ اعتراف حقیقت مدینہ طیبہ کے کتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۵) محدثانہ توجیہ اور میں : احقر کے نزدیک : حضرت امام مالک کا لقب : **امام دار الھجرہ**۔ ہے۔ مدینہ طیبہ سے حضرت امام کی عقیدت و محبت نہ صرف "ضرب المثل" ہے۔ بلکہ طالبان حدیث کے لئے قابل تقلید بھی ہے۔ اور قابل رشک بھی۔

اسی عقیدت و کیف میں حضرت امام نے مدینہ طیبہ کے کتوں کو "طاھر" ر "حلال" بھی فرمایا۔ اور ان کے

لعاب دھن ر سور (پس خوردہ) کو پاک بھی قرار دیا۔ لھذا حضرت امام کا فرمان: مدینہ طیبہ کے "کلاب" کے ساتھ مخصوص ہے۔

میری اس توجیہ کی تائید: اس حقیقت سے ہوتی ہے۔ کہ:

"تعامل اھل مدینہ" حضرت امام مالک کے ہاں: نہایت عمدہ سند اور قوی ترین دلیل ہے۔ اور اھل مدینہ مسجد النبوی الشریف میں کتوں کی حاضری و روانگی کی نہ ہی ممانعت فرماتے تھے۔ اور نہ ہی ان کے لعاب دھن اور بول کو "نجس" قرار دے کر اس پر پانی بھانے کا تکلف فرماتے تھے۔

ہاں اگر کسی دیہاتی حضرت صحابی ؓ نے مسجد شریف میں "بول ر براز" کردیا۔ تو اس پر حضرت شارع علیہ السلام کے حکم سے پانی بھی بھایا گیا۔ اور صحن مسجد کو پاک بھی کیا گیا

(۱۰) جوابات فقاھت امام بخاری:

(۱) احقر کے نزدیک: حضرت امام بخاری نے چونکہ "صحیح بخاری" کے "تراجم ابواب" کو حضور انور کے قدمین شریفین میں حاضر ہو کر ترتیب دیا ہے۔ اس لئے امام بخاری نے: ان دو (۲) "تراجم" اور پانچ (۵) احادیث مقدسہ میں سگان مدینہ کے فضائل کو بیان فرماکر اپنی عقیدت و محبت کا اظہار فرمایا ہے۔

ورنہ حضرت امام کے ہاں: عمومی کتے "نجس" بھی ہیں۔ اور "حرام" بھی۔

(۲) امام بخاری کے روایت کردہ آثار اور سیدنا ابو ھریرہ کی روایت مبارکہ سے امام بخاری کا یہ دعوی: "کہ کتے کا لعاب اور سور پاک ہے" ثابت نہیں ہوتا۔ وہ یوں کہ:

امام زھری نے بہ صورت "اضطرار" کتے کے پس ماندہ پانی کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ ایسے ہی حضرت سفیان ثوری نے وضوء کے ساتھ "تیمم" کی پابندی لگا کر کتے کے جھوٹے پانی کو "مشکوک" قرار دیا ہے۔

جب کہ حدیث سیدنا ابوہریرہ میں بنی اسرائیل اور امت موسوی کے ایک فرد کے عمل کا تذکرہ ہے جس سے یقینا امام بخاری کا دعوی ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۱۱) جوابات دلیل رابع:

(۱) آپ کا قیاس احادیث سے تعارض کے سبب ناقابل تسلیم ہے۔

(۲) قیاس مذکور سے جسم کلب کی طہارت معلوم ہوتی ہے۔ سور کلب کی نہیں اور کتے کا جسم ہمارے ہاں بھی "نجس العین" نہیں

(۳) اختلاط میں جس طرح لعاب دھن کے گرنے کا احتمال ہے ایسے ہی "القاء قذرہ" یعنی بول و براز بھی محتمل ہے۔ جب کہ بول و براز بالا جماع نجس ہیں۔

کیفیّت تطہیر

(۱) انداز تطہیر میں مسالک:

(الف) امام اعظم ابوحنیفہ ر حضرات حنفیہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک:
"تثلیث" (تین مرتبہ دھونا) "واجب" ہے. اور تسبیع (سات مرتبہ دھونا) مستحب ہے. (جیسا کہ ہر "نجاست" کو پاک کرنے کے لیے "تثلیث" ہی کافی ہے.

(ب) امام مالک اور امام بخاری کے نزدیک: سات مرتبہ دھونا "واجب" ہے. لیکن یہ حکم محض "تعبدی" ہے. کیونکہ "سور کلب: نجس" نہیں بلکہ "طاہر" ہے. (جیسا کہ سابقہ عنوان میں بیان ہوا).

(ج) امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک: سات مرتبہ دھونا اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھنا. یہ دونوں امور: تسبیع ر تتریب. "واجب" ہیں۔

(۲) دلائل احناف:

(۱) **عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ: اذا ولغ الکلب ...... فلیرقہ و لیغسلہ ثلاث مرات.** (رواہ دار قطنی و الطحاوی)

امام طحاوی نے اس حدیث مقدس کو مختلف اسناد سے نقل کیا ہے. جن کی رو سے یہ حدیث "حسن" بھی ہے اور "صحیح" بھی نیز یہ روایت مسلک حنفیہ کی تائید میں بالکل واضح ہے۔

(۲) **ضابطہ شریعت:** وہ جملہ روایات جن میں ہر طرح کی گندگی اور پلیدگی کے ازالہ کے لیے "تثلیث" کا حکم ہے. ایسی روایات کی تعداد تیرہ (۱۳) سے زائد ہے.

(۳) **فتاوی صحابہ: عن ابی ھریرہ قال: اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقہ و اغسلہ ثلاث مرات** (رواہ الطحاوی وغیرہ)

اسی طرح کا فتوی سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ر سیدنا علیؓ ر سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے کتب حدیث و فقہ میں منقول ہے.

(۴) **دلیل عقلی:** وہ نجاسات جن کی نجاست دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور ان میں طبعی کراہت سور کلب سے کہیں زیادہ ہے. نیز انہیں "اغلظ النجاسات" کہا جاتا ہے. مثلا بول ر براز وغیرہ. ایسی نجاسات بالاجماع تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتی ہیں تو "سور کلب" کو بطریق اولی تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجانا چاہیے

(۳) دلیل ائمہ ثلاثہ:

(۱) حدیث الباب: عن ابی ہریرہ عن النبی قال: ان یغسل سبع مرات اولاھن بالتراب. ر (فی روایہ) السابعہ بالتراب. ر (فی روایہ) الثامنہ عفروہ بالتراب. (رواہ ابوداؤد وغیرہ)

(۴) جوابات:

(۱) ترجیح قانون: امام اعظم امام ابوحنیفہ: "احادیث متعارضہ" میں ان احادیث کو "ترجیح" دیتے ہیں. جو کسی "قانون کلی" اور "تشریع عام" پر مشتمل ہوں. کیونکہ امت محمدیہ: "قواعد کلیہ" اور "ضوابط شرعیہ" کی مکلف" ہے.

"مسئلہ الباب" میں بھی حضرات احناف نے "احادیث کلیہ" پر عمل کیا. اور "حدیث الباب" کی "تاویل و توجیہ" کی۔

(۲) منسوخ: سیدنا ابوھریرہ جو حدیث الباب کے راوی ہیں. ان کے اپنے عمل اور ان کے فتوی: "وجوب تثلیث" سے "حدیث الباب: منسوخ" ہے۔

(۳) حکم استحبابی: کتے کے لعاب دھن میں زہریلے اثرات چونکہ دوسرے درندوں سے زیادہ ہیں. اس لئے شریعت مطہرہ نے سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا. جو ایک حکم استحبابی ہے۔

(۴) حدیث مضطرب: حدیث الباب: میں متعدد "اضطرابات" ہیں. جن کی جانب امام ابوداؤد نے: "قال ابوداؤد" کے تحت اشارہ فرمایا ہے. جو تفصیل کے ساتھ پچھلے مضمون میں تحریر ہیں. جس کا حاصل یہ ہے کہ

(۱) حدیث الباب میں "ترتیب" کا جملہ ہے یا نہیں؟

(۲) محل ترتیب میں: "اضطراب" ہے. کہ بعض احادیث میں: "اولاھن" ر بعض میں: "اخرھن" اور بعض میں: "السابعہ" کے کلمات مذکور ہیں۔

(۳) بیان عدد میں: "اختلاف" ہے. کہ کہیں: "ثلاث مرات" ر کہیں: "سبع مرات" اور کہیں: "ثلاثا او خمسا او سبعا" کے کلمات منقول ہیں۔

تنظیم المدارس

اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبع مرات اولاھن بالتراب

(الف) فصل الاختلاف فی نجاسۃ الکلب وسورہ بعد ترجمۃ الحدیث باللغۃ الاردویۃ۔

(ب) ما ھو مذھب الاحناف فی نجاسۃ الکلب [illegible] ولوغہ؟

(ج) الحدیث المذکور دلیل لسائر ائمۃ علینا و فی الشق الثانی فما الجواب عنہ ۔ ۳۰

۷۔ باب من لم یر الوضوء...

(۱) مذاہب:

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ ، حضرات صاحبین ، امام احمد بن حنبل ، امام اوزاعی ، امام ابراہیم نخعی ، جمہور صحابہ و تابعین اور اکثر ائمہ و محدثین کے نزدیک: خون بشرط "سیلان" ناقض وضو ہے۔

اسی طرح جسم کے کسی حصے سے اگر کوئی نجاست خارج ہو تو وہ بھی ناقض وضو ہے۔ جیسے قے ، رعاف (پیپ) اور نکسیر وغیرہ۔

(۲) امام مالک ، امام شافعی اور بعض فقہاء کے نزدیک "خروج دم" ناقض وضوء نہیں۔ اور ایسے ہی "غیر سبیلین" سے جو نجاست نکلے۔ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(۲) دلائل جمہور:

(۱) سیدہ عائشہ کی مشہور روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ بنت ابی حبیش کو فرمایا:

انما ذالک دم عرق و لیست بالحیضہ و توضئی (رواہ البخاری وغیرہ)

یعنی استحاضہ کا خون رگ کا خون ہے۔ حیض کا نہیں۔ لہٰذا آپ غسل کی بجائے وضوء کر لیا کریں۔

اس حدیث سے استدلال یوں ہے:

کہ آپ نے "خروج دم عرق" (رگ کے خون) پر "توضئی" کا حکم فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ: خروج دم ناقض وضو ہے۔

(۲) حدیث الباب: **عن ابی الدرداء ان رسول اللہ قاء فتوضأ** (الحدیث)

امام ترمذی نے حدیث مذکور پر "الوضوء من القیٔ والرعاف" کا عنوان قائم فرما کر اس روایت کو "اصح" قرار دیا ہے۔

نیز اسے دو متعدد اسناد سے نقل فرمایا ہے۔ اور دونوں اسناد پر "صحیح" کا حکم لگایا ہے۔ امام ترمذی کی تحقیق میں حضرات صحابہ اور سادات تابعین کی اکثریت کا مسلک حضرات حنفیہ کے قول کے موافق ہے۔ اور یہی جمہور محدثین و فقہاء کا مسلک ہے۔

(۳) **عن عائشہ قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من اصابہ قیٔ او رعاف فلیتوضأ۔** (رواہ الطحاوی و الامام محمد)

اس حدیث کے راوی "اسماعیل بن عیاش" ایک "مختلف فیہ" راوی ہیں۔ اس کے باوجود جمہور محدثین

نے ان کی تائید فرمائی ہے اور انہیں ایک " ثقہ " راوی قرار دیا ہے۔

(۴) عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ: لیس فی القطرۃ والقطرتین من الدم وضوء حتی یکون سائلا۔ (رواہ دار قطنی)

یہ حدیث تائید مسلک حنفیہ میں " اصرح " ہے۔

(۵) عن زید بن ثابت مرفوعا قال: الوضوء من کل دم سائل۔ (رواہ ابن عدی و صاحب نصب الرایہ)

(۶) دلیل عقلی: خون بالاتفاق نجس ہے اور جو چیز نجس ہو اسے ناقض وضو بھی ہونا چاہیے۔ لہٰذا خون ناقض وضو ہو گا۔

ان دلائل کے علاوہ سیدنا سلمان فارسی ر سیدنا ابو سعید خدری اور سیدنا علی کی روایات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ جن سے مسلک حنفیہ کی بھرپور تائید ہوتی ہے۔

امام محمد نے " مئوطا " میں تین " آثار صحابہ " سے ثابت کیا ہے: کہ " خروج دم " اور نکسیر وغیرہ ناقض وضوء ہیں۔

(۳) دلائل ائمہ:

(۱) حدیث الباب: یعنی روایت سیدنا جابر: جسکا حاصل یہ ہے کہ: انصاری صحابی کو پے درپے تین تیر لگے۔ خون بہا۔ لیکن آپ نماز میں مشغول رہے۔

اگر خروج دم ناقض وضو ہوتا تو یہ انصاری صحابی بحالت حدث نماز کو کیسے جاری رکھتے؟ معلوم ہوا کہ " خروج دم " ناقض وضو نہیں۔

(۲) امام بخاری نے متعدد آثار " ترجمہ الباب " میں جمع فرمائے ہیں۔ اور اسکے ضمن میں پانچ " احادیث مرفوعہ " سے یہ امر ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے: کہ " سبیلین " کے علاوہ انسانی جسم سے خارج ہونے والی نجاستیں ناقض وضو نہیں۔

یہ ترجمہ الباب " من لم یر الوضوء الا من المخرجین " کے کلمات سے شروع ہو رہا ہے

(ان آثار کا ترجمہ بمعہ جوابات آگے تحریر ہے)

(۴) جوابات حدیث الباب:

(۱) ضعیف: حدیث الباب دو وجوہ سے معلول ہے:

(الف) اسکی سند میں عقیل نامی ایک راوی ہیں جو ائمہ حدیث کے ہاں مجہول ہیں۔

(ب) دوسرے راوی محمد بن اسحاق مشہور مختلف فیہ راوی ہیں۔ جنکی حالت علماء اور طلباء پر عیاں ہے۔

(۲) اس حدیث سے آپ کا استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ آپ کے نزدیک خون " بالاتفاق " نجس ہے۔

یقیناً انصاری صحابی کو تین مسلسل تیر لگنے کی وجہ سے انکا جسمانی خون انکے کپڑے اور بدن کو لگا ہو گا۔ جس سے ان کے کپڑے اور بدن خون آلود ہو کر پلید ہوئے ہوں گے۔ اب پلید کپڑے اور جسم سے نماز کیسے صحیح ہو گی؟
جس سے معلوم ہوا کہ حدیث الباب کسی مخصوص کیفیت اور کسی وجدانی خاصہ پر محمول ہے۔
(۳) حقیقت یہ ہے۔ انصاری صحابی قرآن مجید کی تلاوت میں اس درجہ منہمک تھے کہ ان کی توجہ "نقض وضو" اور "عدم نقض" کی طرف ہوئی ہی نہیں۔ جیسا کہ حدیث الباب کے آخری جملے سے ظاہر ہے:

ان کنت فی سورہ اقرئہا فلم احب ان اقطعہا۔ (الحدیث)

اسطرح کی کیفیات عارفین کاملین پر طاری ہو جایا کرتی ہیں۔

صحیح بخاری کا ترجمہ و احادیث الباب نیز فقاہت امام اعظم:

امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں متعدد آثار اور ترجمۃ الباب کے ضمن میں پانچ احادیث مرفوعہ کو نقل فرمایا ہے
ان اثار اور احادیث کا ترجمہ نیز مسلک حنفیہ کی تفصیل درج ذیل ہے:
(۱) سیدنا عطاء فرماتے ہیں: کہ وہ شخص جس کے "سبیلین" میں سے کوئی کیڑا یا جوں خارج ہو وہ شخص دوبارہ وضو کرے۔

حضرت عطاء کا یہ فرمان "مسلک حنفیہ" کے موافق ہے کیونکہ ہمارے ہاں:
۔ ہر وہ تر مادہ ناقض وضوء ہے جو "سبیلین" سے خارج ہو۔ خواہ وہ مادہ "ذی روح ہو یا غیر ذی روح"
(۲) سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری کا فرمان ہے: کہ ادائیگی نماز کے دوران جو شخص ہنس پڑے وہ دوبارہ نماز لوٹائے اس پر وضو کا اعادہ ضروری نہیں۔

سیدنا جابر کا فرمان ہمارے مسلک کے عین موافق ہے وہ یوں:
۔ کہ حضرات حنفیہ کے ہاں ہنسنے کے تین انداز ہیں:
(۱) تبسم (مسکراہٹ): یعنی خوشی کے وقت ہونٹوں کا کھل کھلا جانا۔
(۲) ضحک (ہنسی): خوشی کے موقع پر دانتوں کا ظاہر ہو جانا۔
(۳) قہقہ: ہنسنے کا ایسا انداز کہ مسرت بھری آواز حاضرین کو بھی سنائی دے۔
حضرات حنفیہ کے ہاں "تبسم" سے نہ ہی نماز ٹوٹتی ہے اور نہ ہی وضو۔
"ضحک" ناقض صلوٰۃ تو ہے ناقض وضو نہیں۔
"قہقہ" سے وضو اور نماز دونوں فاسد ہو جاتے ہیں۔ نماز اور وضو دونوں کا اعادہ ضروری ہے۔
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ: حضرت جابر کا اثر موقوف مسلک حنفیہ کی عمدہ دلیل ہے۔ کیونکہ اس میں "اذا ضحک" کے کلمات موجود ہیں۔
(۳) سیدنا حسن بصری نے فتوی دیا: کہ بحالت وضو جن اشخاص نے اپنے سر کے بال منڈوائے، ناخن تراشے،

یا اپنے موزوں کو اتارا ایسے اشخاص پر دوبارہ وضو کرنا لازم نہیں۔
امام اہل سنت اور سرخیل جماعت اہل تصوف کے فتوی پر امت محمدیہ کے تمام فقہاء اور محدثین کا اجماع ہے
حضرات ائمہ اربعہ کی فقیہانہ آراء اس فتوی کے عین مطابق ہیں۔ لہٰذا یہ فتوی حضرات احناف کے مسلک کی
حقانیت پر شاہد عدل ہے۔
(۴) سیدنا ابو ہریرہ فرماتے ہیں: کہ باوضو شخص کو دوبارہ وضو کرنے کی قطعا کوئی حاجت نہیں۔ مگر بے وضو ہو جانے
کے بعد۔
یہی مسلک جمہور ہے۔
(۵) سیدنا جابر کے حوالے سے یہ واقعہ کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے: کہ حضور انور غزوہ "ذات الرقاع" میں
موجود تھے۔ ایک صحابی رسول کو نیزے کے وار سے زخمی کیا گیا۔ وہ بہتے ہوئے خون کے ساتھ رکوع اور سجدہ
کرتے رہے۔ اور انھوں نے اپنی نماز کو جاری رکھا۔
سیدنا جابر کی مذکورہ روایت پر سیر حاصل گفتگو "دلائل ائمہ اور جوابات حدیث الباب" کے ضمن میں گزر چکی
ہے۔
(۶) سیدنا حسن بصری نے اپنا مشاہدہ بیان فرمایا: کہ مجاہدین اسلام میدان جنگ میں جسمانی زخموں کے باوجود اسی
کیفیت میں نمازیں ادا فرماتے رہتے تھے۔
حضرت امام اعظم کے ہاں بھی غازیان اسلام میدان جنگ میں زخمی جسم اور خون آلود کپڑے اور جسم کے ساتھ
نمازیں ادا کرسکتے ہیں۔ نماز کو موخر یا ملتوی نہ کریں۔ سیدنا حسن بصری کا مشاہدہ ہمارے مسلک کی ہی عمدہ دلیل
ہے۔
(۷) علامہ طاؤس ر امام محمد باقر ر سیدنا عطاء ر اور اہل حجاز کا مسلک یہ ہے: کہ خون میں وضو نہیں۔
یہ مسلک نہایت مبہم ہے۔ جس سے ہمیں کوئی واضح راہنمائی نہیں ملتی۔ کیونکہ حضرات فقہاء کی آراء اس
مسئلہ میں مختلف فیہ ہیں: کہ انسانی جسم پر بہنے والا خون ناقض وضو ہے یا نہیں؟
یہ قول مسئلہ الباب کی کسی طرح سے کوئی رہنمائی نہیں کرتا۔
اگر کسی درجے قول بالا سے فریق ثانی کا مسلک ثابت ہو بھی جائے۔ تو پھر بھی مذکورہ شخصیات کا فقہی اور
محدثانہ مقام حضرت امام اعظم کے منصب فقاہت اور شان اجتہاد سے کہیں کم ہے۔ اس لیے امت مسلمہ اور ملت
اسلامیہ نے امام اعظم کی فقیہانہ اور محدثانہ تحقیق کو اپنا مسلک بنایا۔ اور اس قول کو مبہم یا ناقابل عمل سمجھ کر
ترک کر دیا ہے۔
(۸) سیدنا عبداللہ بن عمر نے ایک پھنسی (زخم) کو دبایا۔ جس سے خون ظاہر ہوا لیکن آپ نے دوبارہ وضوء نہ کیا

سیدنا ابن عمر کا یہ عمل ہمارے مسلک کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ حضرات حنفیہ کے ہاں "اخراج دم" ناقض وضو نہیں۔ ہاں "خروج دم" ناقض وضو ہے۔

(۹) سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی نے تھوکا تو لعاب دہن میں کچھ خون شامل تھا۔ آپ نے نماز کو جاری رکھا (دوبارہ وضوء نہ کیا)

حضرات حنفیہ "کثر اللہ سوادہم" کے ہاں بھی تھوک میں اگر خون کسی درجے شامل ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ایسا شخص اپنی نماز کو سابقہ وضو کے سبب جاری رکھ سکتا ہے۔

(۱۰) سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا حسن بصری کا فرمان ہے: کہ جو شخص پچھنے لگوائے (حجامت بنوائے) اس پر دوبارہ وضوء نہیں۔ البتہ اس جگہ کو پانی سے دھولے جہاں حجامت کے لیے کیڑا لگایا گیا ہے۔

ان اکابر کا یہ فرمان مسلک احناف ہی کی تائید اور توثیق فرمارہا ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں بھی: "دم سائل" یعنی وہ خون جو انسانی اعضاء پر بہنے لگے۔ ناقض وضو ہے۔ جو خون اپنے مخرج تک محدود رہے۔ انسانی جسم پر نہ بہے وہ ناقض وضوء نہیں۔

بصورت حجامت یہ کیڑا انسانی خون کو انسانی جسم سے اس انداز میں چوستا ہے۔ کہ خون انسانی جسم سے اس کیڑے کی طرف بایں کیفیت منتقل ہوتا رہتا ہے کہ انسانی خون نہ ہی اعضاء پر ظاہر ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خون بہتا ہے۔ لہٰذا حضرات احناف کے ہاں بھی حجامت کرانے کی صورت میں دوبارہ وضو کرنا لازم نہیں۔

احادیث الباب اور مسلک احق:

امام بخاری نے مذکورہ ترجمہ الباب کے ضمن میں پانچ احادیث مرفوعہ کو نقل فرمایا ہے۔ ان میں سے ابتدائی دو احادیث سے یہ اجماعی مسئلہ ثابت ہوتا ہے: کہ ہوا کا خارج ہونا ناقض وضو ہے۔

یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے اور حضرات حنفیہ کا مسلک بھی انھی دو احادیث مقدسہ کے عین مطابق ہے۔

تیسری روایت سے: خروج مذی پر وضو کے لازم ہونے کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

یہ بھی ایک اجماعی مسئلہ ہے اور مسلک حنفیہ حدیث الباب کے مطابق ہے۔

چوتھی اور پانچویں روایت سے اگر کوئی کج فہم یہ استدلال کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے کہ حضرت امام بخاری ان دو احادیث مبارکہ سے یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں: کہ التقاء ختانین (مرد اور عورت کے باہمی ملاپ) سے وضو تو لازم ہوتا ہے غسل کرنا ضروری نہیں غسل صرف بصورت انزال ہی فرض ہے۔

تو امام بخاری کی یہ رائے نہ صرف مسلک حنفیہ کی مخالفت کے سبب ناقابل قبول اور غیر معمول بہ ہے۔ بلکہ جملہ فقہاء اور محدثین کے اجماعی مسلک سے تعارض کے سبب نہ صرف ناقابل التفات ہے بلکہ ناقابل تسلیم ہے۔

اہل سنت علماء اور مشائخ میں سے کوئی بھی اس شاذ قول کا قائل نہیں ۔

وجوہ ترجیح:

(۱) جمہور کے دلائل مسئلہ الباب میں "مثبت" ہیں ۔ اور فریق ثانی کے دلائل "نافی" ۔ حسب قاعدہ یقیناً مثبت دلائل منفی دلائل سے راجح ہوتے ہیں ۔

(۲) دلائل احناف (خروج دم کے بعد ادائیگی نماز کے لیے) "محرم" ہیں ۔ اور ائمہ کے دلائل "مبیح" ۔ بالاتفاق محرم دلائل مبیح دلائل سے راجح ہوا کرتے ہیں ۔

(۳) احتیاط اور حسن نظافت و معاشرت کا پہلو بھی مسلک حنفیہ میں ہی مضمر ہے ۔ لہٰذا یہی مسلک راجح ہو گا۔

چند الفاظ کی معنوی وضاحت:

(۱) **یکلٔونا: (یحرسنا و یحفظنا)** وہ ہماری حفاظت اور نگرانی کرتا ہے ۔

(۲) **فانتدب: (اجاب هذه الدعوة)** اس نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا ۔

(۳) **بفم الشعب:** گھاٹی کے اوپر یا گھاٹی کے دھانے پر ۔

(۴) **شخصه:** انصاری صحابی کا سایہ اور انکی شخصیت ۔

۸۔ باب وضوء الرجل مع امرأته

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

امام بخاری نے "مسئلہ الباب" پر تین جگہ تین ابواب: باب وضوء الرجل مع امراته، باب غسل الرجل مع امراته، باب مباشره الحائض. قائم فرمائے ہیں.

امام مسلم نے: باب غسل الرجل و المراه من اناء واحد. کے تحت "احادیث الباب" کو تخریج فرمایا ہے.

امام نسائی نے: باب وضوء الرجال و النساء جمیعا، باب فضل الجنب، باب ذکر اغتسال الرجل والمراہ من نسائه من اناء واحد، باب ذکر النهی عن الاغتسال بفضل الجنب، باب الرخصه فی ذالک، باب الرخصه فی فضل المراہ، باب النهی عن فضل وضوء المراہ، الرخصه فی فضل الجنب. کے ضمن میں "احادیث الباب" کو درج فرمایا ہے.

امام ابوداؤد نے: باب الماء لایجنب، باب الوضوء بفضل المراہ، باب النهی عن ذلک. کے تحت "احادیث مذکورہ" کو نقل فرمایا ہے.

امام ترمذی نے تین ابواب: باب فی وضوء الرجل و المراہ من اناء واحد، باب کراهیه فضل طهور المراہ، باب الرخصه فی ذلک. قائم فرمائے ہیں.

امام ابن ماجہ نے چار ابواب: باب الرخصه بفضل وضوء المراہ، باب النهی عن ذلک، باب الرجل والمراہ یغتسلان من اناء واحد، باب الرجل والمراہ یتوضان من اناء واحد. کے تحت "احادیث الباب" کو تحریر فرمایا ہے.

امام محمد نے: باب الرجل یغتسل او یتوضاء بسور المراہ. کے تحت "مسلک حنفیہ" کو "حدیث الباب" کے ساتھ موید فرمایا ہے.

امام مالک نے: جامع غسل الجنابه. کے تحت "حدیث الباب" کو تخریج فرمایا ہے.

(۲) مسئلہ الباب میں ممکنہ صورتیں:

مسئلہ الباب میں سات صورتیں متصور ہیں:

(۱) مرد، مرد کے بقیہ پانی سے "وضوء" یا "غسل" کرے.

(۲) دونوں مرد ایک ہی برتن سے اکٹھے "وضوء" کریں.

(۳) عورت ر عورت کے باقی ماندہ پانی کو استعمال کرے۔
(۴) دونوں عورتیں اکٹھے "وضوء" یا "غسل" کریں۔
(۵) عورت ر مرد کے بقیہ پانی کو استعمال میں لائے۔
(۶) مرد اور عورت اکٹھے ایک ہی برتن سے "وضوء" یا "غسل" کریں۔
(۷) مرد ر عورت کے بقیہ پانی سے "وضوء" یا "غسل" کرے۔

(۳) مسالک ائمہ:

مندرجہ بالا سات صورتوں میں سے ابتدائی چھ صورتیں "بالاتفاق" درست ہیں۔ البتہ آخری ساتویں صورت: "مختلف فیہ" ہے۔

(۱) امام اعظم امام ابوحنیفہ ر امام مالک ر امام شافعی ر حضرات صاحبین اور جمہور اہل علم ر فقہاء و محدثین کے نزدیک:

پہلی چھ (۶) صورتوں کی طرح: یہ صورت بھی "جائز" ہے۔ اور اس میں کوئی "کراہت" نہیں۔

(۲) امام احمد اور اہل ظواہر کے نزدیک:

آخری صورت "ناجائز" ہے۔

(۴) دلائل جمہور:

(ا) حدیث الباب: **عن ابن عباس قال: اغتسل بعض ازواج النبی فی جفنہ فاراد النبی ان یتوضاء منہ فقال رسول اللہ: ان الماء لا یجنب۔** (رواہ الترمذی و ابوداود و غیرہما)

امام ترمذی نے: **الرخصہ فی ذلک۔** اور امام ابوداود نے: **الماء لا یجنب۔** کے ابواب کے ضمن میں حدیث الباب "کو نقل فرمایا ہے۔

اس "حدیث مبارک" سے "مسلک جمہور" کی تائید "سنت قولی" اور "سنت عملی" دونوں طرح سے ہورہی ہے۔ کہ حضور انور نے وضوء فرما کر "عملاً" اس کو "مسنون" فرمادیا۔ اور **ان الماء لا یجنب۔** کے فرمان سے "قولا" امت کے لیے اس کو "جائز" فرمادیا۔

(ب) **عن ابن عباس ان رسول اللہ: کان یغتسل بفضل میمونہ۔** (رواہ مسلم و احمد)

یہ حدیث تائید جمہور میں "نص" ہے۔

(ج) امام بخاری نے: **فضل وضوء المراہ۔** کا "ترجمہ الباب" قائم فرما کر "مسلک جمہور" کی بھرپور تائید کی ہے۔ نیز "سیدنا فاروق اعظم" کے عمل کو نقل فرما کر اس "مسلک احق" کو حدیث سے موید فرمادیا ہے۔

(۵) دلائل عدم جواز:

(ا) حدیث الباب: عن حکم الغفاری قال: نہی رسول اللہ ان یتوضاء الرجل بفضل طھور المراہ.
امام نسائی، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس حدیث پر: باب کراھیہ، النھی عن فضل طھور المراہ. کا عنوان قائم کیا ہے.
(ب) دلیل عقلی: چونکہ عورت کے مزاج میں بے احتیاطی زیادہ اور "نظافت" کم ہوتی ہے. اس لئے عورت کے اکیلے پانی استعمال کرنے میں پانی کے پلید ہونے کی توقع زیادہ ہے.

(۶) جوابات:

(ا) ضعیف: امام نووی فرماتے ہیں: کہ "نہی" اور "کراہت" کی احادیث سندا "ضعیف" ہیں.
امام بخاری نے انہیں "معلول" قرار دیا ہے.
حضرات محدثین نے "حدیث الباب" کو دو وجوہ سے "ضعیف" کہا ہے.
(الف) بوجہ اضطراب متن.
(ب) بوجہ ابوحاجب متکلم فیہ راوی.
(۲) منسوخ: "احادیث کراہت" سیدنا ابن عباس کی "حدیث الباب" سے "منسوخ" ہیں
(۳) اجنبیہ عورت: "احادیث نہی" اجنبی عورت کے باقی ماندہ پانی کے بارے میں ہیں. کیونکہ اس میں "مظنہ شہوت" ہے. اور یہی ظن: وجہ کراہت ہے.
(۴) طالب علمانہ رائے: احقر کی ناقص رائے میں: اس اختلافی صورت کو "مبتلی بہ" کی رائے پر چھوڑ دیا جائے. وہ خاوند: جس کی بیوی "احکام طہارت" اور "مسائل شرعیہ" سے واقف ہو. نیز "طہارت و نظافت" کے معاملے میں محتاط ہو. اس کے خاوند کو "احادیث جواز" پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی بیوی کے "ماء مستعمل" کو استعمال کرلینا چاہیئے.
جب کہ وہ خاوند: جس کی جیون ساتھی مسائل دینیہ سے ناواقف ہو، ذاتی نمائش میں انہماک کے سبب خانگی معاملات میں غفلت برتتی ہو. یا طبعا مزاج خسروانہ کی مالکہ ہو. اسکے خاوند کو "احادیث نہی" پر عمل کرتے ہوئے "ماء مستعمل" سے "وضوء" یا "غسل" نہیں کرنا چاہیئے.
میری اس توجیہ کی تائید: "سیدہ ام سلمہ" کے فرمان سے ہوتی ہے. جسے "امام نسائی" نے: ص ۷۴ پر نقل کیا ہے: نعم اذا کانت کیسہ. یعنی اگر عورت "آداب معاشرت" اور "عائلی حسن" سے واقف ہے. تو اس کے ساتھ یا اسکے باقی ماندہ پانی سے "وضوء" یا "غسل" کرلینا چاہیئے.

(۷) دلائل صور اجماعیہ

(۱) حدیث الباب : عن ابن عباس عن میمونہ قالت : کنت اغتسل انا و رسول اللہ من اناء واحد من الجنابہ. (رواہ الترمذی وغیرہ) یہ حدیث اکٹھے نہانے کے جواز میں "نص" ہے۔

(۲) عن ابن عمر قال : کان الرجال و النساء یتوضاون فی زمن النبی من الاناء الواحد جمیعا ۔ (رواہ ابوداؤد) ۔

(۳) عن عائشہ قالت : کنت اغتسل انا و رسول اللہ من اناء واحد ۔ (رواہ مسلم)

(۴) عن ام صبیہ الجھنیہ قالت : اختلفت یدی و ید رسول اللہ فی اناء واحد ۔ (رواہ ابوداؤد)

تنظیم المدارس

الثانی : عن الحکم ابن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یتوضأ الرجل بفضل وضوء المرأة ۔

(الف) ضعوا الحرکات والسکنات علی سند الحدیث ومتنہ ۔

(ب) اذکروا الاقوال فی نجاسۃ الماء الفاضل من وضوء المرأة وعدمھا مع الجواب عن الحدیث المذکور ممن یقول بعدم نجاستھا ۔

(ج) ھل یجوز للمرأة ان تتوضأ بفضل وضوء الرجل ۔ (۲۰)
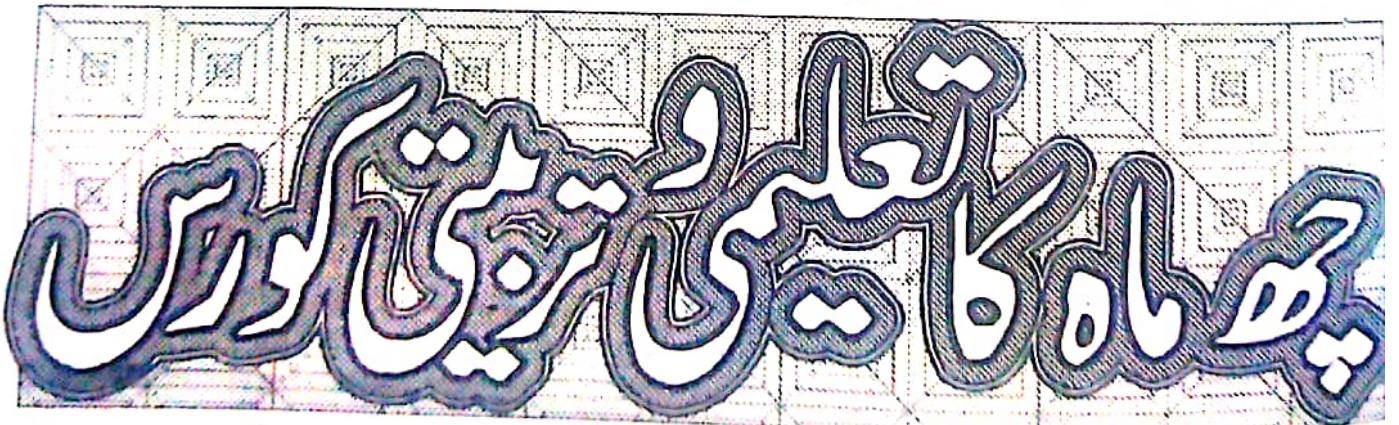
۹۔ بَابُ المَسَحِ عَلَی الخُفین

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:---

حضرت امام بخاری نے: باب المسح علی الخفین. کے تحت سیدنا سعدؓ بن ابی وقاص، سیدنا مغیرہؓ بن شعبہ اور سیدنا عمرو بن امیہؓ کی احادیث مقدسہ کو متعدد اسناد کے ساتھ تخریج فرمایا ہے. ان تمام احادیث مقدسہ سے صرف مسح علی الخفین کی شرعی حیثیت ثابت ہوتی ہے. بقیہ احکام کے اثبات سے احادیث الباب خاموش ہیں.

حضرت امام مسلم نے: باب المسح علی الخفین، باب التوقیت فی المسح علی الخفین. کے عناوین کے ضمن میں جہاں مسح الخفین کی شرعی حیثیت کو احادیث مقدسہ سے ثابت فرمایا ہے. وہاں سیدہ عائشہؓ اور سیدنا علیؓ کی روایات مبارکہ سے: توقیت مسح کے شرعی حکم کو بھی واضح کیا ہے. جو مسلک جمہور، مسلک حنفیہ کے مطابق ہے.

حضرت امام نسائی نے: "مسئلہ الباب" پر کئی عنوانات: باب المسح علی الخفین، باب المسح علی الخفین فی السفر، باب التوقیت فی المسح، التوقیت فی المسح علی الخفین للمقیم. قائم فرمائے ہیں. اور ان میں سیدنا جریرؓ، سیدنا عمروؓ بن امیہؓ، سیدنا اسامہؓ، سیدنا بلالؓ، سیدنا سعدؓ بن ابی وقاص، سیدنا مغیرہؓ بن شعبہ، سیدنا صفوانؓ بن عسال، سیدنا علیؓ اور سیدہ عائشہؓ کی روایات مطہرہ کو درج فرمایا ہے. اور ان سے وہ تمام احکامات ثابت ہوتے ہیں. جو آگے بالتفصیل آرہے ہیں. مذکورہ احادیث مقدسہ سے جو احکام ثابت ہو رہے ہیں. ان تمام میں مسلک حنفیہ انہیں کے موافق ہے.

حضرت امام ابوداؤد نے: چار (۴) عنوانات: باب المسح علی الخفین، باب التوقیت فی المسح، باب المسح علی الجوربین، باب کیف المسح. کے تحت خاصی تعداد میں احادیث کو تخریج فرمایا ہے. جن سے "مسئلہ الباب" کے تمام احکامات ثابت ہو رہے ہیں. نیز "اقوال ابوداؤد" کے ذریعے حضرت امام نے نہایت وقیع محدثانہ اور فقیہانہ گفتگو فرمائی ہے. جس کی تفصیلی وضاحت آئندہ کے ایڈیشن میں شامل ہو سکے گی.

حضرت امام ترمذی نے حسب دستور ہر ایک مسئلہ پر علیحدہ علیحدہ عنوان قائم فرمایا ہے. مثلاً: باب المسح علی الخفین، باب المسح علی الخفین للمسافر و المقیم، باب فی المسح علی الخفین اعلاہ و اسفلہ، باب فی المسح علی الخفین ظاہرہما، باب فی المسح علی الجوربین و النعلین. اور ہر ایک عنوان کے ذیل میں بہت ہی عمدہ محدثانہ اور فقیہانہ تقریر فرمائی ہے. جس سے مسلک حنفیہ کی بھرپور تائید ہوتی ہے.

حضرت امام مالک نے: ماجاء فی المسح علی الخفین، العمل فی المسح علی الخفین. کے ضمن میں "مسئلہ الباب" پر روایات کو نقل فرمایا ہے.

حضرت امام محمد نے : **باب المسح علی الخفین** . کا عنوان قائم فرما کر اس کے ضمن میں متعدد احادیث اور آثار کو روایت فرمایا ہے . باب کے آخر میں حضرت امام اعظم کے مسلک کو بیان فرما کر اس کو احادیث مذکورہ کے موافق قرار دیا ہے . فرماتے ہیں :

قال محمد وبهذا كله ناخذ وهو قول ابی حنیفه .

حضرت امام ابن ماجہ نے : **باب ماجاء فی المسح علی الخفین ، باب فی مسح اعلی الخف و اسفله ، باب ماجاء فی التوقیت فی المسح للمقیم و المسافر ، باب ما جاء فی المسح بغیر توقیت ، باب المسح علی الجوربین و النعلین** . ان ابواب کے تحت بیسیوں احادیث مقدسہ کو نقل فرما کر مسلک جمہور کو احادیث مقدسہ سے مدلل اور منور کر دیا ہے .

حضرت امام طحاوی نے : **باب المسح علی الخفین کم وقته للمقیم و المسافر** . کے تحت توقیت مسح کی روایات کو بالتفصیل بیان کیا ہے . اور فریق ثانی کی موید روایات اور ان کے جوابات کو نہایت عمدگی سے بیان فرما کر مسلک حنفیہ کو احادیث مقدسہ اور دلائل نظریہ سے راجح قرار دیا ہے .

(۲) مسح کی شرعی حیثیت :--

علامہ بدرالدین عینی : امام اہل سنت سیدنا حسن بصری کا قول نقل فرماتے ہیں : کہ میں نے ستر (۷۰) اہل بدر ، اکابر صحابہ کو : خفین پر مسح کر کے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے -

(۲) امام اعظم امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں : **ماقلت بالمسح علی الخفین حتی جاء نی الاثار فیه مثل ضوء النهار .**

نیز حضرت امام اعظم نے : " مسح علی الخفین " کو اہل سنت والجماعت کی پہچان قرار دیا ہے . فرمایا : **نحن نفضل الشیخین و نحب الختنین و نری المسح علی الخفین .**

(۳) امام عزیمت سیدنا احمد بن حنبل فرماتے ہیں : مجھے " مسح علی الخفین " کے بارے میں : چالیس (۴۰) صحیح ، مرفوع اور موقوف احادیث مقدسہ یاد ہیں -

(۴) امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے : " مسح علی الخفین " کی روایات مبارکہ سادات محدثین کی تحقیق کے مطابق : " متواتر " ہیں -

(۵) امام ابوالحسن کرخی کا فتوی ہے : **انی اخاف الکفر علی من لم یری المسح علی الخفین .**

(۶) علامہ بدرالدین عینی نے : ناقلین مسح علی الخفین کی تعداد اسی (۸۰) سے زیادہ نقل کی ہے -

حضرات ائمہ اربعہ اور جملہ فقہاء و محدثین اہل سنت کے ہاں : " مسح علی الخفین : مشروع " بھی ہے . اور " مسنون " بھی .

خوارج ، معتزلہ اور روافض : " مسح علی الخفین " کے " منکر " ہیں -

صاحب سعایہ فرماتے ہیں: لاینکرہ الا ضال خارج عن جماعۃ المسلمین۔

(۳) توقیت مسح میں مسالک فقہاء:۔۔

علامہ ابن العربی نے: توقیت مسح میں چھ (۶) اقوال کا تذکرہ فرمایا ہے۔ لیکن ان میں سے دو (۲) انداز امت میں "معمول بھا" ہیں:

(۱) امام اعظم امام ابوحنیفہ ر امام شافعی ر امام احمد ر حضرات حنفیہ ر اور جمہور صحابہؓ و تابعین اور تمامی محدثین: اس امر پر متفق ہیں: کہ مسافر کے لئے: تین (۳) دن ر تین (۳) رات۔ اور مقیم کے لئے: ایک (۱) دن ر ایک (۱) رات کی مدت شرعا مقرر ہے۔

(۲) امام مالک اور علامہ ابن تیمیہ کے ہاں: مقیم اور مسافر کے لیے: مسح کی کوئی مدت مقرر نہیں۔ موزے کو ایک مرتبہ پہننے کے بعد مقیم اور مسافر جتنی مدت تک چاہیں موزوں پر مسح کرسکتے ہیں۔

(۴) دلائل جمہور:۔۔

ایسی احادیث مقدسہ جن میں مسافر اور مقیم کے لئے: ایک مخصوص مدت کا تعین کیا گیا ہے۔ ان کی تعداد پینتالیس (۴۵) سے زائد ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) حدیث الباب: عن صفوان بن عسالؓ قال رخص لنا النبی اذا کنا مسافرین ان لاننزع خفافنا ثلثہ ایام ولیالیھن۔ (اخرجہ النسائی و الترمذی و غیرھما)

امام نسائی نے: مذکورہ روایت پر: "التوقیت" کا باب قائم فرمایا ہے۔ نیز اسے دو (۲) اسناد اور تین (۳) احادیث مرفوعہ سے موید کیا ہے۔

امام ترمذی نے: اس روایت کو: "حسن صحیح" فرمایا ہے۔

(۲) فرمان شارع: عن شریح قال: اتیت عائشہؓ فقالت: علیک بعلیؓ۔ فاسئلہ فانہ کان یسافر مع رسول اللہ۔ فقال علیؓ: جعل رسول اللہ ثلاثۃ ایام و لیالیھن للمسافر و یوما و لیلۃ للمقیم۔ (رواہ مسلم و غیرہ من اصحاب الصحاح)

(۳) ارشاد شارع: عن ابی بکرہ عن النبی انہ: رخص للمسافر ثلاثۃ ایام و لیالیھن و للمقیم یوما و لیلۃ۔ (اخرجہ دار قطنی و الحاکم و صححہ)

(۵) دلائل مالکیہ:۔۔

حضرت امام مالک اپنی تائید میں: مندرجہ ذیل تین (۳) روایات پیش فرماتے ہیں:

(۱) اثر خزیمہؓ: عن خزیمہؓ عن النبی قال: للمسافر ثلاثۃ ایام و للمقیم یوما و لیلۃ۔ قال خزیمہؓ: لو

استزدناه لزادنا. (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ و غیرہما)

(۲) قول شارع: عن ابی ابی عمارہ انہ قال: یارسول اللہ! امسح علی الخفین؟. قال: نعم. قال یوما قال و یومین. قال و ثلاثہ. قال: نعم. و ما شئت. (فی روایہ) حتی بلغ سبعا. (رواہ ابوداؤد)

(۳) قول حضرت عمرؓ: حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان فرماتے ہیں: میں جمعہ کے روز ملک شام سے روانہ ہوا. ایک ہفتہ کے سفر کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ کی خدمت میں مدینہ طیبہ پہنچا. آپ نے پوچھا! کہ تم نے موزے کب پہنے؟

میں نے جوابا کہا: سابقہ جمعہ کے دن. آپ نے فرمایا: آج بھی جمعہ ہے. اصبت السنہ. کہ تیرا ایک ہفتہ تک موزے پہنے رکھنا سنت کے عین مطابق ہے۔

(۶) جوابات دلیل اول:۔۔

(۱) ضعیف: علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں: سیدنا خزیمہؓ کا اضافی جملہ: لو استزدناہ لزادنا. صحیح سند سے ثابت نہیں. اس لئے: سادات محدثین کے ہاں: یہ جملہ "ضعیف" ہے۔

(۲) ظن صحابیؓ: علامہ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ: سیدنا ابن خزیمہؓ کا انفرادی اجتھادی ظن احادیث صحیحہ سے تعارض کے سبب "مرجوح" ہے۔

(۳) علامہ قاضی شوکانی فرماتے ہیں: کہ کلمہ "لو" کلام عرب میں برائے: "انتفاء ثانی ر بسبب انتفاء اول" مستعمل ہے. یعنی ہم حضرات صحابہؓ نے: چونکہ مزید وقت طلب نہیں کیا تھا. اس لیئے حضور انور نے مزید وقت عطا نہیں فرمایا تھا.

(۴) منسوخ: بعض علماء کے ہاں: ابتداء میں حکم مسح: غیر موقت تھا. بعد میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے اس کی تحدید فرمادی۔

(۷) دلیل ثانی کے جوابات:۔۔

(۱) سند متکلم فیہ ضعیف: امام بخاری ر امام ابوداؤد ر امام احمد اور تمام سادات محدثین کے ہاں: "حدیث الباب" تین (۳) راویوں کے سبب نہ صرف "ضعیف" ہے. بلکہ نہایت "مجروح" ہے۔

(۲) تابید مسح بطریق مشروع: حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ: سفر میں جب تک جی چاہے طریق مشروع کے مطابق: "خفین" پر مسح کرتے رہو. اور طریق مشروع احادیث توقیت میں مذکور ہے: کہ ہر تین (۳) دن بعد دوبارہ طہارت حاصل کرکے موزے پہن لئے جائیں. خواہ مسح کا یہ عمل: ایک سال تک جاری رہے۔

(۳) بحالت عذر: یہ حدیث ایک واقعہ جزئیہ ہے جو حالت "عذر" پر محمول ہے۔

(۸) دلیل ثالث کے جوابات :---

(۱) مطلق سنیت مسح : حضرت فاروق اعظمؓ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ : " مسح علی الخفین : سنت نبوی ہے. اور آپ کا یہ عمل سنت کے عین موافق ہے -

(۲) رجوع عمرؓ : سیدنا عمر فاروقؓ کا رجوع ثابت ہے. کیونکہ آپؓ نے اپنے صاحبزادے حضرہ عبد اللہؓ کو فرمایا تھا : یا بنی ! للمسافر ثلاثۃ ایام و لیالیھا و للمقیم یوم و لیلۃ.

(۹) قول ترمذی کی توضیح :---

امام ترمذی اس حدیث کی سند پر عدم صحت کا حکم لگا رہے ہیں. جسے امام ابوداوٗد نے : سنن میں نقل فرمایا ہے : یعنی سیدنا خزیمہ کا " اثر : منقطع " ہے -

کیونکہ ابراہیم نخعی کا ابو عبد اللہ الجدلی سے حدیث المسح کا سماع ثابت نہیں. لہٰذا سنن ابوداوٗد میں موجود سیدنا خزیمہؓ کا " اثر : منقطع " ہے. گویا امام ترمذی : اس عبارت سے حضرت امام مالک کے مسلک اور انکی پیش کردہ دلیل کو رد فرمارہے ہیں -

(۱۰) محل مسح میں مسالک :---

امام اعظم امام ابوحنیفہ ر امام احمد ر حضرات حنفیہ ر امام اوزاعی ر علامہ داوٗد ظاہری اور جمہور فقہاء و محدثین کا مسلک یہ ہے : کہ محل مسح فقط ظاہر خفین (پاوٗں کا بالائی حصہ) ہے. اسفل الخفین (پاوٗں کی تلیوں) پر مسح : نہ ہی واجب ہے. اور نہ ہی مستحب -

(۲) امام شافعی اور امام مالک فرماتے ہیں : کہ خفین کے ظاہر و باطن دونوں پر مسح کرنا ضروری ہے. جب کہ امام شافعی کے ہاں : اگر صرف ظاہر پر مسح کیا. تو کافی ہے -

(۱۱) دلائل جمہور :---

(۱) حدیث الباب : عن علی قال : لو کان الدین بالرای لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ. و لکن رایت رسول اللہ یمسح علی الخفین علی ظاہرہما. (رواہ ابوداوٗد و غیرہ)

امام ابوداوٗد نے : " حدیث مذکور " پر : باب کیف المسح. کا عنوان قائم فرماکر اسے پانچ (۵) اسناد سے نقل فرمایا ہے. اور یہ حدیث مبارک کئی جھتوں سے مسلک احق کی موید ہے :

(۱) بوجہ فرمان باب العلم سیدنا علیؓ.

(۲) حضور انور کا عمل مبارک.

(۳) سیدنا علیؓ کا ذوق اتباع سنت.

(۴) فریق ثانی کی دلیل کا رد. کہ سیدنا علیؓ نے فریق ثانی کے قول کو: "معارض سنت" فرماکر رد فرمادیا ہے

(۲) حدیث الباب: عن مغیرہ بن شعبہؓ قال: رایت النبی یمسح علی الخفین علی ظاہرہما. (رواہ الترمذی و ابوداؤد و احمد و غیرہم من المحدثین)

(۳) حکم شارع: عن عمرؓ ان النبی امران یمسح علی الخفین علی ظاہرہما. (اخرجہ دار قطنی و غیرہ)

(۱۲) دلیل ائمہ: ---

حدیث الباب: عن مغیرہ بن شعبہؓ ان النبی: مسح اعلی الخف و اسفلہ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

(۱۳) جوابات دلیل: ---

(۱) حدیث معلول: امام ترمذی حدیث مذکور کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: کہ یہ "حدیث: معلول" ہے

(۲) غیر صحیح: امام ترمذی اس جملے کے بعد فرماتے ہیں: کہ میں نے امام بخاری اور امام ابوزرعہ سے: حدیث الباب کے بارے میں پوچھا تو ان دونوں حضرات نے حدیث الباب کو: "غیر صحیح" قراردیا. کیونکہ اس حدیث کی سند خاصی مجروح ہے۔

(۳) علل خمسہ: سادات محدثین فرماتے ہیں: کہ اس حدیث میں پانچ (۵) طرح کے "علل" ہیں:

(۱) جناب ثور بن یزید کی ملاقات: حضرت رجاء بن مغیرہؓ سے ثابت نہیں (سنن ابوداؤد)

(۲) پھر حضرت رجاء بن مغیرہؓ کی ملاقات: محترم کاتب سیدنا مغیرہؓ: "حضرت رواد" سے ثابت نہیں. (جامع الترمذی)

(۳) محترم کاتب مغیرہؓ: "سیدنا رواد" ایک مجہول شخص ہیں۔

(۴) جناب ولید بن مسلم سادات محدثین کے ہاں: "مدلس" ہیں۔

(۵) حدیث مذکور: "منقطع" بھی ہے اور "مرسل" بھی۔

(۴) مراد اسفل جانب اصابع: اگر حدیث مذکور کو صحیح تسلیم کرلیا جائے. پھر بھی: "اعلی الخف و اسفلہ" سے: "خفین" کا ظاہر و باطن (بالائی اور اندرونی حصہ) مراد نہیں. بلکہ "ظاہر خف" کی دو (۲) طرفیں مراد ہیں: "اعلی الخف" سے: پنڈلی والا حصہ. اور "اسفل الخف" سے: انگلیوں والی جانب مراد ہے۔

(۵) ظن صحابیؓ: شیخ الہند فرماتے ہیں کہ: حضرت صحابیؓ نے عمل حضرت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو روایت کیا ہے. حضور انور کے قول کو نہیں.
یعنی آپ نے اپنے موزے مبارک کو درست کرنے کے لیے: "اسفل خف" پر بایاں ہاتھ رکھ کر "اعلی الخف" پر مسح فرمایا. جسے حضرت صحابیؓ "اعلی الخف و اسفلہ" سے تعبیر فرمارہے ہیں۔

(۶) شذوذ سند: حدیث مذکور (سیدنا مغیرہؓ بن شعبہ) تقریبا ساٹھ (۶۰) طرق سے مروی ہے. جن میں سے صرف اسی ایک (۱) طریق میں: "اسفلہ" کا ذکر ہے. اصول حدیث کے قاعدہ کے مطابق: یہ سند: "شاذ" ہے. اور "شاذ سند" ناقابل حجت ہوتی ہے۔

(۱۴) مقدار محل مسح میں اقوال:--

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ کے ہاں: کم از کم تین (۳) انگلیوں سے مسح کرنا ضروری ہے.
(۲) امام شافعی فرماتے ہیں: کہ انگلیوں کی تعداد متعین نہیں جسے مسح کہا جاسکے: وہ انداز درست ہے.
(۳) امام مالک فرماتے ہیں: کہ موزے پر مکمل ہاتھ پھیرنا ضروری ہے.

(۱۵) کیفیت مسح میں اقوال:--

(۱) امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں: کہ دائیں ہاتھ کو دائیں پاؤں کی انگلی پر اور بائیں ہاتھ کو دائیں پاؤں کی ایڑی کے نیچے رکھ کر دائیں ہاتھ کو پنڈلی کی جانب کھینچے.
(۲) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں: کہ دائیں ہاتھ کی کم از کم تین (۳) انگلیوں کو پہلے دائیں پاؤں کی انگلیوں پر رکھ کر اوپر پنڈلی کی طرف کھینچے. پھر ایسے ہی دائیں ھاتھ کو بائیں پاؤں کی انگلیوں پر رکھ کر اوپر کی جانب لے آئے۔

(۱۶) بازاری جورابوں پر مسح کی شرعی حیثیت:--

"خف" اور "جورب" کیا ایک چیز کا نام ہے؟
(یا) دونوں میں کچھ فرق ہے؟
اس کی پہچان کے لئے درج ذیل تعریفات ملاحظہ ہوں:

خف / خفین کی تعریف: وہ موزے: جو مکمل چمڑے کے بنے ہوئے ہوں. ان میں: اون یا کپڑے وغیرہ کی کچھ آمیزش نہ ہو۔

جورب / جوربین کی تعریف: پاؤں کو ڈھانپنے والا ایسا ملبوس: جس میں اون یا کپڑا وغیرہ شامل ہوں.
پھر ان جوربین کی چار (۴) قسمیں ہیں:

(۱) **جوربین مجلدین:** وہ جرابیں جن کے اسفل اور اعلی دونوں حصوں پر چمڑا لگا ہوا ہو. اور بقیہ اطراف میں اون یا کپڑا وغیرہ ہو.

(۲) **جوربین منعلین:** وہ جن میں چمڑا صرف اسفل (تلے) پر لگا ہو. بقیہ تمام اطراف بشمول بالائی حصہ

اون یا کپڑے وغیرہ پر مشتمل ہوں۔

(۳) **جوربین ثخینین:** وہ موٹی جرابیں: جو بغیر چمڑے کے بنائی گئی ہوں۔
ان پر جواز مسح کے لئے حضرات فقہاء نے تین (۳) شرائط متعین فرمائی ہیں:

(۱) **استمساک علی الساق:** کہ بغیر باندھے: وہ جراب پنڈلی پر چمٹی رہے۔

(۲) **المشی فیہ:** جوتی پہنے بغیر: کم از کم تین (۳) میل تک ان جرابوں میں چلنا ممکن ہو۔ اور اس قدر مسافت میں وہ جرابیں پھٹیں نہ۔

(۳) **ثخینین:** وہ جرابیں اتنی ضخیم ہوں کہ: اگر ان پر پانی ڈالا جائے۔ تو تری پاؤں تک نہ پہنچے۔

(۴) **جوربین رقیقین:** عام قسم کی بازاری جرابیں۔ جن میں: "جوربین ثخینین" کی کوئی ایک (۱) یا ایک سے زائد شرائط نہ پائی جائیں۔

پہلی تینوں (۳) طرح کی جرابوں پر بالاتفاق مسح کرنا "جائز" ہے۔

چوتھی نوع: (بازاری جورابوں) پر بالاجماع "مسح: ناجائز" اور "خلاف شرع" ہے۔ اگر مسح کیا گیا تو وضو نامکمل رہے گا۔

ہاں ہمارے زمانہ کے آرام پسند ر آزاد خیال ر دین برداشتہ/ غیر مقلد افراد کے ہاں: بازاری جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

یہ افراد قرآن و سنت اور عقلی و نقلی دلائل سے تو محروم ہیں۔ البتہ ان بازاری جرابوں کو: "خفین" (موزوں) جیسا دیکھ کر: "قیاس فاسد" کے ذریعے: ان جرابوں پر مسح کرنے کو نہ صرف درست سمجھتے ہیں۔ بلکہ اپنے ہم نواؤں کا شعار گردانتے ہیں۔

غیر مقلدین کا یہ قیاس: "دلائل شرعیہ" اور "احادیث نبویہ" کی مخالفت کے سبب نہ صرف: مردود اور مسترد ہے۔ بلکہ قابل مذمت ہے۔

احقر کے نزدیک: حضرت امام ترمذی نے: **اذا کانا ثخینین**۔ کی قید لگا کر غیر مقلدین کی حیثیت کو واضح فرمادیا ہے۔
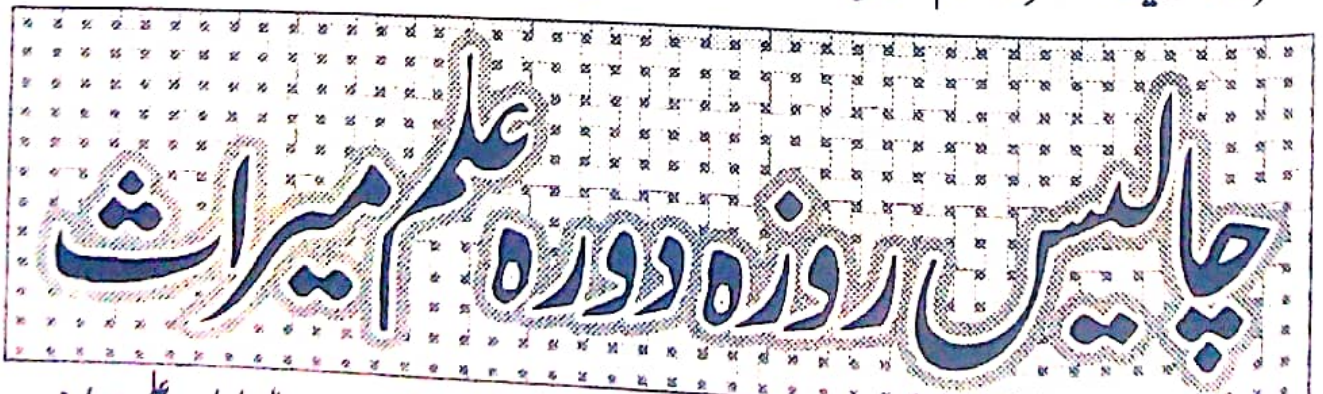
۱۰۔ مسح علی عمامۃ

(۱) مذاہب:

(۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ ، امام مالک ، سیدنا عبداللہ بن مبارک ، امام سفیان ثوری ، حضرات صاحبین اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک پگڑی پر مسح کرنا ناجائز ہے۔

اگر کسی شخص نے پگڑی پر مسح کیا تو یہ شخص تارک رکن ہوگا۔ سر پر مسح نہ کرنے کے سبب وضو نامکمل رہے گا۔

(۲) امام شافعی ، علماء حجاز اور بعض محدثین کے نزدیک پگڑی پر مسح کرنا " مستقلا " تو درست نہیں البتہ " تکمیلا " درست ہے۔

یعنی اداء فرضیت کے لئے سر کے کچھ بالوں پر مسح کرے اور اداء سنت کے لئے ساری پگڑی پر ہاتھ پھیر دے

(۳) امام احمد بن حنبلؒ ، سیدنا حسن بصری ، علامہ داؤد ظاہری اور علماء ظواہر کے نزدیک پگڑی پر مسح کرنے سے رکن اداء ہوجائے گا۔ سر کے بالوں پر مسح کرنا ضروری نہیں۔

پھر ان حضرات سے تعیین شرائط میں تین مختلف فیہ اقوال مروی ہیں۔

(الف) کیا پگڑی تمام سر کو ڈھاپنے ہوئے ہو یا نہ ؟

(ب) کیا پگڑی سر پر باوضو ہو کر باندھی جائے یا نہ ؟

(ج) کیا مقیم کے لئے ایک دن اور مسافر کے لئے تین دن تک مسح کی اجازت ہے یا نہ ؟

(۲) دلائل جمہور:

(۱) ارشاد باری ہے " وامسحوا برؤسکم " (الایہ)

بالاجماع یہ آیت " قطعی الثبوت " بھی ہے اور " قطعی الدلالت " بھی۔ جس سے سر پر مسح کرنے کی فرضیت معلوم ہوتی ہے۔ یقیناً " مسح علی العمامہ ، مسح علی الراس " نہیں۔ کیونکہ عمامہ (پگڑی) غیر راس ہے۔

(۲) وہ جملہ احادیث جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی کیفیت کو نقل کیا گیا ہے اور ان میں " مسح راس " کا بیان ہے۔ عمامہ پر مسح کرنا ثابت نہیں۔

(۳) حدیث الباب: **عن جابر انہ سئل عن المسح علی العمامہ فقال: لا حتی یمس الشعر الماء۔** (رواہ الامام محمد فی الموطا)

یعنی پگڑی پر مسح کرنا اس صورت میں درست ہے کہ جب مسح کرنے سے تری بالوں تک پہنچے (وہ پگڑی نہایت

باریک کپڑے کی ہو)

(۴) دلیل عقلی: اعضاء مغسولہ (چہرہ اور بازو) میں جب انہیں اعضاء کو دھونا ضروری ہے تو "مسح راس" میں بھی سر پر مسح کرنا ہی لازم ہو گا۔

بخلاف مسح علی الخفین کے اسکے جواز میں احادیث متواتر بھی ہیں اور غیر محتمل بھی۔

(۳) دلائل جواز:

(۱) حدیث الباب: عن مغیرہ بن شعبہ قال: توضا النبی ومسح علی الخفین والعمامہ۔ (رواہ الترمذی وغیرہ)

یہ حدیث "مسح علی العمامہ" کے جواز میں نص ہے۔

(۲) عن بلال قال: رایت النبی یمسح علی الخفین والخمار۔

امام نسائی نے مذکورہ روایت کو تین اسناد سے تخریج فرمایا ہے۔ جن میں سے دو میں "الخمار" کا لفظ موجود ہے۔ اور تیسری روایت میں فقط "علی الخفین" کا جملہ مذکور ہے۔

"خمار" کے لغوی معنی ایسے کپڑے کے ہیں: جسے سر ڈھاکنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ خواہ چھوٹا جیبی رومال ہو یا عورت کا دوپٹہ۔

(۳) حدیث الباب: عن جعفر عن ابیہ قال: رایت النبی یمسح علی عمامتہ و خفیہ۔

امام بخاری نے اس روایت کو "باب المسح" میں نقل فرمایا ہے۔

ان تین روایات کے علاوہ "صحیح مسلم" میں: مسح رسول اللہ علی ناصیہ مع العمامہ۔

ابو داؤد میں: مسح علی مقدم راسہ والعمامہ۔

کے کلمات موجود ہیں۔ جن سے پگڑی ر دوپٹہ اور رومال پر مسح کرنے کا جواز معلوم ہو تا ہے۔

(۴) جوابات:

(۱) معلول: علامہ ابن عبدالبر مالکی ر علامہ ابن سید الناس اور علامہ ابن بطال کے نزدیک "احادیث جواز" دو وجوہ سے "ضعیف" ہیں۔

(۱) اضطراب: بعض روایات میں صرف "عمامہ" کا ذکر ہے۔

بعض احادیث میں "ناصیہ و عمامہ"

بعض میں "علی مقدم راسہ والعمامہ"

اور بعض میں "علی الخمار" کے کلمات موجود ہیں۔

(۲) مجہول افراد: ہر حدیث کی سند میں کچھ "رجال" ایسے ہیں۔ جن کا شمار "مجہولین" میں ہوتا ہے۔ اس لئے حضرات محدثین کا یہ مقولہ مشہور ہے:

کہ مسح علی العمامہ کی احادیث "معلول" بھی ہیں اور "ضعیف" بھی۔ **احادیث المسح علی العمامہ کلہا معلولہ وضعیفہ۔**

(۳) منسوخ: امام محمد کی تحقیق یہ ہے کہ "مسح علی العمامہ" کی احادیث "منسوخ" ہیں۔ فرماتے ہیں: بلغنا ان **المسح علی العمامہ کان فترک بالاجماع۔**

(۴) نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے تعارض کے سبب احادیث جواز مرجوح ہیں۔

(۵) بصورت عذر: احادیث بالا حالت عذر پر محمول ہیں۔ مثلاً درد سر یا نزلہ و زکام کے سبب آپ نے پگڑی پر مسح کیا ہوگا۔ گویا پگڑی پر مسح کرنا ایسے ہے جیسے "جبیرہ" (پٹی) پر مسح کیا جائے۔

(۶) اگر سر پر ایسا کپڑا باندھا ہو کہ جس پر مسح کرنے سے تری بالوں تک پہنچے تو مسح درست ہے۔ اس توجیہ کی تائید **مسح علی الخمار** کے جملے سے ہوتی ہے۔

(۷) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: "علی العمامہ" نحوی ترکیب کے اعتبار سے "مسح" سے "حال" ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: "مسح حال کونہ متعمما" یعنی آپ نے سر پر مسح کیا اس حال میں کہ آپ کے سر پر عمامہ بندھا ہوا تھا۔

(۷) احقر کی ناقص رائے میں: احادیث جواز چونکہ سنداً صحیح ہیں اور متعدد اکابر صحابہ سے منقول ہیں۔ اس لئے انہیں ترک کر دینا درست نہیں۔ جب کہ دوسری جانب یہی احادیث صحیحہ چونکہ مفہوماً نصوص قطعیہ، احادیث متواترہ اور قواعد شرعیہ مثلاً عموم بلوی وغیرہ کے معارض ہیں۔ اس لئے انہیں ترک کر دینا لازم ہے۔

لہٰذا دونوں حیثیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اداء فرض کے لیے تو مقدار مفروض کے بقدر بالوں پر مسح کرنا ضروری ہو۔ ہاں اداء سنت کے لئے استیعاب راس کی بجائے "عمامہ" پر مسح کی اجازت دے دی جائے۔ تاکہ احادیث "مسح علی العمامہ" متروک نہ ہوں۔

میری اس توجیہ کی تائید احادیث جواز سے بھی صراحتاً ہوتی ہے۔ کیونکہ وہاں "علی ناصیہ ادخل یدہ تحت العمامہ" (نسائی) اور "علی مقدم الراس" (ابن ماجہ و بیہقی) کے کلمات منقول ہیں۔

نیز قواعد شرعیہ مثلاً "اخبار احاد" سے صرف (سُنیت) ثابت ہوتی ہے۔ اور "خبر واحد" سے کلام اللہ (قرآن مجید) پر زیادتی درست نہیں۔ بھی میرے قول کے مؤید ہیں۔

نیز بعض اکابر علماء احناف نے حضرت امام اعظم کا مسلک بھی میرے اس قول کے موافق نقل کیا ہے۔

(۹) احقر کی تحقیق میں: امام نسائی نے سیدنا بلال کی روایت مقدسہ کو تین اسناد سے نقل فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک سند میں "خمار" کا لفظ موجود ہی نہیں ایسے ہی امام بخاری نے سیدنا عمرو بن امیہ کی روایت مبارکہ کو نقل فرمانے کے باوجود اس پر باب قائم نہیں فرمایا۔ جس کی وجہ علامہ ابن بطال نے یہ تحریر فرمائی:

کہ مذکورہ روایت میں "عمامہ" کا لفظ حضرت امام اوزاعی کی سبقت لسانی کے سبب کتب احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔ دیگر تمام اکابر ائمہ حدیث لفظ "عمامہ" کو نقل نہیں کرتے لہٰذا بوجہ "شاذ" ہونے کے یہ روایت "ناقابل استدلال" ہے۔

۱۱۔ باب الوضوء من النوم

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

امام بخاری اور دیگر تمام مؤلفین کتب حدیث نے "الوضو من النوم" اور "النعاس" کا عنوان قائم فرما کر اس کے ضمن میں مختلف اور متعدد روایات کو نقل فرمایا ہے۔ مثلاً:

امام بخاری نے (ص ۳۴ میں) سیدہ عائشہ اور سیدنا انس بن مالک کی دو روایات کو نقل کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ:

جب تم میں سے کوئی دوران نماز اونگھنے لگے تو مناسب یہ ہے کہ جا کر سو جائے اور بیدار ہونے پر دوبارہ نماز کی تکمیل کرے تاکہ بیدار مغز ہو کر نماز ادا کر سکے۔

(حضرت امام بخاری ان دو احادیث سے یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ "نوم خفیف" اور اونگھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا)

امام نسائی نے (ص ۳۷ میں) دو عنوان "الوضو من النوم" اور "النعاس" قائم فرما کر پہلے عنوان کے ضمن میں سیدنا ابو ہریرہ کی روایت اور دوسرے عنوان کے تحت سیدہ عائشہ کی (صحیح بخاری والی) روایت نقل فرمائی ہے۔

امام نسائی نے اگر چہ عنوان تو "الوضو من النوم" قائم فرمایا ہے۔ جس سے طالب حدیث کا ذہن اس جانب متوجہ ہوتا ہے۔ کہ وہ (امام نسائی) نیند کا شرعی حکم بتلانا چاہتے ہیں کہ آیا نیند ناقض وضو ہے یا نہیں؟

لیکن آپ نے اس عنوان کہ تحت جو روایت نقل فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

نیند سے بیدار ہونے کہ بعد انسان اپنا ہاتھ پانی والے برتن میں اس وقت تک نہ ڈالے۔ جب تک کہ اپنے دونوں ہاتھ دھو نہ لے۔

امام ابوداؤد نے (ص ۲۶ میں) "الوضو من النوم" کے تحت سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا انس، حضرت ابن عباس اور سیدنا علی کی روایات کو تحریر فرما کر خاصی محدثانہ گفتگو فرمائی ہے۔ جس کا حاصل "اعتراضات امام ابوداؤد، جوابات اعتراضات" کے (دو عنوانات کے) ضمن میں آگے مرقوم ہے۔

امام ترمذی نے سیدنا ابن عباس اور سیدنا انس بن مالک کی دو روایات (امام ابوداؤد والی) "الوضو من النوم" کے تحت نقل فرمائی ہیں۔ نیز محدثانہ اور فقیہانہ بحث و تمحیص کے بعد سیدنا امام اعظم کے مسلک کو جمہور علماء و

محدثین کا مسلک قرار دیا ہے۔

امام ابن ماجہ نے "الوضوء من النوم" کے تحت پانچ روایات (سیدہ عائشہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا ابن عباس، حضرت علی اور سیدنا صفوان کی احادیث مقدسہ) کو روایت فرمایا ہے۔

(۲) مذاہب ائمہ:

اس مسئلہ میں حضرات فقہاء امت سے متعدد اقوال منقول ہیں۔

علامہ عینی نے نو، علامہ نووی نے آٹھ اور علامہ ابن رشد نے دس اقوال نقل فرمائے ہیں۔

معروف اقوال درج ذیل ہیں۔

(۱) نیند جس حالت میں بھی ہو "ناقض وضو" نہیں۔

یہ قول امام اوزاعی اور اہل ظواہر (غیر مقلدین) کا ہے۔

(۲) نوم مطلقاً ناقض وضو ہے۔ اس کے قائل امام اہل سنت سیدنا حسن بصری اور امام زہری ہیں۔

(۳) نوم مطلقاً نہ ہی ناقض وضو ہے اور نہ ہی غیر ناقض۔ بلکہ "استرخاء مفاصل و اعضاء" جس نوم سے لازم آئے وہ نوم ناقض وضو ہے۔

پھر "استرخاء" کی تعریف و تحدید میں علماء امت اور فقہاء ملت سے مندرجہ ذیل چار تحقیقی اقوال منقول ہیں۔

(۱) نوم کی دو صورتیں ہیں:

(۱) نوم عمیق (گہری اور مستانی نیند)

(۲) نوم سطحی (اونگھ جیسی معمولی نوعیت کی نیند)

نوم عمیق مطلقاً ناقض وضو ہے۔ اور نوم سطحی مطلقاً ناقض وضو نہیں۔ یہ حضرت امام مالک کا مسلک ہے۔

(۲) نوم اگر ہیئت صلوۃ پر ہو تو ناقض وضو نہیں۔ مثلاً قیام، رکوع، سجود اور قعود کی حالت میں اگر باوضو شخص کو نیند آجائے۔ تو دوبارہ وضو کی ضرورت نہیں۔

اگر نوم غیر ہیئت صلوۃ پر ہو تو ناقض وضو ہے۔ مثلاً

اضطجاعاً (پہلو پر لیٹنا)

تورکاً (سرین کے بل لیٹنا)

استناداً (کسی چیز پر اس طرح ٹیک لگا کر سونا کہ وہ چیز اگر ہٹالی جائے تو آدمی گر پڑے)

استلقاءاً (گدی پر سیدھا لیٹنا)

یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ، حضرات صاحبین، سیدنا سفیان ثوری، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن عباس اور جمہور فقہاء و محدثین کا ہے۔

(۳) اگر نوم اس حالت میں ہو کہ متوضی زمین پر خوب جم کر بیٹھا ہوا ہو تو ایسی نیند ناقض وضو نہیں۔ اس کے علاوہ باقی ہر طرح کی نیند ناقض وضو ہے۔
یہ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے۔
بہر حال قول ثالث کے قائلین کے نزدیک نقض وضو کا دار و مدار "استرخاء مفاصل" اور "غلبہ نوم" پر ہے۔ ان حضرات کے ہاں نوم مطلقا ناقض وضو نہیں۔ بلکہ نوم نقض وضو کا ذریعہ بنتی ہے کیونکہ بحالت نوم خروج ریح کا احتمال رہتا ہے۔ اور "خروج ریح" سے یقیناً وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۳) دلائل احناف:

(۱) حدیث الباب: عن ابن عباس ان رسول اللہ قال: انما الوضوء علی من نام مضطجعا فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ۔ (رواہ ابوداؤد و ترمذی)
اس حدیث مبارک سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ نقض وضو کی علت "استرخاء مفاصل" ہے۔
(۲) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ لیس علی من نام ساجدا وضوء حتی یضطجع فاذا اضطجع استرخت مفاصلہ۔ (رواہ احمد و دار قطنی)
یہاں بھی نقض وضوء کی علت استرخاء مفاصل کو قرار دیا گیا ہے۔
(۳) عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ: لا یجب الوضوء علی من نام جالسا او قائما اوساجدا حتی یضع جنبہ فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ۔ (رواہ البیہقی)
یہ روایت "کثرت طرق و اسناد" کی بنا پر حضرات محدثین کے ہاں "حسن" ہے
(۴) عن علی قال قال رسول اللہ: وکاء السہ العینان۔ فمن نام فلیتوضا۔ (اخرجہ ابوداؤد)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نقض وضو اور عدم نقض وضو کا دار و مدار استرخاء مفاصل اور عدم استرخاء مفاصل پر ہے۔
(۵) عن عمر بن الخطاب انہ قال: اذا نام احدکم مضطجعا فلیتوضا۔ (رواہ الامام مالک)
ان تمام احادیث مقدسہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جس نوم میں "استرخاء مفاصل" لازم آئے وہ نوم ناقض وضو ہے۔ عمومی نیند ناقض وضوء نہیں۔ نیز نوم بذاتہ ناقض وضو نہیں۔ بلکہ "خروج ریح" کے احتمال کی بناء پر ناقض وضو ہے۔

(۴) دلائل مسلک اول:

قائلین مسلک اول سیدنا انس کی حدیث کو اپنی تائید میں پیش فرماتے ہیں: عن انس قال کان اصحاب رسول اللہ ینتظرون العشاء حتی تخفق رؤوسہم ثم یصلون و لا یتوضون۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و مسلم)

اس حدیث مبارک کے علاوہ سیدنا ابن عباس کی روایت جامع ترمذی میں ان حضرات کی مستدل ہے۔
قائلین مسلک ثانی: سیدنا صفوان بن عسال کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں: عن صفوان بن عسال قال کان رسول اللہ یامرنا.... ولکن من غائط و بول و نوم۔ (رواہ الترمذی وغیرہ)
حدیث مذکور میں نوم ر بول اور غائط کو ایک ہی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے۔ بول اور غائط جب ہر حالت میں ناقض وضوء ہیں تو نوم کو بھی مطلقاً ناقض وضو ہونا چاہیئے۔
(۵) جوابات حدیث مسلک اول: (۱) علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ حدیث الباب کے اگر جملہ طرق کو سامنے رکھا جائے تو حضرات صحابہ کی مندرجہ ذیل تین حالتیں معلوم ہوتی ہیں۔
(۱) بعض حضرات صحابہ انتظار نماز صف میں بیٹھے ہوئے سو جاتے تھے۔ جیسا کہ "حتی تخفق رؤوسھم" کے کلمات سے واضح ہے۔ کیونکہ "خفق رؤوس" (گردن جھکانا، اونگھنا) بحالت انتظار ہی ہوا کرتا ہے۔
(۲) بعض سادات صحابہ پہلو کے بل لیٹ جاتے تھے جیسا کہ "یضعون جنوبھم" کے کلمات سے ظاہر ہے۔ پھر ان حضرات کی دو کیفیتیں تھیں۔ ان میں سے بعض کی نیند ایسی مستغرق ہوتی کہ خراٹوں کی آواز سنی جاتی تھی جیسا کہ "لا سمع لاحدھم غطیطا" کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات کی نیند ایسی تھی جو مستغرق نہ تھی۔
ان میں سے پہلی اور تیسری کیفیت والے حضرات صحابہ اپنی ایسی نیند کے بعد وضو نہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ "ومنھم من لایتوضا" کی عبارت سے واضح ہے۔ جبکہ دوسری کیفیت والے حضرات (جو پہلو کے بل لیٹ جاتے تھے) وضو فرمایا کرتے تھے جیسا کہ "منھم من یتوضا" سے ظاہر ہے۔
(۲) تمام احادیث کو معمول بہا بنانے کے لئے یہ تاویل کی جائے کہ: یہ نوم نوم مستغرق اور عمیق نہ تھی بلکہ خفیف تھی۔ جس پر قرینہ یہ کہ یہ حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے انتظار میں صف در صف جلوہ گر ہوتے تھے۔ یقیناً بحالت انتظار آجانے والی نیند وقتی اور خفیف ہو گی۔
مسلک ثانی کی دلیل کا جواب یہ ہے: کہ حضرت صفوان کی حدیث میں لفظ نوم سے "نوم مستغرق" مراد ہے۔ تاکہ جملہ احادیث معمول بہا ہو سکیں۔ یقیناً نوم مستغرق اور بول و غائط کا حکم ایک ہے اور یہ تینوں اسباب ناقض وضو ہیں۔

(۶) وجوہ ترجیح: قائلین مسلک ثالث میں سے پھر سیدنا امام اعظم کا مسلک درج ذیل وجوہ سے راجح ہے۔
(۱) استرخاء مفاصل کی جو تعریف علماء احناف سے منقول ہے یہی تعریف انہی کلمات کے ساتھ احادیث و نصوص سے ثابت ہے۔ یقیناً جو تعریف "مؤید بالنص" ہو وہ اجتہادی تعریف سے راجح ہوگی۔
(۲) مسلک حنفیہ میں "جامعیت" ہے جس کی وجہ سے تمام احادیث "معمول بہا" ہو جاتی ہیں۔
(۳) فقہ و نظر: احقر کے نزدیک : ۔ ۔ ۔ ______

(الف) امام بخاری اور امام نسائی نے " الوضوء من النوم " اور " النعاس " کے عنوانات کے ضمن میں سیدہ عائشہ کی جس روایت کو نقل کیا ہے۔ اس سے بھی مسلک حنفیہ کی بھرپور تائید ہوتی ہے۔
(ب) امام بخاری نے ترجمہ الباب میں یہ قول: " من لم یر من النعسہ " کہ اونگھ اور معمولی نوعیت کی نیند سے وضو لازم نہیں۔ روایت فرما کر اپنی رائے اور مسلک حنفیہ کو یکساں قرار دیا ہے۔
(ج) امام ترمذی نے اکثر علماء، فقہاء اور محدثین کا مسلک حضرات حنفیہ کے قول کے موافق نقل فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:
رای اکثرھم انہ لا یجب علیہ الوضوء .... و بہ یقول الثوری و ابن المبارک۔

(۶) استراحت انبیاء کا شرعی حکم:

حضرات انبیاء علیہم السلام کی نیند ناقض وضوء نہیں۔ کیونکہ یہ حقیقت حضرات فقہاء کے ہاں مسلم ہے: کہ نوم فی ذاتہ ناقض وضوء نہیں۔ بلکہ بوجہ " استرخاء مفاصل " اور " خروج ریح " کے احتمال کے سبب ناقض وضو ہے۔

حضرات انبیاء کے قلوب اطہار ہمہ دم شاغل اور ذاکر رہتے ہیں۔ جس کے سبب انہیں وضوء کے تحقق اور عدم تحقق کا علم رہتا ہے۔ نیز عام لوگوں کی نیند اس لئے ناقض وضو ہے کہ سوتے ہوئے ان کے دل و دماغ پر غفلت اور بے حسی غالب ہو جاتی ہے جبکہ نوم انبیاء قلوب و اذہان پر غالب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ " تنام عینای ولا ینام قلبی " کی حدیث سے ظاہر ہے۔

اعتراضات امام ابوداؤد کا حاصل:

امام ابوداؤد نے حدیث الباب " الوضوء علی من نام مضطجعا " پر درج ذیل پانچ اعتراضات کے ذریعے حدیث الباب کو " منکر " قرار دیا ہے۔
(۱) سیدنا قتادہ کے تلامذہ میں سے صرف " جناب یزید دالانی " حدیث الباب کے آخری جملہ " الوضوء علی من نام مضطجعا " کو نقل کرتے ہیں۔ اور جناب یزید دالانی ایک ضعیف راوی ہیں۔ جبکہ باقی تمام ثقہ رواہ سیدنا ابن عباس کے سوال " صلیت ولم یتوضا " اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب " انما الوضوء علی من نام مضطجعا " کو نقل نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ آخری جملہ ثقہ روات کی مخالفت کے سبب " شاذ، منکر " ٹھہرا۔
(۲) سیدنا ابن عباس کے سوال " صلیت ولم یتوضا " اور جواب " انما الوضوء علی من نام مضطجعا " کو سیدنا ابو العالیہ کے سوا کسی نے نقل نہیں کیا۔ اور جناب ابوالعالیہ ایک غیر ثقہ راوی ہیں۔
(۳، ۴) حدیث الباب کے آخری جملہ " الوضوء علی من نام مضطجعا " سے معلوم ہوتا ہے کہ: اگر حضور انور بھی " مضطجعا " لیٹیں تو آپ کو بھی دوبارہ وضو کرنا پڑے۔

حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ: انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں۔
کیونکہ سیدنا ابن عباس کی یہ روایت کتب حدیث میں موجود ہے: "کان النبی محفوظا" (کہ حضور انور دوران استراحت لحوق حدث سے محفوظ و مامون تھے)
نیز سیدہ عائشہ حضور انور سے خود روایت کرتی ہیں: "تنام عینای ولاینام قلبی" کہ میری آنکھیں آرام کرتی ہیں۔ جبکہ میرا دل نہیں سوتا۔
لہٰذا احدیث الباب کا یہ آخری جملہ "الوضوء علی من نام مضطجعا" ان مذکورہ دو احادیث نیز اجماعی ضابطہ (کہ انبیاء کی نیند ناقض وضوء نہیں) سے تعارض کے سبب "منکر" اور ناقابل تسلیم ہے۔
(۵) سیدنا شعبہ فرماتے ہیں کہ: سید نا قتادہ نے حضرت ابوالعالیہ سے کل چاراحادیث سُنی تھیں۔ جنہیں امام ابوداؤد نے سنن میں تحریر فرمایا ہے اور حدیث الباب ان میں نہیں۔ لہٰذا حدیث الباب "منکر" بھی ہے۔ اور "منقطع" بھی۔

اعتراضات بالا کے جوابات:

پہلے اعتراض کے جوابات کا خلاصہ کچھ یوں ہے: (۱) — یزید دالانی کو ضعیف قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ جناب یزید دالانی کئی اکابر محدثین کے ہاں نہ صرف "ثقہ" ہیں۔ بلکہ کئی جلیل القدر حضرات محدثین کے مایہ ناز استاذ ہیں
لہٰذا جناب یزید دالانی کا بیان کردہ جملہ "صحیح" بھی ہے۔ اور قابل استدلال بھی۔
(۲) امام ذہبی نے حدیث الباب کو "حسن" قرار دیا ہے۔
(۳) اگر چند "ثقہ رواہ" کسی حدیث کو نامکمل روایت کریں۔ اور ان کے ہم عصر اور ہم سبق کچھ اور ثقہ رواہ اسی حدیث کو مکمل روایت کر دیں تو بالاجماع یہ مکمل روایت "حجت" بھی ہوگی اور قابل عمل بھی۔ کیونکہ "ثقہ رواہ" کی تفصیلی روایت بالاجماع معتبر ہے۔
(۴) دلائل احناف کے ذیل میں آمدہ کئی صحیح اور حسن احادیث کی تائید کے سبب حدیث الباب "صحیح" بھی ہے اور "حسن" بھی۔
دوسرے اعتراض: سے بھی حدیث الباب کو "منکر" قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ سید نا ابوالعالیہ علماء جرح و تعدیل کے ہاں "ثقہ" ہیں۔ مثلاً علامہ ابوحاتم ر امام ابوزرعہ اور امام ابن معین نے سیدنا ابوالعالیہ کی توثیق کی ہے۔
لہٰذا حدیث الباب کا آخری جملہ "منکر" نہیں بلکہ "ثقہ روای" جناب ابو العالیہ کے بیان کرنے کی وجہ سے مستند اور لائق حجت ہے۔
اعتراض ثالث اور رابع کا جواب یہ ہے کہ حدیث الباب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب علی اسلوب الحکیم عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ سیدنا ابن عباس کا سوال تو فقط آپ سے آپ ہی کی نیند کے بارے میں تھا۔

لیکن آپ نے بحیثیت شارع اور مقنن حقیقی ہونے کے ایک ضابطہ وکلیہ امت مسلمہ کو عطا فرمایا. لہٰذا حدیث الباب اور حدیث سیدہ عائشہ نیز سیدنا ابن عباس کی روایت میں تناقض باقی نہ رہا.

اعتراض خامس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوداوٗد کا حصر کرنا " حصر تقریبی " ہے۔ حصر تحقیقی نہیں کیونکہ امام ترمذی اور امام مسلم نے ایک حدیث " عن قتادہ عن ابی العالیہ " کی سند سے نقل کی ہے. جو ان چار احادیث کے علاوہ ہے. لہٰذا یہ حصر قطعی اور تحقیقی نہیں.

(۲) اگر اس حصر کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی یزید دالانی اور سیدنا ابوالعالیہ چونکہ دونوں ثقہ راوی ہیں. اور وہ دونوں مذکورہ روایت کو نقل کرتے ہیں. لہٰذا حدیث الباب ان دونوں ثقہ راویوں کی روایت کرنے کے بعد درجہ حسن میں ہے اور قابل استدلال ہے.

حدیث منکر کی تعریف: **ماروا‌ه الراوی الضعیف مخالفا للثقات** یعنی وہ حدیث جس کا راوی غیر ثقہ ہو اور وہ " ثقہ رواہ " کی مخالفت کرے۔

ایک طالب علمانہ اشکال: سیدہ عائشہ کی روایت میں ہے کہ: حضور انور کی آنکھیں آرام کرتی ہیں. اور آپ کا قلب اطہر نہیں سوتا. جبکہ لیلۃ التعریس میں حضور انور اور حضرات صحابہ آرام فرما رہے. کسی کو طلوع شمس کا علم نہ ہو سکا. اور نماز فجر قضاء پڑھی گئی۔

اشکال مذکور کے جوابات: (۱) حدیث الباب اور لیلۃ التعریس کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں. کیونکہ سورج نکلنے اور صبح طلوع ہونے کا تعلق رویت و مشاہدہ سے ہے اور رویت کے لئے آنکھوں کا کھلا ہونا ضروری ہے. جبکہ بوقت نیند حضور انور کی آنکھیں مبارک یقیناً آرام کرتی تھیں اور اس آرام کے سبب آپ طلوع صبح کا ادراک نہ فرما سکے اور لیلۃ التعریس کی صبح نماز فجر سورج نکلنے کے بعد ادا کی گئی.

جب کہ بحالت نیند خروج ریح پر مطلع ہونے کا تعلق " ادراک قلب " سے ہے اور آپ کا قلب نہیں سوتا تھا. اس لئے آپ محسوس فرما لیتے تھے کہ بحالت نیند ریح کا خروج ہوا ہے یا نہ؟

یعنی حدیث عائشہ کا محمل " ادراک قلب و باطن " ہے. اور لیلۃ التعریس کی روایات کا محمول " ادراک عین و ظاہر "

لہٰذا حدیث الباب " تنام عینای ولا ینام قلبی " اور " لیلۃ التعریس " کی احادیث میں تعارض نہ رہا.

(۲) **محدثانہ توجیہ اور میں:** احقر کے نزدیک لیلۃ التعریس کا واقعہ معجزہ مصطفوی ہے کہ اللہ تبارک و تعالی نے نبی برحق کے اسوہ حسنہ سے قضاء صلوہ کی عملی تعلیم کا عجیب انداز میں بندوبست فرمایا. کہ تعلیم امت کے لئے آپ کے ایک معجزہ (تنام عینای ولا ینام قلبی) کو وقتی طور پر موقوف کر کے دوسرے معجزہ (قضاء صلوہ کے عملی طریقہ) کو تا قیامت ثبت فرما دیا.

سبحان الله ما اعظم شان محمد وان الآخرہ خير من الاولى

۱۲۔ باب الوضوء من غیر حدث

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

امام بخاری نے: باب الوضوء من غیر حدث. کے تحت سیدنا انس بن مالکؓ اور حضرت سوید بن النعمانؓ کی دو احادیث کو تخریج فرمایا ہے.
امام نسائی نے "مسئلہ الباب" پر: الوضوء لکل صلوہ. کے ضمن میں سیدنا انسؓ ، سیدنا ابن عباسؓ اور سیدنا بریدہؓ کی روایات مقدسہ کو روایت فرمایا ہے.
امام ابوداؤد نے: باب الرجل یصلی الصلوات بوضوء واحد. کے عنوان کے تحت سیدنا انس بن مالکؓ اور سیدنا بریدہؓ کی مذکورہ بالا روایات کو تحریر فرمایا ہے.
امام ترمذی نے حسب معمول "مسئلہ الباب" پر محدثانہ اور فقیہانہ گفتگو فرمائی ہے. اور اس پر: باب ما جاء انہ یصلی الصلوات بوضوء واحد. کا عنوان قائم فرمایا ہے. اور اس کے ضمن میں سیدنا بریدہؓ کی روایت کو مختلف اسناد سے نقل فرما کر اس پر: ھذا حدیث حسن صحیح. کا حکم لگایا ہے.

(۲) مذاہب:

(۱) امام اعظم امام ابوحنیفہ ، امام مالک ، امام شافعی ، امام احمد ، حضرات حنفیہ ، جملہ فقہاء و محدثین اور تمامی اھل اسلام کے نزدیک:
ایک مرتبہ "وضوء" کرنے سے انسان متعدد "نوافل و فرائض" بے وضوء ہونے تک پڑھ سکتا ہے. خواہ یہ باوضوء انسان: مسافر ہو یا مقیم۔
(۲) اھل تشیع اور بعض اھل ظواہر کے نزدیک: مقیم پر ہر فرضی نماز کے لئے نیا وضوء لازم ہے. ہاں مسافر ایک ہی وضوء سے کئی نمازیں اکٹھی ادا کر سکتا ہے۔

(۳) دلائل اھل اسلام:

(۱) حدیث الباب: عن بریدہ قال: عام الفتح صلی النبی الصلوات کلھا بوضوء واحد. (رواہ مسلم و ترمذی و غیرہما)

اس حدیث مبارک پر امام ترمذی اور دیگر محدثین نے: انہ یصلی الصلوات بوضوء واحد. کا عنوان باندھا ہے.

حضور انور کا یہ عمل مسنون گیارہ "اکابر صحابہ" سے مروی ہے. کہ حضور اکرم اور تمامی حضرات صحابہ نے

ایک ہی وضوء سے کئی فرضی اور نفلی نمازیں ادا فرمائیں. لہٰذا یہ مسئلہ "تواتر عمل" سے ثابت ہوا۔

(۲) اجماع امت : امت مسلمہ کے تمامی اھل علم کا اس حقیقت پر "اجماع" ہے کہ : بغیر "حدث" (بے وضوء ہونے) کے مسلمان پر وضوء "واجب" نہیں۔

فرضی نماز کی ادائیگی یقیناً "ناقض وضوء" نہیں. لھذا ایک ہی وضوء سے کئی فرضی اور نفلی نمازیں اداء کی جاسکیں گی۔

(۳) حدیث الباب : عن انس قال : کان احدنا یکفیھم الوضوء مالم یحدث. (رواہ البخاری وغیرہ)

(۴) حدیث الباب : عن جابر ان النبی صلی الظھر و العصر بوضوء واحد. (اخرجہ ترمذی وغیرہ)

امام ترمذی اس حدیث کو باب "انہ یصلی..." کے آخر میں لائے ہیں.

(۴) دلیل اھل تشیع :

(ا) ارشاد باری : **اذا قمتم الی الصلوہ فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم...** (الاٰیۃ)

اقامت نماز سے قبل "وضوء" کا حکم دیا گیا ہے. اس سے قطع نظر کہ انسان بے وضوء ہو یا باوضوء. لہٰذا ہر فرضی نماز کے لیئے نیا وضوء کرنا ضروری ہوگا. لیکن ان کے ہاں : مقیم اور مسافر کے حکم میں تفریق کرنے کے لیئے کوئی دلیل نقلی موجود نہیں.

(۵) جوابات :

(ا) **مجاز بالحذف :** آیت مذکورہ میں "مجاز بالحذف" ہے. تقدیر عبارت یوں ہے : **اذا قمتم الی الصلوہ و انتم محدثون.** جس پر درج ذیل تین قرائن دال ہیں :

(الف) علامہ ابن ھمام فرماتے ہیں کہ : اسی آیت کے آخر میں ہے : **و لکن یرید لیطھرکم.** یقیناً تطہیر حالت حدث ہی میں ہوتی ہے. لہٰذا **و انتم محدثون.** کا جملہ "اقتضاء النص" کے طور پر "محذوف" ہے.

(ب) بالاجماع "وضوء" اصل ہے اور "تیمم" خلیفہ. جب وجوب تیمم میں بالاجماع لحوق حدث شرط ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے : **او جاء احد منکم من الغائط.** یہاں "تیمم" کو "حدث" پر متفرع کیا گیا ہے. تو اصل اور مناب عنہ وضوء میں بھی "حدث" شرط ہوگی.

(ج) آیت مذکورہ کے آخر میں ہے : **و ان کنتم جنبا فاطھروا.** جس کے "دلالہ النص" سے "حدث" کی قید معلوم ہوتی ہے.

(۲) **منسوخ :** حضور اکرم کے ارشادات و عمل سے نص قرآنی "منسوخ" ہے.

(۳) **حکم استحبابی :** "فاغسلوا" کا حکم باوضوء شخص کے لئے "استحباب" پر محمول ہے.

(٦) نظر طحاوی :

امام طحاوی نے "مسئلہ الباب" کو دو طرح سے نظر و فکر کے ذریعے ثابت کیا ہے .

(ا) احداث سے حصول طہارہ کے دو طریقے شرعاً متعین ہیں :

(الف) غسل : "حدث اکبر" کے لیے .

(ب) وضوء : "حدث اصغر" کے لئے .

جس آدمی نے جماع کیا یا "محتلم" ہوا اس پر غسل بالاجماع "مرور وقت" سے نہیں ٹوٹتا . جب تک کہ دوبارہ "حدث اکبر" لاحق نہ ہوجائے ایسے ہی مرور وقت سے وضوء کو بھی نہ ٹوٹنا چاہیے . جب تک کہ کوئی "حدث" (بے وضوئی) لاحق نہ ہو

(۲) مسافر کے بارے میں آپ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ : ایک مرتبہ وضوء کرنے سے کئی فرضی و نفلی نمازیں مسافر پڑھ سکتا ہے البتہ اختلاف مقیم کے بارے میں ہے . جب کہ یہ بات اجماعی طور پر مسلم ہے کہ : ہر وہ چیز جو حالت اقامت میں مقیم کے لئے سبب حدث بنتی ہے بعینہ وہی اشیاء مسافر کے لئے بحالت سفر ذریعہ حدث ہیں مثلاً جماع ، احتلام ، غائط اور بول وغیرہ

نیز خروج وقت "مسح علی الخفین" کی صورت میں ناقض وضوء ہے . خواہ ماسح : مسافر ہو یا مقیم تو ایسے ہی وضوء کے حکم میں بھی مسافر اور مقیم کی تفریق نہ کرنی چاہیے . لہٰذا خروج وقت سے جس طرح بالاجماع مسافر کا وضوء باطل نہیں ہوتا اسی طرح مقیم کا بھی فاسد نہیں ہوگا .

۱۳۔ باب من الکبائر ان لا یستتر

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

حدیث الباب کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے: باب التشدید فی البول۔

امام بخاری نے: باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ۔ اور باب الجرید علی القبر۔ (کتاب الجنائز)

امام مسلم نے: باب الدلیل علی نجاسۃ البول۔

امام نسائی نے: التنزہ عن البول۔

اور امام ابو داود نے: باب الاستبراء من البول۔ کے ضمن میں نقل فرمایا ہے۔

(۲) حدیث الباب کا ترجمہ:

امام بخاری نے حدیث الباب کو نسبتاً زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔ صحیح بخاری میں روایت شدہ کلمات کا حاصل درج ذیل ہے:

سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں: کہ حضور انور (حضرات صحابہ کے ہمراہ) مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ کے باغات میں سے کسی ایک باغ میں سے گذر رہے تھے۔ کہ آپ نے دو آدمیوں کی چیخ و پکار (عذاب قبر) کی آواز سنی۔ جو عذاب قبر میں مبتلا تھے۔

آپ نے (رک کر) فرمایا: کہ یہاں دو انسان عذاب قبر میں ہیں۔ جب کہ ان دونوں افراد کو کسی بڑے گناہ کے سبب عذاب نہیں ہو رہا۔

مزید آپ نے فرمایا: کہ یہ دونوں بڑے گناہ کیوں نہیں؟

کیونکہ ان میں سے ایک پیشاب کے قطرات سے (اپنے جسم اور کپڑے کی) حفاظت نہیں کیا کرتا تھا۔ یا بوقت قضاء حاجت باپردہ جگہ میں نہیں بیٹھتا تھا۔ اور دوسرا شخص چغل خوری کرتا پھرتا تھا۔

پھر آپ نے کھجور کی ایک ہری ٹہنی طلب فرمائی۔ اسے دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ان میں سے ایک حصہ: ایک قبر پر اور دوسرا حصہ: دوسری قبر پر رکھ دیا۔

حضرات صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے اس عمل مبارک میں کون کونسی حکمتیں پنہاں ہیں۔ فرمایا: یقیناً ان دونوں مردوں کے عذاب قبر میں کمی ہو چکی ہے۔ جب تک کہ یہ ہری ٹہنیاں خشک نہ ہو جائیں۔

(اور یہ ٹہنیاں یدبوسی کی سبب یقیناً پر بہار اور ترو تازہ ہی رہیں گی)

امام بخاری نے حدیث الباب پر جو ترجمہ الباب (کتاب الجنائز میں) قائم فرمایا ہے۔ ان میں جو آثار امام

بخاری نے نقل فرمائے ان کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

(۳) صحیح بخاری کے آثار کا ترجمہ:

(۱) سیدنا بریدہ الاسلمی نے بوقت وصال اپنے ورثاء کو وصیت فرمائی: کہ بعد از وفات ان کی قبر پر کھجور کی دوہری ٹہنیوں کو گاڑ دیا جائے۔

(۲) سیدنا عبداللہ بن عمر نے جناب عبدالرحمن بن ابوبکر کی لحد پر ایک خیمہ نصب شدہ دیکھا۔ تو فرمانے لگے: اے لڑکے! اس خیمے کو اتار دو۔ کیونکہ صاحب قبر پر ان کے اعمال صالحہ سایہ فگن ہیں۔ (انہیں اس مصنوعی و ناپائیدار سائے کی ضرورت نہیں)

(۳) سیدنا خارجہ بن زید بیان فرماتے ہیں: کہ مجھے اپنی وہ کیفیت یاد ہے کہ جب ہم ایک عمر کے جوان ہمعصر ساتھی سیدنا عثمان غنی کے زمانہ خلافت میں چھلانگ بازی کیا کرتے تھے۔ ہم ساتھیوں میں سے کامیاب ترین وہ قرار پاتا جو سیدنا عثمان بن مظعون کی قبر پر سے چھلانگ لگاتے ہوئے قبر سے آگے جا کر گرتا۔

(۴) جناب عثمان بن حکیم روایت فرماتے ہیں کہ سیدنا خارجہ بن زید نے میرے ہاتھ کو تھاما اور مجھے ایک قبر پر اپنے ساتھ بٹھادیا۔ نیز اپنے چچا جناب یزید بن ثابت کا ایک قول بھی بیان فرمایا: کہ قبر پر بیٹھنا اس شخص کے لیے مکروہ ہے جو اس پر بول و براز کرے اور محدث (بے وضو) ہو جائے۔

(۵) علامہ نافع سیدنا عبداللہ بن عمر کے بارے میں نقل فرماتے ہیں: کہ آپ عموما قبور طیبہ پر بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے۔

فقاہت بخاری: امام بخاری ان آثار بالا سے کون سا مسئلہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں؟۔ اور ان آثار و حدیث الباب میں کیا مناسبت ہے؟۔

یہ وہ ایک معمہ ہے جسے صحیح بخاری کے شارحین مختلف توجیہات کے ذریعے حل فرما کر آخر میں یہ فرمادیتے ہیں کہ ترجمہ الباب اور حدیث الباب میں صحیح مناسبت ہماری سمجھ اور فہم سے بالا ہے۔ اور ہم امام بخاری کی فقاہت و بصیرت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

بہر حال اکثر محدثین کے ہاں دوسرے تراجم ابواب کی طرح مذکورہ ترجمہ الباب بھی آثار بالا کے مناسب نہیں۔

احقر کے ہاں شاید امام بخاری ان آثار مبارکہ سے یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ مسلمان کو اصحاب قبور سے رابطہ رکھنا چاہیے۔ ان قبور پر جا کر بیٹھنا ر کسی عمل میں مشغول رہنا حضرات صحابہ کے معمولات سے ثابت ہے اور اہل اسلام کو اس سنت پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

(۴) ان دو اہل قبور کا دین مع دلائل:

اس بارے میں حضرات محدثین کی تین آراء ہیں :

(۱) **مشرک ر یہودی** : علامہ ابن مدینی کی تحقیق میں یہ دو قبریں مشرکین یا یہود کی تھیں . جس پر استدلال مندرجہ ذیل تین قرائن سے ہے ۔

(۱) مسند احمد کی روایت میں ہے : " هلكا في الجاهليه " کہ یہ دونوں شخص زمانہ جاہلیت میں ھلاک ہوئے تھے . یقیناً زمانہ جاہلیت میں ہلاک شدگان کفار ہی ہوں گے . جو یا تو مشرکین تھے . یا حجاز کے یہودی ۔

(۲) حدیث الباب میں ہے : " لعله يخفف عنهما مالم ييبسا " یعنی خشک ہونے تک ان دونوں قبروں سے عذاب کی تخفیف ہوجائے گی .

اگر اھل قبور مسلمان ہوتے ۔ توان کے لیے شفاعت تخفیف عذاب کے بجائے مکمل طور پر دفع عذاب کے لئے ہوتی . نیز مومنین کے لئے آپ کی شفاعت بالاجماع مدت معین کی بجائے ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے . جبکہ یہاں پر " مالم ييبسا " کی تحدید ہے ۔

(۲) **مسلمان** : حضرت ملا علی قاری اور بعض محدثین کے نزدیک یہ دو قبریں مسلمانوں کی تھیں . جس پر مندرجہ ذیل پانچ قرائن دال ہیں ۔

(۱) سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے : " مر على قبرين جديدين " یقیناً نئی قبور دورِ اسلام کی ہوں گی . اور اھل قبور " مسلم " ہی ہوں گے ۔

(۲) مسند احمد میں سیدنا ابوامامہ سے مروی ہے : " مر بالبقيع فراى قبرين " اور بقیع مسلمانوں کا قبرستان ہے ۔

(۳) ایک روایت مبارکہ میں ہے : " مر بقبرين من قبور الانصار " ظاہر ہے کہ حضرات انصار مسلم ہی ہیں ۔

(۴) حدیث الباب سے بھی ان دونوں کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے . کیونکہ اگر وہ دونوں کافر ہوتے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے دعا نہ فرماتے ۔

(۵) حضور انور کے فرمان میں " لعل " کا کلمہ : جو امید اور یقین کے معنی میں ہے . ان دونوں کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔

(۳) **مسلم اور مشرک دونوں** : علامہ عینی ر ابن حجر عسقلانی اور جمہور محدثین کے نزدیک حضور اکرم کا یہ عمل دو مختلف مقامات پر رونما ہوا ۔

(۱) حالت سفر میں . غزوہ سے واپسی پر

(۲) مدینہ منورہ . جنت البقیع میں

پہلے واقعہ کے روای : " سیدنا جابر " ہیں . اور یہ دونوں قبریں کفار کی تھیں .

دوسرے قضیہ کے ناقل : سیدنا ابن عباس ر سیدنا ابوہریرہ ر حضرت زید بن ثابت اور دیگر حضرات صحابہ ہیں . اور یہ دونوں قبریں جنت البقیع میں مدفون دو حضرات صحابہ کی تھیں . جنہیں ارتکاب سیات پر عذاب ہو رہا تھا .

اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے۔ کہ سیدنا جابر کی روایت میں عذاب قبر کا ذکر تو ہے۔ سبب عذاب یعنی "بول" (پیشاب سے بچاو) اور "نمیمہ" (چغل خوری) کا تذکرہ نہیں۔
جبکہ سیدنا ابن عباس وغیرہ کی احادیث مقدسہ میں عذاب قبر اور سبب عذاب دونوں کا صراحتا ذکر ہے۔

(۵) لفظ "کبیرہ" کی وضاحت:

حدیث الباب کے جملے: "ما یعذبان فی کبیر" میں لفظ "کبیر" کے تین معانی بیان کیے گئے ہیں۔
(۱) گناہ کبیرہ: یعنی یہ دونوں گناہ "صغیرہ" ہیں "کبیرہ" نہیں۔
(۲) بمعنی مشقت: یہ دونوں کام ایسے نہیں جن سے بچاو۔ انسان کے لئے دشوار اور مشکل ہو۔ بلکہ ان دونوں گناہوں سے بچنا ان دونوں اھل قبور کے لیے آسان تھا۔
(۳) عندھما کبیرہ نہیں: بعض علماء کے نزدیک یہ دونوں اعمال گناہ کبیرہ ہیں۔ پھر اس جملے کا حاصل یہ ہوگا کہ: فی الواقع تو یہ دونوں اعمال کبیرہ تھے۔ لیکن ان دونوں اہل قبور کے خیال میں یہ چھوٹے گناہ تھے۔ بڑے نہ تھے۔ جن اعمال کو یہ صغیرہ گناہ سمجھتے رہے۔ وہ در حقیقت کبیرہ گناہ تھے۔

(۶) اشکال مع جوابات:

صحیح بخاری میں حدیث الباب یوں مروی ہے: "ما یعذبان فی کبیر بلی۔ وانہ لکبیر" حدیث کا دوسرا جملہ "وانہ لکبیر" پہلے جملے "ما یعذبان فی کبیر" سے معارض ہے۔
اس معنوی تعارض کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔
(۱) "انہ" ضمیر کا مرجع عذاب ہے نہ کہ نمیمہ یا بول۔ یعنی یہ دونوں اعمال تو کبیرہ گناہ نہیں۔ البتہ ان اہل قبور کو عذاب بہت زیادہ ہو رہا ہے۔
(۲) کبیر کی نفی: اھل قبور کے زعم کے اعتبار سے ہے۔ جبکہ "کبیرہ" کا اثبات نفس الامر کے اعتبار سے ہے۔ یعنی اہل قبور ان اعمال کو صغیرہ گناہ سمجھتے تھے جبکہ در حقیقت وہ دونوں گناہ بڑے گناہ تھے۔
(۳) علامہ دقیق العید فرماتے ہیں: کہ پہلا "کبیر" لغوی معنی کے اعتبار سے۔ بمعنی "شاق" ہے اور دوسرا "کبیر" اصطلاحی معنی میں ہے۔ یعنی ان دونوں اعمال سے بچاؤ مشکل نہ تھا لیکن یہ دونوں اعمال گناہ کبیرہ میں سے تھے

(۷) "مالم ییبسا" کی وضاحت:

حدیث الباب کے جملہ "مالم ییبسا" کی تحدید میں علماء سے تین اقوال منقول ہیں۔
(۱) علامہ قرطبی فرماتے ہیں: کہ حضور انور نے خود ایک خاص مدت تک رفع عذاب یا تخفیف عذاب کی

شفاعت فرمائی تھی. جو منظور ہوئی.

(۲) علامہ مازری کی تحقیق یہ ہے: کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بواسطہ وحی یہ بتایا گیا کہ آپ ایک متعین مدت تک کے لئے شفاعت فرمائیں. اور وہ مقبول ہو گئی.

(۳) بعض علماء کے نزدیک درخت اور سبزہ خشک ہونے تک رب ذوالجلال کی تسبیح کرتے ہیں. لہٰذا انکی تسبیح سے اھل قبور کے عذاب میں تخفیف رہتی ہے.

نظر و فکر: اس آخری توجیہ سے حضرات فقہاء اور سادات اہل کشف نے یہ مسئلہ استنباط کیا: کہ قبور طیبہ پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا ر تسبیحات میں مشغول رہنا اور اوراد و وظائف میں شاغل رہنا نہ صرف شرعا درست ہے بلکہ صاحب قبر اور زائر دونوں کے لیے انتہائی مفید ہے.

لہٰذا اکابرین امت اور اولیاء ملت کی مزارات مقدسہ پر حاضری ر مراقبہ ر سورت فاتحہ ر سورہ اخلاص کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کا ذکر اہل اللہ کے لیے بھی ترقی درجات کا سبب ہے اور طالبین و متوسلین کے لیے روحانی فیوض و برکات کے حصول کا اعلی ذریعہ ہے.

۸. وضع الجریدہ خصوصیت تھی یا حکم عام؟:

اس بارے میں حضرات فقہاء سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں۔

(۱) علامہ قرطبی اور قاضی عیاض کے نزدیک رحمۃ للعالمین کا یہ رحیمانہ عمل ان دو اھل قبور کے ساتھ مخصوص تھا۔

(۲) علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: کہ یہ حکم عام ہے. اور آپ کا یہ کریمانہ فیض تا روز قیامت جاری و ساری ہے۔ لہٰذا اہل اسلام اس سنت حسنہ سے مستفید ہوں اور اہل علم اس سنت مستمرہ پر عمل پیرا ہوں.

اس کی تائید معروف صحابی رسول سیدنا بریدہ اسلمی کے فرمان اور آپ کی وصیت سے ظاہر ہے. جسے امام بخاری نے کتاب الجنائز میں روایت فرمایا ہے. **اوصی بریدہ الاسلمی ان یجعل فی قبرہ جریدان.** (صحیح بخاری کتاب الجنائز ص ۱۸۱. جلد اول)

نوٹ: اس بارے میں حضرت مؤلف موصوف کا حاصلِ قلم قابلِ مطالعہ ہے جو تا حال زیرِ ترتیب ہے۔

۱۴- باب بول الصبیان

(۱) مذاہب:

امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، حضرات صاحبین، امام ابراہیم نخعی، امام سفیان ثوری اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک دودھ پینے والا بچہ اور بچی کا پیشاب پلید ہے۔ اسے دھونا ضروری ہے۔

البتہ بول صبی کو ایک مرتبہ دھونا کافی ہے جبکہ بول جاریہ کو دوسرے انجاس کی مانند تین مرتبہ دھونا لازم ہے۔

(۲) امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور علماء حجازیین کے نزدیک بچہ اور بچی دونوں کے پیشاب نجس ہیں۔ البتہ بول رضیع کے لئے "نضح" یعنی چھینٹے ماردینا کافی ہے۔ جبکہ بول رضیعہ کو تین مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

پھر چھینٹے مارنے میں ان حضرات سے دو اقوال مروی ہیں:

(۱) اتنا پانی ڈالے کہ کپڑا نچوڑنے سے پانی کے قطرات گرنے لگیں۔

(۲) بول صبی کے مقدار سے زیادہ پانی ڈالا جائے۔

(۳) علامہ داؤد ظاہری اور علماء ظواہر کے نزدیک بچہ جب تک دودھ پیتا رہے۔ اس کا بول پاک ہے اور اس کی تطہیر کے لئے چھینٹا مار دینا کافی ہے۔

(۲) دلائل احناف:

(۱) حدیث الباب: **عن ابی ہریرہ ان النبی قال استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ** (رواہ ابوداؤد)

یہ حدیث عام ہے جو بول صبی اور جاریہ دونوں کو شامل ہے۔

(۲) **عن عمار بن یاسر عن النبی قال انما تغسل ثوبک من البول۔** (رواہ الطحاوی)

یہاں بھی مطلقاً "بول" کا ذکر ہے خواہ "صبی" کا ہو یا "جاریہ" کا۔

(۳) وہ جملہ احادیث جن میں بول کو نجس قرار دیا گیا ہے۔

(۴) **عن عائشہ قالت بال الصبی علی ثوب النبی فدعا بماء فاتبعہ ایاہ۔** (رواہ البخاری والطحاوی وغیرھما)

"اتباع ماء" کے معنی پیچھے پیچھے تسلسل کے ساتھ پانی بہانے کے ہیں۔ یقیناً پانی بہانا دھونے کے لئے ہے نہ کہ چھڑکاؤ کے لئے۔

(۵) **عن عائشہ ان النبی دعا بماء فصبہ علیہ۔** (رواہ مسلم)

احقر کے نزدیک امام بخاری اور امام مسلم نے مذکورہ روایت کے متفرق کلمات میں سے "فاتبعہ" اور "فصبہ" کے کلمات کو نقل فرما کر نہ صرف مسلک حنفیہ کو ترجیح بخشی ہے۔ بلکہ اس حقیقت کا اظہار کیا ہے: کہ ہم محدثین کی رائے مسئلہ الباب میں مسلک احق (مسلک حنفیہ) کے مطابق ہے۔

(۶) ائمہ اربعہ کا اجماع ہے: کہ بول نجس ہے۔
نیز ازالہ نجاست کے لئے غسل ہی متعین ہے۔ لہذا بول صبی کو دھونا ہی ضروری ہو گا۔

(۳) دلائل ائمہ:

(۱) **حدیث الباب:** عن ام قیس قالت بال ابنی علی النبی فدعا بماء فرشہ علیہ (رواہ البخاری و مسلم وغیرھما)

"رش" کے لغوی معنی پانی چھڑکنے کے ہیں۔ لہذا چھڑکاؤ ہی کافی ہو گا۔

نیز حضرات محدثین نے حدیث الباب پر **نضح بول الغلام** کا عنوان قائم کیا ہے۔ جس سے چھڑکاؤ کے معنی کو ترجیح ملتی ہے۔

(۲) **عن ام قیس ان النبی دعا بماء فنضحہ ولم یغسلہ (رواہ مسلم وابو داؤد)**
یہاں عدم غسل کی نفی ہے۔ اور چھڑکاؤ کا اثبات۔

ان دو احادیث کے علاوہ وہ جملہ روایات حضرات ائمہ کی تائید کرتی ہیں۔ جن میں "نضح" اور "رش" کے الفاظ ہیں۔

قائلین مسلک ثالث نے احادیث بالا سے بایں طور استدلال فرمایا: کہ پانی کے چھڑکاؤ سے یقیناً نہ ہی نجاست زائل ہوتی ہے اور نہ ہی کم۔ بلکہ مزید پھیل جاتی ہے۔ لہذا بول پاک ہوگا نہ کہ پلید۔

(۴) جوابات:

مسئلہ الباب میں آمدہ جملہ احادیث و طرق کے استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ بول غلام کے بارے میں چار قسم کے الفاظ وارد ہیں:

(۱) **رش الماء:** پانی کا چھڑکاؤ کیا۔
(۲) نضح الماء: پانی کے چھینٹے مارے۔
(۳) صب الماء: پانی ڈالا۔
(۴) اتبع الماء: پانی مسلسل بہایا۔

ان میں سے آخری دو جملے صراحتاً معنی غسل کی تائید کرتے ہیں۔ جبکہ پہلے دو کلمات مبہم ہیں۔ جو پانی ڈالنے یا پانی چھڑکنے کے مفہوم میں مشترک ہیں۔

حضرات احناف نے قاعدہ شرعی، قیاس صحیح اور احادیث جیدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے غسل کے مفہوم کو ترجیح دی۔

(۲) حضرات محدثین نے کئی احادیث مبارکہ میں "رش" اور "نضح" کے معنی غسل ہی کے کیے ہیں۔ ان کی امثلہ کتب احادیث میں کثرت سے دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۳) "نضح" اور "رش" کے کلمات روایت بالمعنی کے اعتبار سے ہیں - کیونکہ یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے جسے حضرات رواۃ نے مختلف کلمات سے نقل کیا ہے -

(۴) بول رضیع جب آپ کے نزدیک پلید ہے تو پانی کے چھڑکاؤ سے یقیناً اس میں زیادتی ہو گی نہ کہ ازالہ - جب کہ تطہیر کے لئے ازالہ نجاست ہی ضروری ہے - لہٰذا دھونا ہی متعین ہو گا -

(۵) احقر کی ناقص رائے میں والدین کے لئے اضطرار اور دفع مضرت کے پیش نظر "نضح" اور "رش" کی احادیث کو معمول بہا بناتے ہوئے پانی کے چھڑکاؤ کی اجازت دے دی جائے -

جبکہ عام لوگوں کے لئے "صب" اور "اتبع الماء" کی روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے معنی غسل کو ترجیح دی جائے -

میری اس رائے کی تائید ان احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے - جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمزور مثانہ کے لوگوں کے لئے ازالہ وسوسہ اور دفع مضرت کے لئے فرمایا :

"اذا توضات فانتضح"

یعنی وضو کرنے کے بعد محل استنجاء "کپڑے" پر چھینٹیں مار دو - جیسا کہ امام ترمذی کے ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے -

نیز علامہ ابن العربی فرماتے ہیں :

اذا توضات فرش الازارالذی یلی الفرج (العارضہ ج اول ص : ۹۶)

یعنی جب تو وضو کرلے تو زیر جامہ کپڑے پر چھینٹیں مارلے -

ان دونوں صورتوں میں قدر مشترک تیسیر اور دفع مضرت ہے -

(۶) احقر کے ہاں جب اھل ظواہر کے نزدیک بول پاک ہے تو پھر پانی بہانے اور چھڑکنے کے کیا معنی ؟

کیونکہ بالا جماع لحوق طہارت سے نہ ہی کپڑے کو دھویا جاتا ہے اور نہ ہی اسپر چھینٹے مارے جاتے ہیں -

(۷) اھل ظواہر کا قول مخالفت اجماع ائمہ کے پیش نظر مردود ہے -

(۵) ایک اشکال بمع حل :

جن احادیث میں "ولم یغسلہ غسلا" کا جملہ موجود ہے - اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ :

یہاں مطلقاً غسل کی نفی نہیں - غسل بلیغ کی نفی ہے - جس کا قرینہ "غسلا" کی تاکید سے ہے - کیونکہ ضابطہ ہے کہ نفی جب مقید پر داخل ہو تو قید کی نفی ہوتی ہے - لہٰذا "غسل شدید" کی نفی ہو گی مطلق غسل کی نہیں -

(۶) بول صبی اور بول جاریہ میں فرق :

اگر یہ سوال کیا جائے کہ بچہ اور بچی جب انسان ہونے کے اعتبار سے برابر ہیں - تو ان کے بول کے طریقہ

نظیر میں کیوں فرق رکھا گیا؟

اس کے متعدد وجوہ حضرات فقہاء سے منقول ہیں۔

(۱) علامہ خطابی فرماتے ہیں: کہ اہل عرب اپنی مجالس میں بچوں کو بکثرت لے آتے تھے۔ جبکہ لڑکیوں کو لے آنا باعث عار سمجھتے تھے۔

کثرت اختلاط کے سبب شریعت مطہرہ نے بچوں کے پیشاب کے دھونے میں تخفیف فرما دی۔ تاکہ امت کے لیے آسانی رہے۔

(۲) بچیوں کی طبیعت میں برودت اور رطوبت کا۔ جبکہ بچوں کے طبائع میں حرارت اور رِقّت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت شارع نے بول صبی کیلئے "غسل خفیف" اور بول جاریہ کے لیے "غسل بلیغ" کا حکم دیا۔

(۳) امام طحاوی فرماتے ہیں: کہ بچے کے پیشاب کا مخرج تنگ ہے اور بچی کا وسیع۔ لہٰذا بچی کے پیشاب کی طہارت کے لئے "تثلیث" کا حکم دیا گیا اور بچہ کے لئے "عدم تثلیث" کا۔

(۴) امام شافعی فرماتے ہیں: کہ سیدنا آدم کی خلقت پانی اور مٹی سے ہے۔ اس لئے بچے کے پیشاب میں نجاست کم ہے۔ جبکہ سیدہ حوا کی خلقت گوشت اور خون سے ہے۔ اس لئے بچی کے پیشاب میں نجاست زیادہ ہے۔ اس نجاست کے تفاوت کے سبب حکم "غسل" میں فرق رکھا گیا۔

(۵) مولینا موسی خان صاحب فرماتے ہیں: کہ بچے کا بول چونکہ متفرق جگہ پر پھیل جاتا ہے۔ تو شریعت نے اس میں تخفیف کر دی۔ بخلاف بول جاریہ کے کہ وہ ایک ہی جگہ پر پھیلتا ہے۔

(۶) احقر کے نزدیک بچہ چونکہ حضور انور اور حضرات انبیاء کی صنف سے ہے اور حضرات انبیاء کے فضلات پاک ہیں۔ اس نسبت سے بول صبی میں تخفیف کا حکم دیا گیا ہے۔

(۷) نظر طحاوی:

یہ بات مسلم اور قطعی ہے: کہ شیر مادر چھوٹ جانے کے بعد بچہ اور بچی کے بول کا حکم یکساں ہے۔ لہٰذا نظر و فکر کا اقتضاء یہ ہے: کہ دودھ پینے کے دور میں بھی دونوں کے بول کا حکم ایک ہو۔ کیونکہ دونوں بالاتفاق نجس ہیں۔ اس لئے دونوں کو دھویا جائے۔ البتہ احادیث و روایات کے پیش نظر "تخفیف غسل" کا حکم لگانا چاہیے۔ تاکہ عقل و نقل میں تعارض نہ رہے۔

۱۵- باب غسل المنی و فرکہ

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:--

امام بخاری نے "مسئلہ الباب" پر:

باب غسل المنی و فرکہ، باب اذا غسل الجنابہ

امام مسلم نے: باب حکم المنی۔

امام نسائی نے: باب المنی یصیب الثوب، باب غسل المنی من الثوب، باب فرک المنی من الثوب۔

امام ابوداؤد نے: باب المنی یصیب الثوب۔

امام ترمذی نے: باب فی المنی یصیب الثوب۔

امام ابن ماجہ نے: باب المنی یصیب الثوب، باب فی فرک المنی من الثوب، باب الصلوٰۃ فی الثوب الذی یجامع فیہ۔

امام طحاوی نے: باب حکم المنی ھل ھو طاھر ام نجس؟ کے ابواب قائم فرمائے ہیں۔

(۲) بیان مسالک:

(الف) امام اعظم امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد (فی روایہ)، امام اہلسنت سیدنا حسن بصری، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی، سادات اہل بیت اطہار، امام بخاری اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک:

"منی" بہرکیفیت پلید ہے۔ دیگر نجاست کی طرح اس کو بھی تین مرتبہ دھونا ضروری ہے۔ البتہ حضرات حنفیہ کے نزدیک: اگر "منی" کے قطرات کپڑے پر خشک ہوجائیں۔ تو ان خشک نشانات کو کپڑے سے رگڑ کر زائل کرنا کپڑے کی "طہارت" کے لیے کافی ہے۔

(۲) امام شافعی، امام احمد (فی روایہ)، علامہ داوٗد ظاہری اور برصغیر کے علماء لاسلف کے ہاں: "منی" پاک ہے۔

اس لیے منی آلود کپڑے اور جسم کو دھونے کی ضروت نہیں۔

ایسے غیر فقیہانہ اور خلاف فقہ و نظر قول کے قائلین: "مسئلہ الباب" کی تنقیہات میں مندرجہ ذیل اقوال متضادہ کی نظر ہو گئے۔

(۱) کیا تمام حیوانات کی "منی" پاک ہے۔ یا مخصوص کنہیں چند کی؟

(۲) کتے اور خنزیر کی "منی" ناپاک ہے. بقیہ تمام درند اور پرند کا "مادہ منویہ" پاک ہے.
(۳) صرف "ماکول اللحم" حیوانات کا مادہ منویہ "طاہر" ہے. بقیہ تمام جانوروں کا "نجس"
(۴) انسان (خواہ مسلم ہو یا کافر) کی "منی" پاک ہے. اور تمامی حیوانات کی "منی" بالکلیہ پلید ہے.
(۵) صرف مسلمان کی "منی" پاک ہے. مشرک اور کافر کی پلید ہے.
(۶) صرف مسلمان مرد کی "منی" پاک ہے. عورت کی پلید ہے.
(۷) مرد کا "مادہ منویہ" پاک ہے. عورت کا "نجس".

(۳) دلائل جمھور:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ: ان کنتم جنبا فاطھروا. (القرآن)
کلمہ "فاطھروا" کے ذریعے حکم: "تطہیر" سے یہ حقیقت واضح ہے: کہ "منی" پلید ہے. جس پر "طھارت" کا حکم دیا گیا ہے.

(۲) ارشاد ربانی: الم نخلقکم من ماء مھین. (القرآن)
انسانی آب حیات کو: "ماء مھین" یعنی غلیظ ترین پانی قرار دینا. یقیناً اس کی "نجاست" پر دال ہے.

(۳) حدیث الباب: حضرت سلیمان بن یسارؒ نے منی آلود کپڑوں کے بارے میں سیدہ عائشہؓ سے مسئلہ پوچھا! تو آپ نے فرمایا:

کنت اغسلہ من ثوب رسول اللہ. (رواہ البخاری و مسلم وغیرھما)

امام بخاری ر امام مسلم ر امام نسائی اور تمام محدثین نے مذکورہ روایت کو نقل بھی کیا ہے. اور ان احادیث کی روشنی میں منی آلود اشیاء کو دھونے کا حکم بھی "تراجم ابواب" میں لگایا ہے. جس سے صراحتاً معلوم ہوا کہ: منی پلید ہے.

امام بخاری نے: مذکورہ روایت کو پانچ (۵) اسناد سے روایت فرمایا ہے. اور ان پر دو (۲) "ترجمہ الباب" لفظ "غسل" سے قائم فرماکر "مسلک احق" کی بھرپور تائید فرمائی ہے.

امام ترمذی نے اس روایت کو: **حسن صحیح.** فرمایا ہے.
حدیث مذکور میں: **کنت اغسلہ من ثوب رسول اللہ.** کا جملہ ہمیشگی اور استمرار پر دلالت کرتا ہے.

(۴) حدیث الباب: سیدنا فاروق اعظمؓ نے کیفیت "جنابت" کے بارے میں حضور انور سے مسئلہ پوچھا! تو آپ نے فرمایا:

توضا فاغسل ذکرک ثم نم. (رواہ البخاری و مسلم وغیرھما)
حدیث مذکور میں: "عضو مخصوص" کو دھونے کا حکم صراحتاً اس حقیقت کی جانب امت مسلمہ کی رھنمائی

کرتا ہے کہ: مادہ "منویہ" پلید ہے۔ اور اس کا ازالہ دھونے ہی سے ممکن ہے۔
آپ کا حکم: "وجوب غسل" پر دلالت کرتا ہے۔ اور "وجوب غسل" یقیناً ازالہ نجاست کے لیے ہی ہو سکتا
ہے۔ نیز کلمہ "جنابت: جماع اور احتلام" دونوں کو شامل ہے۔
ان نصوص قطعیہ کے علاوہ:
سیدہ میمونہؓ کی روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں۔
سیدہ ام حبیبہؓ کی روایت: سنن نسائی / سنن ابوداؤد وغیرہ میں۔
سیدہ عائشہؓ کی حدیث: طحاوی اور موطا میں۔
سیدنا عمرؓ اور حضرت جابرؓ کے فتاوی کتب حدیث میں موجود ہیں۔ جو "مسلک جمہور" کی حقانیت پر روشن
دلائل ہیں۔

(۴) دلائل ائمہ:

(الف) حدیث الباب: قالت عائشہ: انما کان یکفیہ ان یفرکہ باصابعہ فربما فرکتہ من ثوب رسول اللہ باصابعی۔ (رواہ الترمذی وغیرہ)
فرک (رگڑ) کی صورت میں: مادہ منویہ کے مکمل اجزاء زائل نہیں ہوتے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ: منی پاک ہے۔
اگر منی خون کی طرح "نجس" ہوتی تو کبھی بھی "فرک" کی اجازت نہ دی جاتی اور حضور اکرم ایسے کپڑوں
میں ملبوس ہوکر نماز نہ پڑھتے۔
(۲) قول ابن عباسؓ: قال ابن عباسؓ: المنی بمنزلہ المخاط فامطہ عنک ولو باذخرہ۔ (رواہ الترمذی موقوفاً)
(۳) تولید انبیاء: "منی" حضرات انبیاء کا مادہ تولید ہے۔ لہٰذا "نجس" نہ ہونی چاہیے۔

(۵) جوابات دلیل اول:

(۱) تعامل صحابہؓ ازالہ منی: کتب احادیث کو بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ: ازالہ منی کے لئے
مندرجہ ذیل چھ (۶) طرق اختیار کئے گئے ہیں:
(۱) غسل (۲) فرک (۳) مسح (۴) حت (۵) حک (۶) سلت
احادیث صحیحہ سے ان امور ستہ کا ثبوت ملتا ہے اب کسی چیز کے ازالہ کے لئے ان امور ستہ میں سے کسی ایک
یا متعدد کو اختیار کرنا یقیناً اس شی کی "نجاست" پر دلالت کرتا ہے۔ اگر "منی" پاک ہوتی تو کم از کم "بیان جواز"
کے لئے ایک دفعہ تو اس کا ازالہ نہ کیا جاتا۔ اور اسے اپنی حالت پر قائم رہنے دیا جاتا۔

(۲) فرک دلیل طہارت نہیں: اگر " فرک " سے کسی شئی کی " طہارت " ثابت ہو۔ تو اس سے ہر اس " نجاست " کو پاک تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو " نعلین " اور " خفین " پر چپک جائے۔ کیونکہ اس چمٹی ہوئی " نجاست " کے ازالہ کے لئے بھی بالاتفاق " حک " اور " فرک " کافی ہے۔ اور احادیث مقدسہ میں " فرک " ہی کا حکم دیا گیا ہے۔

(۳) فرک طریق تطہیر ہے: علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں: کہ: اگر " فرک " کو طہارت کی دلیل قرار دیا جائے۔ جیسے کہ حضرات شوافع کا مسلک ہے تو " نضح ماء " سے پیشاب کی طہارت کا قائل ہونا پڑے گا۔ کیونکہ " نضح ماء " سے نہ ہی پیشاب کا اثر زائل ہوتا ہے۔ اور نہ ہی کم۔ جب کہ " فرک " سے ازالہ تسلیم نہ بھی کیا جائے۔ تو یقیناً " نجاست " میں کمی ضروری آتی ہے۔

(۴) نقض قیاس: تعجب تو یہ ہے کہ: قائلین مسلک ثانی کے ہاں: " مذی " تو " نجس " ہے جس کی برآمدگی سے " غسل: واجب " نہیں ہوتا۔ اور " منی " پاک ہے کہ: جس کے خروج سے " غسل: واجب " ہو جاتا ہے۔

(۵) ثیاب نومیہ میں فرک: امام طحاوی فرماتے ہیں کہ: جن احادیث میں " فرک " کا ثبوت ملتا ہے وہ: ایسے کپڑے ہیں جنھیں حضور انور سونے کے لئے استعمال فرماتے تھے۔

(٦) فقہ و نظر: احقر کے نزدیک: حضور انور کے فضلات مطہرہ بالاجماع جب پاک ہیں تو آپ کے قطرات منویہ بھی یقیناً پاک ہوں گے۔

گویا یہ خصوصیات نبوت سے ہے اور " خصائص نبوت ": امت کی اتباع اور اطاعت سے ماوراء ہیں۔ لہٰذا " حدیث الباب " سے استدلال صحیح نہیں۔

اب اشکال یہ: کہ سیدہ عائشہؓ پھر رگڑتی کیوں تھیں؟

اس لئے کہ سیدہ عائشہؓ صرف ان قطرات کے نشانات کو مندمل فرماتی تھیں۔ جو آپ کے لباس پر موجود ہوتے۔ نہ کہ ان کا مقصود کسی " نجاست " کو زائل کرنا تھا۔

(٦) دلیل ثانی کے جوابات:

(۱) لزوجت وجہ شبہ: سیدنا ابن عباسؓ نے " منی " کو جو " مخاط " سے تشبیہ دی ہے وہ: باعتبار " لزوجت " (گاڑھے ہونے) کے ہے۔ نہ کہ " طہارت " کے۔

(۲) نفس ازالہ میں تشبیہ: یہ تشبیہ: طریقہ ازالہ میں ہے۔ نہ کہ " طہارت " میں۔ کہ " منی " اور " مخاط " دونوں کو ایک ہی انداز میں کپڑے سے زائل کیا جائے گا۔

(۷) دلیل ثالث کے جوابات:

(۱) بمقابلہ احادیث / مرجوحیت قیاس: حضرات شوافع کی یہ تیسری دلیل جس کی بنیاد عقل و قیاس پر ہے. سراسر غلط اور ناقابل استدلال ہے. محققین اہل سنت نے اس قسم کے عقلی دلائل کو ضیاع وقت کا سبب بتلایا ہے کیونکہ احادیث صحیحہ / جید الاسناد کے مقابلے میں کسی دلیل عقلی کو پیش کرنا. مناسب نہیں۔

(۲) نجاست بسبب تخلیق کفار: "منی" جس طرح اصل انبیاء ہے. اسی طرح کفار اور جملہ حیوانات کے لئے بھی اصل کا درجہ رکھتی ہے. اگر "تخلیق انبیاء" کے سبب: "منی" کو پاک ہونا چاہیے تھا. تو کفار و حیوانات کے اعتبار سے اس کا "نجس" ہونا بھی ضروری ہے۔

(۳) خون اصل منی: تخلیق انبیاء میں صرف منی اصل نہیں. بلکہ خون بھی اصل ہے اور وہ بالاتفاق: "نجس" ہے۔

(۴) طہارہ منی / مستقر میں: یہ ایک مسلم قانون ہے کہ: ہر شی اپنے مستقر میں "طاہر" ہوتی ہے. نجاست" کا حکم اس وقت لگایا جاتا ہے: جب وہ اپنے مستقر سے نکل جائے. جیسے انسانی جسم میں: منی / خون اور کئی طرح کی نجاسات موجود ہیں. انسان کا اندر کئی قسم کے نجاسات کا مرکز ہے.

اس کے باوجود انسانی جسم پاک ہے اور اس کے پیٹ میں موجود: منی / خون / بول و براز بھی پاک ہیں. اسی قانون کے تناظر میں مرد کے قطرات منویہ جو رحم نسواں میں منتقل ہوتے ہیں. اور دم حیض جو انسانی نشو و نما کی ابتدائی اساس ہے. یہ دونوں پاک ہیں. کیونکہ یہ دونوں اپنے مستقر ہی میں حرکت پذیر ہیں۔

(۸) وجوہ ترجیح:

(۱) موید بالاحادیث: بحمد اللہ حضرات احناف کا مسلک گیارہ (۱۱) احادیث صحیحہ / جید الاسناد سے ثابت ہے. نیز قرآن مجید کی دو (۲) آیات بھی حضرات احناف کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔

(۲) قرین قیاس: عقل و قیاس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ: منی پلید ہونی چاہیے. کیونکہ بول / مذی اور ودی: سب بالاتفاق "نجس" ہیں. جبکہ ان کے خروج سے صرف "وضوء: واجب" ہوتا ہے. اور منی سے بالاجماع "غسل" لازم ہے۔

(۳) جامعیت مسلک حنفیہ: احادیث صحیحہ سے جہاں "فرک" ثابت ہے. وہاں "غسل" بھی. بحمد اللہ ہم ان دونوں پر عمل پیرا ہیں.

(۹) کپڑے سے ازالہ منی کا طریقہ:

حضرت امام اعظم کے نزدیک: کپڑے پر موجود تر مادہ منویہ کو زائل کرنے اور کپڑے کو پاک کرنے کیلئے پانی بھانا (غسل) ہی ضروری ہے۔ اگر یہی مادہ کپڑے پر خشک ہوجائے۔ تو پھر "فرک" بھی کافی ہے۔

حضرت امام مالک کے نزدیک: دونوں صورتوں میں "غسل" ہی ضروری ہے۔

حضرت امام شافعی اور امام احمد کے ہاں: دونوں حالتوں میں "فرک" ہی کافی ہے۔

(۱۰) نظر طحاوی:

جس وقت "مسئلہ الباب" میں: "دلائل شرعیہ" باھم مختلف ہوئے اور حضور انور سے روایت احادیث میں بھی ہمیں کوئی قول فیصل معلوم نہ ہوسکا تو "مسئلہ الباب" کو دلیل نظر و فکر سے ہم نے سلجھانے کی کوشش کی۔

جس کا حاصل درج ذیل ہے: جس سے "حدث" کا تحقق ہو وہ یقیناً "خروج منی" سے "حدث اکبر" کا تحقق ہوتا ہے۔ اور ہر وہ چیز: "نجس" ہے۔ جیسے: بول ، غائط ، حیض ، نفاس ، استحاضہ اور خون۔ یہ تمام اشیاء بالاجماع "حدث" یعنی موجب طہارت بھی ہیں۔ اور "نجس" بھی۔ لھذا "منی" بھی "نجس" ہوگی۔ البتہ "منی یابس" کی "تطہیر" کے لئے چونکہ "فرک" ثابت ہے۔ اس لئے حضرات احناف نے: "فرک" کی اجازت دے دی۔ تاکہ کسی عقلی اور نقلی دلیل کی مخالفت لازم نہ آئے۔

۱۶- باب ابوال الابل

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث :--

" مسئلہ الباب " کا مدار : سیدنا انسؓ کی روایت مبارکہ ہے ۔ جسے تمام حضرات محدثینؒ نے " کتاب الطہارہ ، کتاب الصلوۃ " میں نقل کیا ہے ۔

حضرت امام بخاری : حدیث مذکور کو : **باب ابواب الابل و الدواب و الغنم و مرابضھا** ۔ کے ضمن میں لائے ہیں ۔ نیز اس کی تائید : سیدنا ابوموسی اشعریؓ کے " اثر موقوف " اور سیدنا انسؓ بن مالک کی " حدیث مرفوع " سے فرمائی ہے ۔

امام نسائی : **باب بول ما یوکل لحمہ ، باب فرث ما یوکل لحمہ یصیب الثوب** ۔ کے تحت حدیث مذکور کی تائید میں سیدنا عبداللہؓ بن مسعود کی نہایت عظیم معجز نوید روایت مبارکہ لائے ہیں ۔ جس کی معنوی اور ایمانی وضاحت آگے مرقوم ہے ۔

امام ترمذی : **باب ما جاء فی بول ما یوکل لحمہ** ۔ کے عنوان کے ضمن میں : " حدیث الباب " کو لائے ہیں ۔ نیز ان مرتدین کی سزا کو قرآن اور احادیث سے ثابت فرمایا ہے ۔

امام طحاوی نے : **باب حکم بول ما یوکل لحمہ** ۔ کے تحت بہت ہی عمدہ فقیہانہ اور محدثانہ گفتگو فرما کر مسئلہ الباب میں : " مسلک حنفیہ " کو قرآن و سنت اور فقہ و نظر کے تناظر میں " اصح " اور " ارجح " قرار دیا ہے ۔

(۲) حدیث الباب کا اردو ترجمہ :--

سیدنا انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ : قبیلہ " عرینہ " کے کچھ لوگ " مدینہ طیبہ " میں آئے ۔ انہیں یہاں کا موسم موافق نہ آیا ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹنیوں کے گلہ میں بھیجا ۔ اور فرمایا :

کہ ان اونٹنیوں کے دودھ اور پیشاب کو پیو ۔

ان لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چرواہے کو شہید کر دیا ۔ اونٹنیوں کو بھگا کر لے گئے ۔ (جن کی تعداد پندرہ (۱۵) تھی) اور دین اسلام سے منحرف ہو گئے ۔ اس کے بعد انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا ۔ آپ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں " من خلاف " کٹوا دیئے ۔ نیز کیل وغیرہ سے انکی آنکھیں نکلوا کر انہیں مقام " حرہ " میں ڈال دیا گیا ۔

(۳) اہل عرینہ اور انکی سزا :--

مکہ مکرمہ کے قریب " عرینہ " نامی وادی میں ایک قبیلہ آباد تھا۔ جسے قبیلہ " عرینہ " کے نام سے یاد کیا جاتا تھا
حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ : یہ کل آٹھ (۸) آدمی تھے۔ جن میں سے چار (۴) کا تعلق : قبیلہ " عرینہ "
سے۔ تین (۳) کا قبیلہ " عکل " سے۔ ایک (۱) کا کسی اور قبیلے سے تھا۔
قبیلہ " عرینہ "، قبیلہ " قحطان " کی ایک شاخ ہے۔
علامہ ابن اسحاق فرماتے ہیں : کہ یہ لوگ " غزوہ ذیقرد "، جمادی الاخری سنہ ۶ ہجری میں۔ مدینہ منورہ آکر
بظاہر مسلمان ہوئے۔ یہاں کی آب و ہوا ان کے مزاج کے موافق نہ تھی۔ جس سے یہ مریض ہو گئے۔ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا : کہ جنگل میں چلے جاؤ اور بیت المال کی اونٹنیوں کا دودھ اور بول پیو۔
اس علاج سے یہ لوگ تندرست ہو گئے۔ تندرست ہوجانے کے بعد ان عاقبت نااندیشوں نے : حضرت صحابیؓ
کو وحشیانہ طریقے سے شہید کردیا۔ اونٹنیوں کو اپنے ہمراہ لئے وطن کی طرف بھاگ نکلے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرات صحابہؓ کا ایک دستہ بھیج کر ان
مجرموں کو گرفتار کروا لیا۔ ان وحشیانہ جرائم کی پاداش میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سزا تجویز فرمائی : کہ
ان مجرمین کا " مثلہ " کیا جائے۔، آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری جائیں۔، مقام " حرہ " کی پتھریلی زمین پر انھیں
لٹا دیا جائے۔
اس فیصلے کے مطابق : انہیں سزادی گئی۔
امام ترمذی حضرت انسؓ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ : میں نے ان میں سے ایک رسواء زمانہ کو دیکھا : وہ منہ
سے زمین کو کرید تا تھا۔ حتیکہ اسی حالت میں ان سب کی موت آئی۔
امام ترمذی : ایک اور روایت سیدنا انسؓ بن مالک سے یوں نقل کرتے ہیں : کہ حضور اکرم نے ان کی آنکھوں
میں اس لیے گرم سلائیوں کو پھیرا تھا۔ کیونکہ انہوں نے حضور اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس چرواہوں کے
ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا تھا۔

(۴) اقوال ائمہ اہل سنت :۔۔

(۱) امام مالک، امام احمد (فی روایہ) اور امام محمد کے ہاں : حلال جانوروں کا " بول "، " روث " اور " ازبال
(گوبر اور لید) " طاہر " بھی ہیں۔ اور " حلال " بھی۔
(۲) اھل ظواہر کے نزدیک : انسان، کتا اور خنزیر کے ماسوا جملہ حیوانات کے " ابوال " اور " ازبال : طاہر "
ہیں۔

(۳) امام ابو یوسف کے ہاں: یہ تمامی اشیاء: "نجس" ہیں. البتہ بطور علاج ان کا استعمال "حلال" ہے۔

(۴) امام اعظم ابو حنیفہ ر امام شافعی ر امام احمد (فی روایہ) اور جمہور فقہاء و محدثین کا مسلک یہ ہے کہ: ہر جانور کا پیشاب اور پاخانہ "نجس" بھی ہے. اور "حرام" بھی. خواہ وہ جانور "حلال" ہو یا "حرام". البتہ حلال جانوروں کا "بول وبراز: نجاست خفیفہ" ہے. اور حرام جانوروں کا "نجاست غلیظہ".

ہاں اگر حکیم حاذق کسی حلال جانور کا "فضلہ" کسی مریض کے لئے تجویز کردے. تو اب اس اضطراری حالت میں اس "فضلہ" کا استعمال صرف اس مریض کے لئے جائز ہو گا.

(۵) دلائل احناف:--

(۱) ارشاد باری: نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث و دم لبنا خالصا. (القرآن)

قرآن مجید کے سیاق سے "فرث" (گوبر) کا "نجس" ہونا معلوم ہوتا ہے. وہ یوں:

کہ رب کائنات نے: "دم" اور "فرث" کا تذکرہ معا فرمایا ہے. جب "دم" بالاتفاق "نجس" ہے. تو گوبر سمیت جانور کا ہر "فضلہ" بھی "نجس" ہو گا۔

(۲) فرمان شارع: عن ابن عمرؓ قال: نہی رسول اللہ: عن اکل لحوم الجلالہ و البانہا. (رواہ البخاری و مسلم وغیرہما)

"جلالہ" اس جانور کو کہتے ہیں: جو گندگی اور مینگنی وغیرہ کھاتا ہو. اس حدیث مبارک میں: ہر اس حلال جانور کے دودھ اور گوشت سے روک دیا گیا ہے. جو حلال جانور گندگی اور "فضلہ" میں منہ ڈالتا ہو.

اب سوال یہ ہے! کہ یہ حلال جانور: کس وجہ سے ناقابل استعمال بنا؟

یقیناً کسی ایسے حرام مواد کے کھانے سے: جو اس حلال جانور کے جسم میں داخل ہوا. اور وہ حرام مواد: حلال جانوروں کا پاخانہ اور فضلہ ہے. جسکے سبب: یہ حلال جانور بھی ناقابل استعمال ہو گیا۔

لہٰذا معلوم ہوا: کہ ہر جانور کا "فضلہ" پلید ہے خواہ وہ جانور: "حلال" ہو یا "حرام"۔

(۳) عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ: اذا جاء احدکم المسجد فلینظر. فان رای فی نعلیہ قذرا او اذی فلیمسحہ و لیصل فیہا. (رواہ ابوداؤد وغیرہ)

"قذر" اور "اذی" کا اطلاق: "ماکول اللحم" اور "غیر ماکول اللحم" دونوں طرح کے جانوروں کے "فضلات" پر ہوتا ہے۔

بلکہ "ماکول اللحم" جانوروں کو شامل ہونا زیادہ قرین قیاس ہے. کیونکہ انسان کا زیادہ تر اختلاط حلال جانوروں سے ہی رہتا ہے۔

(۴) عن ابی ہریرہؓ قال رسول اللہ: استنزھوا من البول. فان عامۃ عذاب القبر منہ. (رواہ ابن ماجہ)

الحاکم ر صحیح علی شرط الشیخین)

اس حدیث مبارک میں : " البول " پر : الف لام جنس و استغراق کا ہے ۔ جو خود انسان ر ماکول اللحم جانور ر غیرماکول اللحم حیوانات : تمامی کے پیشاب کو شامل ہے ۔ اگر " بول " پاک ہوتا تو عذاب قبر کے کیا معنی ؟

حضرت علامہ ملا جیون کی تحقیق میں : اس حدیث کا محل ورود : ہی بکریوں کا پیشاب ہے ۔

ان احادیث کے علاوہ : وہ جملہ روایات : جن میں حضور انور اور حضرات صحابہؓ نے جانوروں کے فضلات " اور خشک مینگنی کو " نجس " قرار دیا ۔ اور انہیں " نجس " سمجھتے ہوئے بحالت استنجاء ان سے اجتناب اور احتراز کیا ۔ جنہیں حضرات محدثین : **باب الاستنجاء بالحجارہ ر باب الاستبراء** ۔ کے ضمن میں لائے ہیں ۔

(٦) دلائل فقہاء :۔۔

حضرت امام مالک اور دیگر اقوال کے قائلین نے : " حدیث الباب " سے اپنے اپنے ذوق اجتھاد کے موافق استدلال کیا ہے : کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے : " عرنیین " کو اونٹنیوں کے " بول " پینے کا حکم دیا ۔ اگر **بول ما یوکل لحمہ** : " نجس " ہوتا تو کبھی بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم " بول " کے پینے کا حکم نہ فرماتے ۔

(۲) حدیث الباب : **عن انس قال کان النبی : یصلی قبل ان یبنی المسجد فی مرابض الغنم** ۔ (رواہ البخاری)

مرابض (بھانہ ر اصطبل) میں ہر جگہ : " بول و براز " پڑا ہوا ہوتا ہے ۔ ایسی جگہ میں : نماز کی ادائیگی ر یقیناً حلال جانوروں کے فضلات کو پاک قرار دینے کے " مترادف " ہے ۔

(۳) اثر الباب : **صلی ابوموسی فی دارالبرید** ۔ (رواہ البخاری)

سیدنا ابوموسی اشعریؓ نے : " دارالبرید " (ڈاک خانہ) میں : جہاں گھوڑوں کی گندگی پڑی رہتی ھے ۔ نماز ادا کی ۔ حالانکہ صاف ستھرا میدانی علاقہ وہاں سے قریب تھا ۔ فرمانے لگے : کہ یہ اور وہ : دونوں مقامات ادائیگی نماز کے لیے برابر ہیں ۔

(۴) حدیث الباب : امام نسائی نے ایک معروف روایت (جس میں قدرت رسالت اور اعجاز نبوت کا بیان ہے) سے " مسئلہ الباب " کو ثابت فرمایا ہے ۔ اور اس پر : **بلب فرث ما یوکل لحمہ** ۔ کا عنوان قائم فرماکر اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے : کہ حلال جانوروں کا " فضلہ : پاک " ہے ۔

حدیث مبارک کا مفہوم کچھ یوں ہے :

حضور انور ر بیت اللہ میں نوافل ادا فرمارہے تھے۔ کہ قریش کے سات (۷) بدنصیب افراد نے وہیں بیٹھے یہ مشورہ کیا: کہ اونٹ کی اوجھری کو حضور اطہر کی پیٹھ مبارک پر اس وقت رکھ دیا جائے۔ جب آپ سجدہ ریز ہوں۔ آپ نے سجدہ فرمایا۔ انہوں نے وہ گندگی حضور انور کے جسم اطہر پر رکھ دی۔ جسم مطہر پر اونٹ کے "فضلات" پڑجانے کے باوجود آپ کا نماز جاری رکھنا اس امر کو ثابت کرتا ہے:

کہ حلال جانوروں کے "فضلات: پاک" ہیں-

(۷) جوابات دلائل بالا:--

امام مالک اور اہل ظواہر کی پیش کردہ یہ تمامی احادیث: "سند و متن" کے اعتبار سے "صحیح" بھی ہیں۔ اور "صریح" بھی۔

البتہ ان احادیث مقدسہ سے: اگر کوئی حکم ثابت ہوتا ہے۔ تو وہ:

صرف اور صرف اونٹ اور بکری کے بول کی پاکیزگی یا حلت کا۔ اس مخصوص حکم کو: گوبر ر لید اور مینگنی۔ نیز جملہ حیوانات میں عام کرنا۔ یقیناً صرف قیاس کے ذریعے سے ہوگا۔

ایسا قیاس جو احادیث صحیحہ سے متصادم ہو۔ وہ یقیناً ناقابل قبول اور ناقابل عمل ہے۔ لہٰذا ایسے مسترد شدہ قیاس کے جوابات کا تکلف مناسب نہیں۔

اب جو حکم ان احادیث مقدسہ سے ثابت ہے۔ اس کی توجیہات درج ذیل ہیں:

(۸) توجیہات حدیث اول--:

(ا) برائے علاج: علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: حضور انور کو بذریعہ "وحی" یہ بتادیا گیا تھا: کہ ان مرتدین کی مرض کا علاج اونٹنیوں کے دودھ اور "بول" کو ملا کر پلانے میں ہے۔ حصول شفاء کے لئے "تداوی بالحرام" ہمارے نزدیک بھی: "جائز" ہے۔ **ان بول الابل یفید الاستسقاء۔**

(۲) منسوخ: "حدیث الباب" ر احادیث جمہور کے فرمان سے "منسوخ" ہے۔ نیز درج ذیل قرائن سے بھی اس کے "منسوخ" ہونے کی تائید ہوتی ہے:

(الف) "حدیث الباب" میں ان بدنصیب افراد کے "مثلہ" یعنی: آنکھیں نکالنے۔ کا تذکرہ ہے۔ جو اب بالاجماع: "منسوخ" ہے-

(ب) علامہ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ: "حدود" اور "قصاص" کی احادیث سے "حدیث الباب": منسوخ ہے۔ (سنن نسائی)

(ج) علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ یہ واقعہ احکام نجاسات کے نزول سے قبل کا ہے۔ جب آیات اور احادیث

میں احکام نجاست بیان ہوئے. تو " حدیث الباب : منسوخ " ہوگئی ۔

(۳) تضمین : بعض محدثین کے ہاں : یہاں متن حدیث میں تضمین ہے. متن حدیث یوں ہے :

اشربوا من البانہا و استنشقوا من ابوالھا.

اس توجیہ کی تائید : امام نسائی اور امام طحاوی کی نقل کردہ احادیث سے ہوتی ہے. جن میں صرف " البانہا " کا تذکرہ ہے. " ابوالہا " کا جملہ موجود نہیں ۔

(۹) توجیہات حدیث ثانی و ثالث :۔۔

(۱) منسوخ : دوسری حدیث مقدس میں : قبل ان یبنی المسجد. کا جملہ صراحتا اس حقیقت کی تائید کرتا ہے : کہ یہ سہولت مساجد کی تعمیر سے پہلے تھی. جواب : " منسوخ " ہے ۔

(۲) تعارض و تساقط : صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے : کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے : "مرابض الابل " میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے. جبکہ " ابل " اور " غنم " دونوں : حلال جانور ہیں. نیز ان دونوں کے " بول " اور " براز " کا حکم بھی ایک ہے. لہٰذا دونوں احادیث کے مفہوم میں تعارض ہوا. اور " حدیث الباب " : قابل توجیہ ہوئی ۔

(۳) دلیل بمطابق دعوی نہیں : احقر کے نزدیک : مذکورہ روایات اور سیدنا ابوموسی اشعریؓ کے " اثر " سے ان حضرات کا استدلال درست نہیں وہ یوں :

کہ نماز کی ادائیگی کیا ان فضلات پر ہوئی ؟

یا ان فضلات کے قریب کسی پاک کپڑے یا صاف جگہ پر ؟

آپ کا استدلال اس وقت درست ہوتا اگر یہ ثابت ہو : کہ ان فضلات پر بغیر کوئی چیز بچھائے نماز پڑھی گئی. یا وہاں کسی پاک صاف جگہ کا انتخاب کئے بغیر نماز ادا ہوئی. یہ دعوی نہ ہی ثابت ہے اور نہ ہی قرین قیاس.

یقیناً یہ نمازیں خشک اور پاک جگہ پر اداء کی جاتی تھیں ۔

(۱۰) توجیہات دلیل رابع :۔۔

(۱) منسوخ : یہ واقعہ : احکام نجاست و طھارت کے نزول سے قبل کا ہے. جب لسان نبوت سے : " خبائث کی تحریم ہوئی. اور " نجاسات " کی تعیین. تو ہر طرح کا " فضلہ : حرام " اور " نجس " قرار پایا ۔

(۲) بوجہ استغراق : حضور انور کو ان کے اس گستاخانہ عمل کا احساس تک نہ ہوا اور آپ نے نوافل کو جاری رکھا ۔

(۳) فقہ و نظر : احقر کے نزدیک : وہ نجاست : مفسد نماز ہے جو نمازی کے اختیار سے وقوع پذیر ہو. بلا

اختیار مسلط کی جانے والی نجاست: "مفسد صلوہ" نہیں. اس لیے حضور انور مشغول سجدہ رہے۔

میری اس رائے کی تائید: حضرت امام بخاری کے "ترجمہ الباب": باب اذا القی علی ظھر المصلی قذر او جیفۃ لم تفسد علیہ صلاتہ. اور "آثار الباب" سے بھی ہوتی ہے. جس کی رو سے: حضرت امام بخاری کے ہاں بھی: ایسی "اضطراری نجاست: مفسد صلوہ" نہیں۔

(۴) طالب علمانہ رائے: احقر کے نزدیک: آپ کے جسم اطہر سے چمٹ جانی والی ہر نجاست: بوسہ لینے کے بعد پاک ہوجایا کرتی تھی. کیونکہ آپ کا وجود مسعود: "مزکی" بھی ہے. اور "مطہر" بھی۔ جیسے پانی بوجہ "مطہر" ہونے کے ہر نجاست کو پاک بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی: آپ۔

ارشاد باری ہے: و یزکیھم. / ویطھرکم تطھیرا. (القرآن)

(۱۱) وجوہ ترجیح:۔۔

حضرات حنفیہ کا مسلک بحمد اللہ "مسئلہ الباب" میں بھی کئی وجوہ سے راجح ہے:

(۱) یہ مسلک قرآنی آیات سے موید ہے۔

(۲) "احادیث قولیہ: مسلک حنفیہ" کی تائید کرتی ہیں.

(۳) "اصول" اور "ضابطہ" کی روایات سے: مسلک احق ہی کی تائید ہوتی ہے۔

(۴) "محرم" اور "مبیح" کے تعارض میں: "دلائل تحریم" کو ترجیح ہوتی ہے. اور دلائل تحریم ہماری تائید میں ہیں۔

(۵) حضرات جمہور کی تمام روایات: سندا صحیح ہیں. اور مدعی پر "متنا: صریح". نہ ہی کوئی "ابہام" ہے اور نہ ہی کوئی "کلام"۔

(۱۲) یہ سات (۷) اور ان کا انجام:۔۔

حضور انور کے جسم اطہر پر جن بدنصیب افراد نے اونٹ کے "فضلہ" کو ڈالا. ان کے نام کیا ہیں؟ اور ان کے اس گستاخانہ اقدام کا نتیجہ کس بھیانک صورت میں ظاہر ہوا؟

اس کی اجمالی تصویر کچھ یوں ہے:

ان ننگ انسانیت افراد کے نام یہ ہیں:

(۱) عمرو بن ھشام "ابو جہل"

(۲) شیبہ بن ربیعہ.

(۳) عتبہ بن ربیعہ (یہ دونوں: سگے بھائی ہیں)

(۴) ولید بن عتبہ بن ربیعہ (یہ دونوں: باپ ر بیٹا ہیں)
(۵) عقبہ بن ابی معیط۔
(۶) امیہ بن خلف۔
(۷) عمارہ بن ولید بن المغیرہ۔

حضور انور نے ان سات (۷) بدنصیب افراد کے ذلت و ہلاکت کی نوید یہیں "بیت اللہ" میں نوافل سے فارغ ہونے پر سیدنا ابوبکرؓ اور سیدہ فاطمہؓ کو سنائی۔ نیز مقام بدر میں لڑائی شروع ہونے سے ایک (۱) روز قبل حضور انور نے: حضرات صحابہؓ کو یہ نوید سنائی: کہ

کل اس جگہ فلاں قریشی مشرک کی لاش پڑی ہوئی ملے گی۔

اور فلاں جگہ فلاں کافر کا لاشہ۔

فرمان نبوت کے مطابق: یہ بد بخت افراد اپنے انجام بد کو پہنچے۔ غزوہ بدر میں ذلت آمیز شکست کے بعد نہ صرف ہلاک ہوئے۔ بلکہ ذلت و رسوائی کا نشان بنے۔ مردار جانوروں کی طرح گھسیٹ کر انہیں بدبودار اندھے کنوئیں میں پھینکا گیا۔

گستاخان رسالت کے لئے: ان افراد کا انجام بد: یقیناً باعث عبرت بھی ہے۔ اور سبب اصلاح بھی۔

حضرت امام بخاری نے اس عظیم معجزہ کو: **باب اذا القی علی ظهر المصلی**۔ کے تحت تخریج فرما کر اپنی عقیدت اور محبت کا بھرپور اظہار فرمایا ہے۔

(۱۴) حدیث الباب کے الفاظ کی وضاحت:۔۔

فاجتووها: اس کے دو (۲) معانی حضرات علماء نے تحریر فرمائے ہیں:

(۱) **اصابتهم الجواء: هی داء البطن**۔ یعنی یہ لوگ پیٹ کی ایک بیماری (جواء) میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جس سے ان کے پیٹ پھول گئے۔ اور انہیں شدید قسم کی پیاس لگنے لگی۔

اس بیماری کا دوسرا نام: "استسقاء" بھی ہے۔

(۲) **لم یوافقهم هواء اهل المدینہ و مائها**۔ انہیں یہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ گویا یہ کلمہ: **للجتووها: الجو**۔ یعنی آب وہوا اور موسمی اثرات سے ماخوذ ہے۔

(۲) **راعی:** ان اونٹنیوں کے رکھوالے کون تھے؟

اس میں دو (۲) قول ہیں:۔

(۱) یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے غلام: حضرت یسارؓ تھے۔

(۲) بعض محدثین کے نزدیک: یہ سیدنا ابوذر غفاریؓ کے بیٹے ہیں۔

(۱۳) سمر: یہ باب "نصر" پر ہے. جس کے معنی: گرم کیل اور لوہے وغیرہ کے ساتھ آنکھ پھوڑنے کے ہیں۔

(۱۴) نظر طحاوی:---

"مسئلہ الباب" میں: "آثار اسلاف" چونکہ "مختلف المراد" ہیں. اور "بول ما یوکل لحمہ" کی طہارت پر کوئی صریح دلیل بھی موجود نہیں. اس لئے دلیل فکری کی طرف رجوع کریں گے. تاکہ صحیح صورت حال سامنے آسکے. جو درج ذیل ہے:

بالاجماع انسانی گوشت: "طاہر" ہے. اور اس کا "بول: پلید". جس سے معلوم ہوا: کہ بول حیوان: لحم حیوان کے حکم میں نہیں. جیسا کہ امام مالک اور امام احمد نے فرمایا۔

بلکہ "بول حیوان" اور خون حیوان کا حکم یکساں ہے.

چونکہ تمام حیوانات: خواہ "ماکول اللحم" ہوں. یا "غیر ماکول اللحم" سب کا خون: "نجس" ہے. تو ان تمام حیوانات کا "بول" بھی "نجس" ہوگا.

اور یہی: حضرات احناف کا مسلک ہے۔

تنظیم المدارس (اہل السنۃ) پاکستان

عن انس ان اناسا من عرینۃ قدموا المدینۃ فاجتووھا فبعثھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ابل الصدقۃ فقال اشربوا من البانھا وابوالھا فقتلوا راعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستاقوا الابل وارتدوا عن الاسلام فاتی بھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف وسمر اعینھم والقاھم بالحرۃ قال انس فکنت اری احدھم یکد الارض بفیہ حتی ماتوا۔

(الف) ضع الحرکات والسکنات علی کلمات الحدیث

(ب) ترجم الحدیث باللغۃ الاردویۃ

(ج) فصّل الاختلاف بین الفقہاء فی بول ما یوکل لحمہ ۴۰

۱۷۔ بابُ مَایقعُ مِنَ النّجاسات

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

امام بخاری نے "مسئلہ الباب" پر دو عنوان: **باب ما یقع من النجاسات فی السمن و الماء، باب البول فی الماء الدائم**۔ قائم فرماکر ان کے ضمن میں چار احادیث مرفوعہ اور چار ہی آثار موقوفہ کو روایت فرمایا ہے۔ (ان کا ترجمہ بمع فقہی بحث کے آگے مرقوم ہے)۔

امام مسلم نے تین عنوانات: **باب کراھۃ غمس المتوضی، باب النھی عن البول، باب النھی عن الاغتسال** سے "مسئلہ الباب" پر روشنی ڈالی ہے۔ اور ان کے ضمن میں حضرات حنفیہ کے دلائل کو مختلف "صحیح اسناد" سے روایت فرماکر مسلک حنفیہ کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔

امام نسائی نے آغاز کتاب میں تین عنوانات: **باب التوقیت فی الماء، ترک التوقیت فی الماء، باب الماء الدائم** اور "المجتبیٰ" میں پھر تین عنوانات: **باب ذکر بیر بضاعہ، باب التوقیت فی الماء، النھی عن اغتسال الجنب فی الماء الدائم**۔ قائم فرماکر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ اور "مسلک جمہور" کی موید احادیث کو "صحیح" اور "ناسخ" جانتے ہوئے دیگر ائمہ کی روایات کو منسوخ مانا ہے۔

امام ابوداؤد نے بھی تین ابواب: **باب ما ینجس الماء، باب ما جاء فی بیر بضاعہ، باب البول فی الماء الراکد**۔ قائم فرماکر اپنے محدثانہ اقوال (قال ابوداود) سے "مسئلہ الباب" پر نہایت وقیع گفتگو فرمائی ہے۔ (جس کا خلاصہ آمدہ صفحات میں موجود ہے)

امام ترمذی نے بھی تین عنوانات: **باب ما جاء ان الماء لا ینجسہ شیی، باب منہ آخر، باب کراھیۃ البول فی الماء الراکد**۔ سے "مسئلہ الباب" پر فقیہانہ اور محدثانہ اظہار خیال فرمایا ہے۔ اور صرف دلیل جمہور کو "حسن صحیح" فرمایا ہے۔

"حدیث قلتین" کا ترجمہ آگے مرقوم ہے۔

امام ابن ماجہ نے دو عنوانات **باب مقدار الماء الذی لا ینجس، باب الحیاض**۔ مسئلہ الباب پر قائم فرمائے ہیں
امام طحاوی نے آغاز کتاب میں ہی "مسئلہ الباب" پر نہایت وقیع، پر مغز فقیہانہ اور محدثانہ تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور مسلک حنفیہ کو احادیث صحیحہ اور آثار موقوفہ سے مدلل فرمایا ہے۔

(۲) احادیث و آثار بخاری کا ترجمہ بمع فقہی تجزیہ:

(۱) امام زہری فرماتے ہیں: کہ پانی قابل استعمال ہے (پانی پاک ہے) جب تک کہ پانی کا مزہ (ذائقہ) یا بو یا

رنگ نہ بدلے۔

امام زھری کا فرمان مسلک جمہور کے موافق ہے۔ اور مسلک حنفیہ کے عین مطابق۔

(۲) امام حماد بن ابی سلیمان کا فرمان ہے: کہ مردار جانور کے بال اور پر پاک ہیں۔ یہ پانی میں پڑجائیں تو کوئی حرج نہیں۔ پانی پاک رہتا ہے۔

یہی حضرت امام اعظم کا مسلک ہے۔ ہمارے ہاں بھی جانور خواہ حلال ہو یا حرام۔ اس کے بال یا پر اگر پانی میں پڑ جائیں۔ تو پانی پلید نہ ہوگا۔

(۳) امام زھری نے مردار جانوروں جیسے ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں (دانت) کے بارے میں فرمایا: کہ میں نے اپنے سے پیش رو حضرات علماء کو دیکھا۔ کہ وہ اکابر حضرات ان اشیاء سے کنگھی بھی کرتے تھے۔ اور ان کے بنے ہوئے برتنوں میں تیل بھی محفوظ کرتے تھے۔ (تاکہ بالوں میں لگاسکیں) اور اسے درست بھی سمجھتے تھے۔ (کیونکہ ان کے ہاں یہ تیل بھی پاک ہے۔ اور یہ کنگھا بھی طاہر)۔

آثار سابقہ کی طرح یہ اثر موقوف بھی ہمارے مسلک کی بہترین دلیل ہے۔ کیونکہ حضرات حنفیہ کے ہاں بھی "عظام موتی" مطلقاً طاہر ہیں۔ اور ان سے بنے ہوئے آلات بھی قابل استعمال ہیں۔

جبکہ دیگر ائمہ کی آراء ان آثار سے مختلف ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت امام بخاری کا مسلک ر مسلک حنفیہ ہی ہے۔

(۴) امام ابن سیرین اور امام ابراھیم نخعی فتویٰ دیا کرتے تھے: کہ ہاتھی کے دانتوں کی خرید ر فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

چونکہ اثر مذکور کا "مسئلہ الباب" سے کوئی تعلق نہیں۔ لھذا اس میں "فقہی تجزیہ" مناسب نہیں۔

(۵) ام المومنین سیدہ میمونہ فرماتی ہیں: کہ حضور انور سے مسئلہ پوچھا گیا: کہ گھی میں چوہا جاپڑے تو وہ گھی قابل استعمال ہے یا نہ؟

حضور انور نے جواب عطا فرمایا: کہ اس چوہے کو بمع ملحقہ گھی کے باہر پھینکو۔ اور بقیہ بچے ہوئے گھی کو استعمال کرلو۔

حضرات ائمہ اربعہ نے حدیث مذکور سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: کہ جما ہوا گھی جو چوہے کے مضافات میں موجود ہے۔ وہ پلید ہے اور بقیہ گھی پاک ہے۔ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ اور امام بخاری اسی اجماع کی تائید فرمارہے ہیں۔

اگر کوئی طالب حدیث یہ اشکال پیش کرے: کہ امام بخاری کا حدیث مذکور سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے۔ کہ گھی خواہ جما ہوا ہو یا پگھلا ہوا۔ چوہے کے پڑنے سے پلید نہیں ہوتا۔

یہ اشکال کئی وجوہ سے باطل ہے:

(الف) سنن ابوداؤد میں یہ روایت تفصیل سے منقول ہے. جس کا حاصل یہ ہے: کہ گھی اگر پگھلا ہوا ہو تو گھی کو ضائع کردو. اور اگر جما ہوا ہو تو بقیہ گھی استعمال کرلو.

(ب) " وما حولها " کا جملہ بھی وضاحت کے ساتھ اسی امر کی تائید کرتا ہے: کہ یہ حکم جمے ہوئے گھی کے بارے میں ہے. نہ کہ عام گھی کے بارے میں. کیونکہ ماحولْ جامد گھی کا ہی متعین ہو سکتا ہے. نہ کہ پگھلے ہوئے گھی کا.

(۶) سیدنا ابوھریرہ حضور انور کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں. کہ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں مسلمان کو پہنچنے والا ہر زخم قیامت کے دن تازہ اور ہرا ہو جائے گا جیساکہ وہ زخم نیزہ لگنے کے وقت بہتے ہوئے خون کے ساتھ ہرا ہوتا تھا. لیکن اب اس زخم کا رنگ تو خون جیسا ہوگا البتہ اس کی مہک کستوری کی مانند ہوگی.

امام بخاری اس روایت سے یہ ثابت فرما رہے ہیں: کہ صفات کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے. حضرات ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے.

(۷) حضور اکرم نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی بھی تھمے (رکے ہوئے) پانی میں. جو بہتا ہوا نہ ہو. ہرگز پیشاب نہ کرے. پھراس میں نہائے (ایسا ہرگز نہ کرے)

امام بخاری نے اس روایت پر **باب البول فی الماء الدائم** قائم فرمایا ہے. اور اس عنوان نیز کلمات حدیث **الذی لایجری.** سے مندرجہ ذیل دلائل کی روشنی میں " مسلک حنفیہ " کی بھرپور تائید فرمائی ہے. وہ یوں: کہ

(۱) امام بخاری مذکورہ باب کو ان احادیث اور آثار کے بعد لائے ہیں. جن سے کسی درجہ فریق ثانی کی تائید ہوتی تھی. گویا حضرت امام نے مذکورہ باب کو بمع حدیث الباب بعد میں لاکر ان احادیث اور آثار محتملہ کو منسوخ قرار دیا ہے. اور حدیث جمہور کو " ناسخ " اور " معمول بہ ".

(۲) امام بخاری نے مذکورہ روایت " الذی لایجری " کے کلمات سے نقل فرما کر مسلک حنفیہ کی بھرپور تائید کردی ہے کہ: بول کے قطرات کے پڑنے سے پلید ہونے والا پانی وہ ہے جو جاری نہ ہو. اور جو پانی جاری ہو وہ ہرگز پلید نہ ہوگا.

یہی حضرت امام اعظم کا مسلک ہے. اور یہی حدیث الباب کا حاصل. اور اسی مسلک کی امام بخاری تائید فرما رہے ہیں.

(۳) حدیث الباب کا ترجمہ:

سیدنا ابن عمر فرماتے ہیں: کہ میں نے حضور انور سے سنا جب کہ آپ سے اس پانی کے متعلق پوچھا جارہا تھا. جو میدان اور صحرا وغیرہ میں ہوتا ہے. اور جس پر پرندوں اور چوپاوں وغیرہ کا گزر ہوتا رہتا ہے.

کہ ایسے پانی کا کیا حکم ہے؟

لسان نبوت سے جواب ملا: کہ جب پانی دو قلے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا.

علامہ محمد بن اسحاق راوی حدیث "قلہ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ "قلہ" مٹکے کو کہتے ہیں۔ اور "قلہ" کے معنی کنوئیں (رہٹ) کے ڈول کے بھی آتے ہیں۔ جس کے ذریعے کھیت وغیرہ کو سیراب کیا جاتا ہے۔

(۴) محدثین اور فقہاء کے اقوال:

(۱) امام دارالہجرہ امام مالک اور امام احمد (فی روایہ) فرماتے ہیں: کہ پانی خواہ قلیل (کم) ہو یا کثیر، وقوع نجاست سے نجس نہ ہوگا۔ مگر جبکہ "اوصاف ثلاثہ" (ذائقہ، بو اور رنگ) میں سے کوئی وصف متغیر ہو جائے۔

گویا اس مسلک کے قائلین کے ہاں: قلت و کثرت کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ مذہب توسع اور سہل انگاری پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس مسلک کے مطابق: اگر بول کا ایک قطرہ کسی پیالے میں گر جائے تو پانی پلید نہ ہوگا۔ اس لئے کہ "تغیر وصف" نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ حضرت امام مالک سے ایک قول مسلک جمہور (مسلک حنفیہ) کے مطابق بھی مروی ہے۔ لیکن مشہور اور مفتی بہ قول یہی ہے۔

(۲) امام شافعی، علامہ اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل (فی روایہ) کے ہاں: اگر پانی قلیل (قلتین سے کم) ہو تو گندگی کے پڑنے سے پلید ہو جائے گا۔ اور اگر بہت (قلتین سے زائد) ہو تو پھر نہیں۔

ان حضرات کے ہاں گویا پانی میں تحدید ہے۔ "قلتین" (دو مٹکے) اور اس سے زیادہ پانی "کثیر" ہے۔ اور "قلتین" سے کم "قلیل"۔

لہذا اگر پانی "قلتین" یا اس سے زائد ہو تو پھر ہرگز پلید نہ ہوگا۔ خواہ اس میں کتنی ہی نجاست کیوں نہ پڑ جائے۔ ہاں اگر پانی کے تین اوصاف میں سے کوئی وصف تبدیل ہو جائے تو پھر پانی ہر حالت میں پلید ہو جائے گا۔

(۳) افقہ الامہ امام اعظم امام ابوحنیفہ، حضرات صاحبین، امام ابراہیم نخعی، قاضی عبداللہ بن شبرمہ، قاضی عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ، قاضی لیث بن سعد مصری اور جمہور فقہاء و محدثین کا مذہب یہ ہے: کہ "ماء قلیل" نجاست کے پڑنے سے پلید ہو جاتا ہے۔ جبکہ "ماء کثیر" اور "ماء جاری" نجس نہیں ہوتے۔ (جیسا کہ مسلک ثانی کے حضرات کا قول ہے)

لیکن پانی کی قلت و کثرت میں "قلتین" کی بجائے "مبتلی بہ" حضرات علماء اور اصحاب فقہ و دانش کی رائے سے تعین کی جائے گی۔ متاخرین فقہاء حنفیہ نے حضرات فقہاء و محدثین کی آراء کے تناظر میں قلت و کثرت میں فرق کرنے کے لیے کچھ علامات مقرر کی ہیں۔

(۱) تکدر (۲) صبغ (۳) تحریک (۴) مساحت

(۱) تکدر: علامہ قاسم فرماتے ہیں: کہ جس پانی میں نجاست گرے وہاں اتنی مقدار میں خشک مٹی ڈال دی جائے۔ اگر سارا پانی مکدر ہو جائے تو پانی "قلیل" ہے۔ ورنہ "کثیر"۔ پھر "ماء کثیر" میں سے جتنا پانی "مکدر" ہوگا

اتا " نجس " ہوگا اور باقی " طاہر " ۔
(۲) صبغ: علامہ ابو حفص کبیر کے ہاں خشک مٹی کی بجائے رنگ کے ذریعے " قلت و کثرت " معلوم کی جائے . جو پانی رنگین ہوجائے وہ: پلید ہے اور جو اپنے حقیقی رنگ میں رہے وہ: پاک ہے ۔
(۳) تحریک: علامہ قدوری کے نزدیک جس جگہ وقوع نجاست ہو وہاں سے پانی کو حرکت دی جائے . اگر حرکت بقیہ تمام اطراف میں پھیل جائے تو پانی " قلیل " ہے . وگرنہ "کثیر" ۔
اس مفہوم کو اپنی کتاب " قدوری " میں ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں: **مالم یتحرک بتحریک الطرف الاخر.**
(۴) مساحت: پانی " عشر فی عشر " یعنی دہ دردہ (دس مربع گز) میں ہو تو وہ "کثیر" ہے . ورنہ " قلیل "
اس قول کے قائل حضرت ابوسلیمان جوزجانی ہیں . جو انہوں نے اپنے استاد محترم حضرہ امام محمد کے قول " کمسجدی ھذا " سے تخریج فرمایا ۔
متاخرین فقہاء حنفیہ نے اسی " عشر فی عشر " کے قول کو " معمول بہ " اور " مفتی بہ " قرار دیا ہے . کیونکہ ایک تو یہ قول حضرت امام محمد سے منقول ہے . نیز حضور اکرم کے ارشاد گرامی: **من حفر بیرا فلہ حریمھا عشرا فی عشر.** سے بھی اس قول کی کسی درجہ تائید ہوتی ہے ۔
(۴) علامہ داود ظاہری اور اہل ظواہر (غیر مقلدین) کے نزدیک: پانی خواہ " قلیل " ہو یا "کثیر" ر اس کے اوصاف تبدیل ہوجائیں یا نہ ر جاری ہو یا غیر جاری . ہر حالت میں پاک ہے . توگویا پانی کسی صورت میں بھی پلید نہیں ہوتا ۔
مگر جب کہ غلبہ نجاست کے سبب پانی میں " رقت " اور " سیلان " (بہاو اور روانی) ہی ختم ہو جائے . تو اس صورت میں پانی " نجس " ہو جائے گا . " طاہر " نہ رہے گا ۔
اس مسلک کے پیروکاروں کے ہاں: گٹرز اور نالیوں میں چلنے والا پانی قابل استعمال ہے . اس سے وضو اور غسل کیا جاسکتا ہے . البتہ پینے پلانے کے لئے مناسب نہیں ۔

(۵) دلائل احناف:

حضرات احناف مندرجہ ذیل صحیح " احادیث مرفوعہ " اور " روایات موقوفہ " سے استدلال کرتے ہیں:
(۱) حدیث الباب: **عن ابی ھریرہ عن النبی قال: لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یتوضا منہ.** مسئلہ الباب میں فقط یہی ایک روایت ہے جسے تمام مولفین کتب صحاح ستہ نے اپنی اپنی کتب میں نقل فرمایا ہے .
امام بخاری کے نزدیک: " باب المیاہ " میں یہی ایک روایت " سند و متن " کے اعتبار سے " صحیح " ہے ۔
امام ترمذی فرماتے ہیں: " ھذا حدیث حسن صحیح "
(۲) فرمان شارع: **عن جابر نھی رسول اللہ ان یبال فی الماء الراکد.** (رواہ مسلم)

اس حدیث کی طرف امام ترمذی نے " وفی الباب عن جابر " کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے۔ یہ بات بالکل روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ " ماء راکد " اور " ماء دائم " (رکے ہوئے پانی) میں بول کرنے سے پانی کا کوئی وصف متغیر نہیں ہوتا۔ نیز حضور انور نے ان دو احادیث صحیحہ میں " قلتین " کا استثناء کیے بغیر بول کرنے سے روکا ہے۔ لہٰذا ان احادیث سے معلوم ہوا : کہ " ماء قلیل " نجاست اور گندگی کے پڑنے سے پلید ہوجاتا ہے۔

(۳) قول شارع : **عن ابی هریرہ عن النبی قال : اذا استیقظ احدکم من منامه فلا یغمسن یدہ فی الاناء..... فانه لا یدری این باتت یدہ۔** (رواہ البخاری و مسلم وغیرهما)

یہ حدیث مبارک تمام کتب " صحاح ستہ " میں موجود ہے۔ اور امام ترمذی کا اس حدیث کے بارے میں بھی یہی فتویٰ ہے کہ : " هذا حدیث حسن صحیح "

ہر عاقل آدمی جانتا ہے کہ پانی میں خشک ہاتھ ڈالنے سے پانی کا کوئی بھی وصف متغیر نہیں ہوتا۔ پھر بھی حضور اطہر نے " طهارۃ ماء " کے لئے " ادخال الید قبل الافراغ " سے منع فرمادیا۔ نیز آپ نے " قلتین " کی بھی کوئی تحدید نہیں فرمائی۔

(۴) اجماع صحابہ : **عن ابن سیرین ان زنجیا وقع فی زمزم فمات فامر به ابن عباس ... ان تنزح۔** (رواہ دار قطنی وغیرہ واسنادہ صحیح)۔

یہ ایک غیر مخفی حقیقت ہے کہ : زمزم کے کنوئیں کا پانی " قلتین " کی مقدار سے بیس ہزار گنا زیادہ ہے۔ اب اس میں ایک آدمی کے مرجانے سے " تغیر اوصاف " بھی لازم نہیں آتا۔ اس کے باوجود " حبر الامہ سیدنا ابن عباس " نے وجوبی طور پر زمزم کے کنوئیں سے پانی نکالنے کا حکم دیا۔

سادات مہاجرین و انصار اکابر صحابہ میں سے کسی نے اس فتویٰ پر اعتراض نہیں فرمایا۔ لہٰذا یہ مسئلہ " اجماع صحابہ " سے ثابت ہوا۔

(۵) **عن عطاء ان حبشیا وقع فی زمزم فمات فامر ابن الزبیر فنزح ماءها۔** (رواہ الطحاوی وغیرہ)

(۶) حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ایک سفر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک اعرابی عورت کے مشکیزے سے پانی لیا۔ **فقال رسول الله : سلها۔ فان کانت دبغتها فهو طهور۔** (رواہ ابن ماجہ واحمد وغیرهما)

ان احادیث مبارکہ کے علاوہ متعدد " آثار موقوفہ ، صحیح الاسناد " اکابر امت سے منقول ہیں۔ جنھیں حضرات محدثین اور سادات فقہاء نے حدیث و فقہ کی کتب میں نقل کیا ہے۔

ان احادیث صحیحہ ، مرفوعہ ، جید الاسناد پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے : کہ یہاں نہ تو " قلتین " کی تحدید ہے۔ اور نہ ہی " تغیر احد اوصاف " کی قید۔ بلکہ " ماء راکد " اور " ماء قلیل " پر مطلقاً " لقاء نجاست " کے سبب " نجس " کا حکم لگایا گیا ہے۔ البتہ " ماء جاری " اور " ماء کثیر " احادیث بالا سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ دلائل استثناء احادیث میں کثرت سے موجود ہیں۔

(۶) دلائل ائمہ:

امام مالک اور ان کے رفقاء مسلک حدیث الباب " حدیث بیر بضاعہ " سے استدلال کرتے ہیں. جسے:

امام ترمذی نے: باب ماجاء ان الماء.

امام ابوداؤد نے: باب ماجاء فی بیر بضاعہ.

امام نسائی نے: باب ذکر بیر بضاعہ.

کے عنوانات کے ضمن میں نقل فرمایا ہے۔

محل استدلال حدیث مبارک کا آخری کلمہ: ان الماء طھور لا ینجسہ شیئً. ہے۔

" شئی " نکرہ ہے. مقام نفی میں واقع ہوا ہے. لہٰذا نحوی قانون کے مطابق عموم کا فائدہ دے گا۔

" تغیر اوصاف " کے استثناء پر " سنن ابن ماجہ " اور " دار قطنی " کے درج ذیل کلمات دلالت کرتے ہیں:

ان الماء طھور لاینجسہ شیی الا ما غلب علی طعمہ او لونہ او ریحہ.

نیز علماء اہل سنت کا اس ضابطہ پر اجماع ہے: کہ پانی کے تین اوصاف میں سے جب ایک وصف متغیر ہوجائے پانی پلید ہو جاتا ہے:

ان الماء اذا تغیر احد اوصافہ بالنجاسہ تنجس. لاتجوز الطھارہ بہ. سواء قلیلا کان او کثیرا ، جاریا کان او غیر جار۔

انہی دو دلائل کے سبب قائلین مذہب اول نے " تغیر اوصاف " کی قید لگائی.

حضرت امام شافعی اور ان کے ہم خیال اکابرین امت حدیث الباب " حدیث قلتین " کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں. جسے:

امام ترمذی نے باب منہ آخر.

امام ابوداؤد نے: باب ما ینجس الماء.

کے ضمن میں نقل فرمایا ہے.

الغرض: دیگر مذاہب کے اکابرین حضرات " حدیث بیر بضاعہ " اور " حدیث قلتین " کا سہارا لیے ہوئے ہیں۔

یہ دونوں روایات وہ ہیں: جنہیں نہ ہی حضرت امام بخاری اور نہ ہی حضرت امام مسلم نے نقل فرمایا ہے.

(۷) جوابات حدیث بیر بضاعہ:

سادات محدثین اور حضرات فقہاء نے " حدیث بیر بضاعہ " کے درج ذیل توجیہات اور جوابات بیان فرمائے

(۱) صریح غیر صحیح اور صحیح غیر صریح: " حدیث بیر بضاعہ " کے وہ الفاظ جنہیں حضرت امام ترمذی اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ اس سے حضرت امام مالک کا استدلال درست نہیں۔ کیونکہ اس میں " تغیر اوصاف " کا استثناء نہیں ہے۔ جبکہ حضرت امام مالک اور ان کے رفقاء مسلک " تغیر اوصاف " کی قید سے " حدیث بیر بضاعہ " کے حکم عام کو مقید کرتے ہیں۔

وہ ضمیمہ جسے امام ابن ماجہ نے: **الا ما غلب علی طعمہ او لونہ او ریحہ.** کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے وہ حضرات محدثین کے ہاں انتہائی ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔ مثلاً:

امام نسائی اور امام ابن حبان فرماتے ہیں: یہ ضمیمہ قطعی طور پر قابل استدلال نہیں ہے۔

امام دار قطنی اس ضمیمہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ ضمیمہ درست نہیں ہے۔ **لا یثبت ھذا الحدیث.**

(۲) ضعیف اور مضطرب: بعض حضرات محدثین کے ہاں: " حدیث بیر بضاعہ " ضعیف بھی ہے اور مضطرب بھی۔ لہٰذا قابل استدلال نہیں۔

اس لیے حضرت امام ترمذی نے حدیث مذکور کو صرف " حسن " مانا ہے۔ اور اس کے " صحیح " ہونے کی نفی فرما دی ہے۔ فرماتے ہیں:

ھذا حدیث حسن.

(۳) سوال بوجہ توہم نجاست: حدیث مذکور کو اگر قابل استدلال تسلیم بھی کر لیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ تو پھر یہ سوال ہر ذی شعور کے ذہن میں آتا ہے کہ: حضرات صحابہ نے حضور انور سے یہ سوال **انتوضا من بیر بضاعہ وھی بیر یطرح فیھا.....** (الحدیث)

کیا اس وقت کیا؟ جب یہ نجاسات اور گندگی کا ڈھیر انہوں نے خود اس کنوئیں میں دیکھا۔ یا خود ڈالا۔ یا کسی کو ڈالتے دیکھا؟

یا صرف " توہم " اور " امکان " کی بناء پر انہوں نے یہ سوال کیا۔

یقیناً حضرات صحابہ نے سابقہ کیفیت یا موجودہ امکان کی بناء پر یہ سوال کیا ہے۔ جس کی تائید مندرجہ ذیل پانچ عقلی اور نقلی دلائل سے ہوتی ہے۔

(۱) یہ کنواں (بیر بضاعہ) نشیبی علاقے میں واقع تھا۔ جب کہ اس کے چاروں طرف بالائی زمین پر لوگوں کا ایک شہر آباد تھا۔ حضرات صحابہ کو یہ شک گذرا کہ شاید تند و تیز ہوا یا موسلا دھار بارش کے سبب شہر کی گندگی اس کنوئیں میں پڑتی ہو گی۔ اس لیے ان صفائی پسند حضرات نے اس امکان کی بناء پر حضور اطہر سے اس پانی کے بارے میں سوال کیا۔

حضور نے نہایت حکیمانہ انداز میں جواب دیا: کہ پانی " وقوع نجاست " سے نجس ہوتا ہے۔ صرف " توہم امکان " کی بناء پر نہیں۔

(۲) علامہ ابن الھمام فرماتے ہیں: کہ حدیث موصوف کے کلمات: وھی بیر یلقی ر یطرح.
میں " یلقی ر یطرح " کلمہ مجہول استعمال کیا گیا ہے. جس کا مطلب یہ ہے کہ: اس کنوئیں میں گندگی حضرات صحابہ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری سے قبل کسی زمانہ میں ڈالی جاتی تھی. جنھیں کلمہ مجہول سے یاد کیا جا رہا ہے. گندگی ڈالنے والے وہ: مجہول افراد ہیں جنہیں حضرات صحابہ نے نہ ہی دیکھا ہے. اور نہ ہی ان کے گندگی ڈالنے کے زمانہ سے یہ حضرات واقف ہیں.
حضور انور نے ان کے طرز تخاطب سے معلوم فرما لیا کہ یہ حضرات سابقہ امکان وقوع کے بارے میں سوال کر رہے ہیں. اس لیے آپ نے علی اسلوب الحکیم جواب عطا فرمایا ہے:
کہ (اس کنوئیں کا) پانی پاک ہے - پلید نہیں -
(۳) علامہ ابونصر فرماتے ہیں: کہ زمانہ جاہلیت میں یہ چیزیں کنوئیں میں ڈالی جاتی تھیں. جس پر مسلمانوں کو خیال گذرا کہ شاید پانی اب تک " نجس " ہو. کیونکہ کنوئیں کی اندرونی دیواروں پر گندگی کے اثرات باقی تھے.
حضور انور نے " ازالہ توہم " کے لئے فرمایا: کہ " بیر بضاعہ " کا پانی (کثرت نزح اور کثرت استعمال) کے سبب پاک ہے. پلید نہیں -
(۴) شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: کہ عام مسلمان اس نوعیت کی گندگیاں کسی کنوئیں میں دیکھنے کے بعد اس پانی کی " طہارت " کے بارے میں سوال نہیں کرتا. حضرات صحابہ جن کی طہارت و نظافت پر خود قرآن حکیم ناطق و شاہد ہے. ان کے بارے میں یہ کیسے ممکن ہے: کہ وہ ایسے پانی کے بارے استفسار کریں. جس میں کائنات کی ہر طرح کی گندگی موجود ہو -
(۵) حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں: جس وقت شریعت مطہرہ پانی میں تھوکنے اور بیدار ہونے کے بعد " ادخال ید فی الماء " سے منع کرتی ہے. کیسے وہی شریعت مطہرہ اس بات کو روا رکھتی ہے. کہ ایسے پانی کو استعمال کیا جائے جس میں " لحوم کلاب ر حیض " اور " اشیاء نتن " موجود ہوں.
(۴) " الف لام " عہد خارجی: علامہ ابن الھمام فرماتے ہیں: کہ **الماء طھور لا ینجسہ شئی**. میں " الف لام " اگر جنس کے لئے ہو تو یہ اس اجماع کے منافی ہے. جسے ہم نے پہلے بیان کیا. **ان الماء اذا تغیر احد اوصافہ بالنجاسۃ تنجس.**
اور اگر " الف لام " عہد کے لئے ہو. تو پھر یہ حکم " بیر بضاعہ " کے پانی کے بارے میں ہوگا: کہ " ماء بیر بضاعہ " طاہر ہے. نجس نہیں. اور اس کے ہم بھی قائل ہیں. لہٰذا کوئی اختلاف باقی نہ رہا.
(۵) ماء جاری: امام طحاوی فرماتے ہیں: کہ " بیر بضاعہ " ماء جاری کے حکم میں تھا. کیونکہ اس کنوئیں سے جس قدر بھی پانی نکالا جاتا. اتنا ہی پانی نیچے زمین سے ابل پڑتا -
اس کی تائید علامہ واقدی کے اقوال سے ہوتی ہے. جسے امام طحاوی نے نقل کیا ہے.

نیز اس کی تائید صحیح بخاری کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ: اس کنوئیں کے ارد گرد سرسبز باغات تھے جن کی آب یاری اس کنوئیں کے پانی سے ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری۔ جلد اول۔ ص ۱۲۸)

(٦) امام طحاوی فرماتے ہیں: کہ حدیث مذکور میں "ان الماء طهور لا ینجسہ شئی" کی ترکیب ویسی ہی ہے۔ جیسا کہ آپ نے ایک مرتبہ سیدنا ابوہریرہ کو فرمایا: "ان المومن لا ینجس" حالانکہ قرآن مجید میں ہے: "ان کنتم جنبا فاطهروا" اور طہارت یقیناً ازالہ نجاست کے لئے ہی ہوا کرتی ہے۔ ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا: "ان الارض لا ینجس"

ان تینوں احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے معنی یوں ہوگا: کہ پانی ایسا پلید نہیں ہوتا۔ جو پاک نہ ہو سکے بلکہ کنوئیں کا پانی نکال لینے کے بعد بقیہ پانی پاک ہوجاتا ہے۔ **لا ینجس بنجاسه بحیث لا یطهرا بدا**

(٦) امام شافعی حدیث بیر بضاعہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: **كانت بير بضاعه كبيرة واسعة** بیر بضاعہ ایک بہت بڑا کنواں تھا جسکے سبب حضور نے فرمایا: کہ اس کنوئیں کا پانی پاک ہے پلید نہیں ہے۔

(٧) طالب علمانہ توجیہ: احقر کے نزدیک بیر بضاعہ کا پانی "قلیل" تھا یا "کثیر"؟ اگر وہ "قلیل" تھا۔ تو یقیناً "لحوم کلاب رحیض" اور اشیاء نتن کے گرنے سے اس کا پانی متغیر ہو چکا ہو گا۔ اور "ماء متغیر" بالاجماع نجس ہے۔ اور اگر وہ "کثیر" تھا تو "ماء کثیر" بالاجماع ایسی گندگیوں کے پڑنے سے پلید نہیں ہوتا۔ لہٰذا حدیث بیر بضاعہ ہمارے خلاف نہ ٹھری۔ بلکہ تمام ائمہ اور فقہاء کے اجماع کا سبب بن گئی۔

(٨) محدثانہ توجیہ اور میں: احقر کے نزدیک مسلک اول کے حضرات کو غلطی اس امر سے لگی کہ انہوں نے حدیث الباب کے جملے "ان الماء" میں "الماء" کے الف لام کو ماہیت اور جنس کے معنی میں سمجھا۔ اور حضور اقدس کے فرمان کا حاصل یہ سمجھا: کہ بے شک ہر طرح کا پانی پاک ہے جو چیز بھی اس پانی میں پڑے۔ اسے پلید نہیں کرتی۔

جب کہ "الماء" میں "الف لام" اس مخصوص پانی کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ جس کا تذکرہ حضرات صحابہ نے بیر بضاعہ کے ضمن میں کیا تھا۔ لہٰذا مذکورہ جملہ کا ترجمہ یہ ہوگا:

کہ بے شک بیر بضاعہ کا پانی پاک ہے۔ اور یہ پھینکی ہوئی چیزیں اس پانی کو پلید نہیں کرسکتیں۔

اس دوسرے معنی کے لحاظ سے حدیث الباب ان صحیح احادیث کے ھم معنی اور موید بنی۔ جن سے حضرات احناف استدلال کرتے ہیں۔ اور جن میں سے چند ھم نے "دلائل احناف" کے ضمن میں تحریر کی ہیں۔ لہٰذا حدیث بیر بضاعہ مسلک احناف کی "موید" ہے۔ نہ کہ "معارض"۔

(٨) حدیث قلتین کے جوابات:

(١) **ضعیف:** تمام حضرات محدثین نے "حدیث قلتین" کو "ضعیف" قرار دیا ہے۔ اس لئے امام ترمذی نے حدیث مذکور کو نقل کرنے کے بعد نہ ہی اسے "حسن" فرمایا ہے۔ اور نہ ہی "صحیح"۔

بلکہ حضرت امام نہایت خاموشی سے بلا تبصرہ گذر گئے ہیں.
امام ابن عبدالبر مالکی نے حدیث قلتین کے "ضعف" پر اجماع نقل کیا ہے.
امام غزالی نے (باوجود شافعی ہونے کے) حدیث قلتین پر دس
اور علامہ ابن قیم حنبلی نے پندرہ اشکالات پیش فرمائے ہیں. اور اسے ناقابل استدلال قرار دیا ہے.

(۲) مضطرب: حدیث الباب حدیث قلتین ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ سند، متن، مفہوم اور مصداق کے اعتبار سے "مضطرب" بھی ہے. اس لئے حضرت امام بخاری اور امام مسلم نے اس روایت کو نقل نہیں فرمایا۔
سند، متن، مفہوم اور مصداق کے اضطراب کی تفصیل درج ذیل ہے.

(۱) اضطراب سند: "حدیث قلتین" تین طریقوں سے حضرات محدثین نے تخریج فرمائی ہے.
(۱) ولید بن کثیر مخزومی.
(۲) محمد بن اسحاق.
(۳) حماد بن ابی سلمہ.
امام ابوداؤد فرماتے ہیں: کہ ولید بن کثیر کی روایت میں چار وجوہ سے اضطراب ہے.
محمد بن اسحاق کی سند میں دو طرح کا اضطراب ہے.
اور حماد بن ابی سلمہ کی روایت میں "وقف و رفع" کا اضطراب ہے.

(۲) اضطراب متن: اضطراب متن کی توضیح یوں ہے: کہ حدیث مبارک کتب احادیث میں چھ طرح سے مروی ہے:
(۱) اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث. (رواہ الترمذی وغیرہ)
(۲) اذا کان الماء قدر قلتین او ثلث لم ینجس. (رواہ احمد و دار قطنی)
(۳) اذا بلغ الماء قلہ فانہ لا یحمل الخبث. (اخرجہ ابن عدی)
(۴) اذا کان الماء اربعین قلہ لم یحمل الخبث. (رواہ عبدالرزاق)
(۵) اذا کان الماء اربعین دلوا لم یحمل الخبث. (رواہ ابن عساکر)
(۶) اذا کان الماء اربعین غربا لم یحمل الخبث. (رواہ ابن حجر)

(۳) اضطراب معنی: اصحاب لغت نے "قلہ" کے کئی معنی تحریر فرمائے ہیں:
(الف) قامہ الرجل. (انسانی قدو قامت)
(ب) راس الجبل. (پہاڑ کی چوٹی)
(ج) سنام البعیر. (اونٹ کی کوہان)
(د) اعلی الراس. (سر کا بالائی حصہ)

(ہ) الجرہ العظیمہ۔ (بہت بڑا مٹکہ)
(و) الکوز الصغیر۔ (چھوٹا استاوہ)
(ز) کل ما یستقلہ الایدی۔ (ہر وہ چیز جو زور بازو سے اٹھالی جائے)
(ح) القربہ۔ (مشکیزہ)

ان متضاد معانی میں سے کسی ایک معنی کو اختیار کرکے اسے طہارت اور نجاست میں فاصل بنادینا یقیناً عقلی اور نقلی دلیل کے بغیر ہوگا۔

جو قانون فقاہت و درایت کے منافی ہے۔

اضطراب مصداق: اگر آپ کی بے دلیل بات تسلیم کرتے ہوئے "قلہ" کے معنی مٹکے کے ہی مراد لئے جائیں۔ تو پھر مٹکوں کے حجم / پھیلاو اور فراخی میں کئی اقوال حضرات شوافع سے منقول ہیں۔

(۱) حضرت امام شافعی فرماتے ہیں: کہ اس "قلہ" سے مقام "حجر" کے مٹکے مراد ہیں۔ "حجر" ملک یمن میں ایک بستی کا نام ہے۔ جہاں کے بنے ہوئے مٹکے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانے میں عموما استعمال ہوتے تھے۔

ان مٹکوں کے بارے میں علامہ ابن جریج فرماتے ہیں: **قد رایت قلال حجر۔ فالقلہ تسع فیھا قربتین۔ او قربتین و شیئا۔**

یعنی ان مٹکوں میں سے ہر مٹکہ میں دو مشکیزے یا دو سے زائد مشکیزوں کا پانی سما جاتا ہے۔

اب حضرت امام شافعی نے احتیاطا "قربتین و نصف" کا قول فرمایا ہے۔ گویا "قلتین" ایسے دو مٹکے: جن میں پانچ مشکیزوں کا پانی سما جائے۔

جبکہ بعض حضرات شوافع نے "قلتین" کی مقدار پانچ سو "رطل" بیان کی ہے۔

اور بعض حضرات نے پانچ سو "رطل" کی بجائے چھ سو "رطل" بتائی ہے۔

اس کے علاوہ حضرات شوافع سے تقریبا نو اور اقوال منقول ہیں۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: کہ "قلتین" سے قلت و کثرت کے مابین تحدید کرنا مقصود نہیں بلکہ عہد رسالت میں سب سے بڑا برتن "قلہ" ہوا کرتا تھا۔ اس لئے آپ نے "قلتین" فرماکر "ماء کثیر" کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۴) علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: کہ "حدیث قلتین" اصول حدیث کے اعتبار "شاذ" ہے۔ کیونکہ حدیث الباب حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے سوائے حضرت ابن عمر کے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر سے سوائے ان کے دو صاحبزادوں (عبد اللہ / عبید اللہ) کے کوئی روایت نہیں کرتا۔

حالانکہ اس مسئلے کا تعلق "عموم بلوی" / ضرورت عوام اور کثرت استعمال سے ہے۔ حضرات محدثین کے

ہاں: خبرواحد کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ خبرواحد کا تعلق "عموم بلوی" اور عامہ الناس سے نہ ہو۔
اگر ہو۔ تو پھر متعدد سادات صحابہ اس حدیث کو روایت کرنے والے ہوں۔ فرماتے ہیں:
لم یروہ غیر ابن عمر ولا عن ابن عمر غیر عبداللہ و عبیداللہ. فاین نافع و سالم و ایوب و سعید بن جبیر و اہل المدینہ؟۔
یعنی طہارت و نجاست ماء کا مسئلہ ہر ایک شخص کے متعلق ہے۔ ایسے ضروری ر اہم اور عمومی مسئلہ کو فقہاء مدینہ ر اہالیان مدینہ ر تلامذہ سیدنا ابن عمر کیوں نقل نہیں کرتے؟۔
لہٰذا معلوم ہوا: کہ "حدیث قلتین" بمطابق ضابطہ "شاذ" ہے۔ اور "حدیث شاذ" ناقابل عمل ہوتی ہے۔
(۵) شیخ کامل حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: کہ اگر "حدیث قلتین" قلت و کثرت کے مابین بطور معیار کے ہوتی۔ تو اس روایت مبارک کو روایت کرنے والے سیدنا ابن عمر کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک بہت بڑی جماعت ہوتی۔ جو اس اہم اور ضروری مسئلہ کو روایت کرتی۔ جیسا کہ نصاب زکوٰۃ اور مقدار رکعات کے متعلق بہت زیادہ روایات مختلف حضرات صحابہ اور سادات تابعین سے منقول ہیں۔
جبکہ "ترک تحدید قلتین" پر حضرات صحابہ کا "اجماع" معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے تمام حضرات صحابہ کی موجودگی میں بیر زمزم سے پانی نکالنے کا حکم دیا۔ اور تمام سادات صحابہ نے ان فتاوی کی تائید فرمائی۔
لہٰذا مسلک احناف "اجماع صحابہ" سے ثابت ہوا۔ اور "حدیث قلتین" اجماع سے تعارض کے سبب ناقابل عمل ٹھری۔
(۶) فقہ و نظر: احقر کے نزدیک امام نسائی نے "حدیث قلتین" کو صحیح روایات سے تعارض کے سبب ناقابل عمل قرار دیا ہے۔ وہ یوں:
کہ امام نسائی نے "حدیث قلتین" پر "التوقیت فی الماء" کا عنوان قائم فرماکر اس سے اگلا عنوان "ترک التوقیت فی الماء" کا قائم فرمایا ہے۔ اور اس کے ضمن میں دو روایات کو چار متعدد صحیح اسناد سے نقل فرمایا ہے۔
نیز اس سے اگلا عنوان "الماء الدائم" قائم فرمایا۔ جو حضرات حنفیہ کی اساسی دلیل ہے۔
گویا امام نسائی کے ہاں: "حدیث قلتین" صحیح السند روایات سے تعارض کے سبب منسوخ ہوکر ناقابل عمل ہے۔ اور بصورت عمل قابل توجیہات۔

(۹) وجوہ ترجیح:

(۱) جامعیت: امام مالک "حدیث بیر بضاعہ" پر کسی درجہ عمل پیرا ہوئے۔ لیکن "حدیث قلتین" اور ان احادیث صحیحہ کو جنہیں حضرات احناف نے پیش فرمایا۔ ان پر عمل پیرا نہ ہوسکے۔
ایسے ہی حضرات شوافع "حدیث قلتین" سے استدلال کرتے ہوئے "حدیث بیر بضاعہ" اور ان احادیث صحیح

الاسناد کی تاویل کرنے یا ساقط کردینے پر مجبور ہوئے۔ جو ہم پہلے " دلائل احناف " کے ضمن میں تحریر کرچکے ہیں۔
لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اپنی دقت نظری اور فقیہانہ بصیرت کے سبب مسئلہ الباب میں آمدہ جملہ احادیث پر عمل پیرا ہوئے۔ اور کسی حدیث کو ترک نہ فرمایا۔ وہ یوں :
کہ خالق کائنات نے " تخلیق ماء " میں درج ذیل انداز اختیار فرمائے ہیں :
(ا) ماء الانہار والبحار : (نہروں اور سمندروں میں بہنے والا لامحدود پانی)
(ب) ماء الابار : (کنوئیں اور زمین سے ابلنے والا پانی)
(ج) ماء الفلوات والعیون : (چشمہ ، حوض اور تالاب میں جمع شدہ پانی)
(د) ماء الراکد والاوانی : (مٹکوں اور برتنوں میں پڑا ہوا پانی)
پہلی قسم کا پانی بالاجماع کس صورت میں بھی پلید نہیں ہوتا۔ طہارت ماء کی تمامی آیات اور احادیث مطلقاً اسی پہلی ہی قسم کے بارے میں ہیں۔ حدیث بیر بضاعہ کا تعلق " ماءالابار سے ہے۔ بشرطیکہ نجاست کنوئیں سے نکال لی جائے۔ جیسا کہ " بیر زمزم " کے بارے میں سیدنا علی ، سیدنا ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فتاوی۔ اور ان کے عملی اقدام پر اجماع صحابہ۔
" حدیث قلتین " کا حکم " ماء العیون والفلوات " کے بارے میں ہے۔
وہ احادیث صحیح الاسناد جو دلائل احناف کے ضمن میں تحریر ہیں کا ورود " ماء الراکد والاوانی " کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ امام بخاری اور تمام محدثین صحاح تسعہ کے عنوانات وابواب سے ظاہر ہے۔
حضرات حنفیہ نے مسئلہ الباب کے ضمن میں آمدہ تمام روایات اور جملہ آیات قرآنیہ کو اپنی فقیہانہ بصیرت ، اتباع سنت اور وفور علم کے سبب " معمول بہا " بنایا۔ اور شہادت امامت عظمی کی توثیق فرمادی۔
(۲) اصح ما فی الباب : مسلک حنفیہ بحمداللہ مسئلہ الباب میں بھی کئی احادیث صحیحہ سے موید ہے۔ جنہیں تمام محدثین نے " صحیح " اور " حسن " کہا ہے۔ جبکہ دوسرے ائمہ کی مستدل روایات نہ ہی " صحیح " ہیں۔ اور نہ ہی " حسن "۔
(۳) تواتر عمل : قرون اولی سے اب تک کے تمام اہل ایمان کا عمل متواتر اور اجماعی فکر مسلک حنفیہ کے مطابق رہا ہے۔ نیز ہر زمانہ کے محدثین و فقہاء مسلک احق کے مطابق ہی فتاوی جاری فرماتے رہے ہیں۔ اور اہل اسلام کا عمل اسی مسلک کے موافق رہا ہے۔
(۴) موید بالقران : قرآن مجید کے فرمان **والرجز فاهجر**۔ سے بھی یقیناً **مسلک حنفیہ** " کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ مشکوک پلید پانی سے بچاؤ بھی مسلمان پر لازم ہے۔

(۱۰) اقوال ابوداود کا حاصل :

(ا) **والصواب محمد بن جعفر :** امام ابوداوٗد کے تین اساتذہ : **محمد بن العلاء ، عثمان بن ابی شیبہ ،**

حسن بن علی میں ہے :
محمد بن العلاء نے اپنے پردادا استاذ کا نام : محمد بن جعفر بن زبیر .
اور دو استاذ : عثمان بن ابی شیبہ ر حسن بن علی نے :
محمد بن عباد بن جعفر . بیان کیا ہے . اور یہ محمد بن جعفر . اور محمد بن عباد . تاریخی اعتبار سے دو مستقل شخصیات ہیں . گویا سند مذکور میں " شخصی اضطراب " ہے .

امام ابوداؤد اپنے مذکورہ بالا جملے : والصواب محمد بن جعفر . سے اپنے پہلے استاذ : محمد بن العلاء . کے سند کی تصحیح فرما کر بقیہ دو اساتذہ کی سند کو نادرست قرار دے رہے ہیں .
بہرحال " حدیث قلتین " سند کے اعتبار سے " مضطرب " ہے .

(۲) و حماد بن یزید وقفہ عن عاصم : امام ابوداؤد اس جملہ سے حدیث مذکور کے " مرفوع " اور " موقوف " ہونے کے اختلاف کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں . یعنی حضرت عاصم کے ایک شاگرد : حماد بن سلمہ . " حدیث قلتین " کو " مرفوعا " اور دوسرے شاگرد : حماد بن یزید . " موقوفا " روایت فرماتے ہیں .
گویا " حدیث قلتین " امام ابوداؤد کے ہاں : " وقف و رفع " کے اعتبار سے بھی " مضطرب " ہے .

(۳) و قال بعضهم عبدالرحمان بن رافع : امام ابوداؤد اپنے اس فرمان سے : " حدیث بیر بضاعہ " کے ناقلین میں حضرات محدثین کے " اختلاف اسماء " کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں . کہ کچھ راویوں نے : عبید اللہ بن عبد اللہ بن رافع .
اور بعض نے : عبید اللہ بن عبد الرحمان بن رافع . بیان فرمایا ہے .
گویا حضرات رواہ میں یہ اختلاف جناب عبید اللہ کے والد محترم کے بارے میں ہے .
بھرحال " حدیث قلتین " کی طرح " حدیث بیر بضاعہ " بھی حضرت امام ابوداؤد کے نزدیک : مضطرب السند ہے . اور " ناقابل حجت " . اگر " مسئلہ الباب " میں کوئی روایت " صحیح السند " ہے . تو وہ فقط حضرت امام اعظم کی مستدل روایات ہیں . جو عدد کے اعتبار سے بہت ہیں . اور کیف کے اعتبار سے " صحیح " . جن کے سند و متن کے " صحیح " ہونے پر نہ صرف " اجماع " ہے . بلکہ " اصح " ہونے پر جملہ حضرات محدثین کا " کلی اجماع " ہے . و هذا هو شانه وله الحمد .

(۴) و سمعت قتيبة بن سعيد قال : امام ابوداؤد اپنے شیخ سیدنا قتیبہ بن سعید کے حوالہ سے یہ بات نقل فرما رہے ہیں . کہ : میں نے " بیر بضاعہ " کے نگران سے اس کنوئیں کی تہ کے بارے میں سوال کیا . تو جواب ملا : کہ " بیر بضاعہ " کا پانی گھٹنے سے ناف تک رہتا تھا . جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی .
امام ابوداؤد کے شیخ کے فرمان سے اس امر کی تائید ہوتی ہے . کہ : " بیر بضاعہ " کا پانی " جاری " تھا . اور جس رفتار سے اس کنوئیں میں (ابلنے والے چشموں کے ذریعے) پانی جمع ہوتا تھا . اس سے زیادہ رفتار اور تیزی کے

ساتھ اس کنوئیں سے پانی نکال لیا جاتا تھا۔ جس کے سبب اس کنوئیں میں بقیہ ماندہ پانی کی سطح بدلتی رہتی تھی۔
لھذا حضرت قتیبہ بن سعید کا فرمان علامہ واقدی کی تحقیق اور صحیح بخاری کی روایت کے موافق ہے۔ اور مسلک حنفیہ کے عین مطابق۔

(۵) **وقدرت انا بیر بضاعہ بردائی (الخ)**: امام ابوداوٗد اپنے اس قول کے ذیل میں تین امور بیان فرمارہے ہیں: جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(الف) "بیر بضاعہ" کا پھیلاوٗ چھ مربع گز کے برابر تھا۔

(ب) کنوئیں کے متولی کے بقول: یہ کنواں اپنی اصلی حالت تعمیر پر قائم ہے۔ اور اس تین سو سالہ دور میں یہاں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

(ج) اس کنوئیں کا پانی "متغیر اللون" تھا۔

امام ابوداود کا یہ مشاہدہ، آپکا یہ عمل اور آپ کی یہ معلومات۔ چونکہ "مسئلہ الباب" سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ اس لیے ان امور کے ذیل میں سوال و جوابات کے تکلف میں پڑنا یقیناً نامناسب ہے۔

بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ "بیر بضاعہ" حضور انور کے زمانہ میں ایک نہایت مفید اور کثیر الاستعمال پانی کا مجموعہ تھا جس سے تمام اہل مدینہ اپنے لیے، مویشیوں کے لیے، باغات اور کھیتی باڑی کے لیے پانی حاصل کرتے تھے۔ یہ ایک کئی ابلنے والے چشموں کا ذخیرہ تھا۔ جو سیل رواں کی مانند تھا اور تمام مدینہ منورہ کے باسیوں کی حاجت روائی کیا کرتا تھا۔

اب جب تقریباً تین صدی بعد حضرت امام ابوداود نے اس "بیر بضاعہ" کا مشاہدہ کیا تو وہ ایک زیارت گاہ تھی۔ جس کی زیارت سے حضرت امام مشرف ہوئے۔ اب اس زیارت کو کسی مسئلہ کے اثبات میں بطور دلیل کے پیش کرنا یقیناً خلاف ضابطہ ہے۔

الحاصل "بیر بضاعہ" کے بارے میں امام واقدی کی تحقیق اور امام بخاری کی روایت کردہ حدیث مبارک مسلک حنفیہ کو ہی ثابت کر رہی ہے۔ اور اس مسلک کی حقانیت پر نص ہے۔

تنظیم المدارس (اهل السنة) پاکستان

السؤال الاول: - الجزء الاول: - عن ابی سعید الخدری قال قیل یا رسول الله انتوضأ من بئر بضاعة وهی بئر یطرح فیها لحوم الکلاب والحیض والنتن فقال الماء طهور لا ینجسه شئ۔ (۲۰)

(۱) فصل المذاهب فی نجاسة الماء وعدمها۔

(۲) وما معنی "الماء طهور لا ینجسه شئ" عند من یقول بنجاسته؟

(۳) این کان بیر بضاعة۔

۱۸- باب لایجوز الوضوء بالنبیذ

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے: **باب الوضوء بالنبیذ**. کا عنوان "مسئلہ الباب" پر قائم فرماکر اس کے ذیل میں: "سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ" کی حدیث مبارک کو نقل فرمایا ہے۔

نیز امام ابوداؤد نے: "ترجمہ الباب" کے ذیل میں: "حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ" اور "آثار سیدنا عطاء" اور "سیدنا ابوالعالیہ" کو بھی نقل فرمایا ہے۔ اور "حدیث الباب" پر: **قال ابوداود**. کے ذریعے محدثانہ گفتگو فرمائی ہے۔ ان "آثار" اور "قال ابوداؤد" کا ماحصل آگے مرقوم ہے۔

امام ترمذی نے: "حدیث الباب" کے ایک راوی: "سیدنا ابوزید" پر "جرح" فرماتے ہوئے حسب معمول فقیہانہ اور محدثانہ گفتگو فرمائی ہے۔ اس "جرح" کا خلاصہ بمع "جوابات جرح" آخر میں تحریر ہے۔

امام ابن ماجہ نے "حدیث الباب" (حدیث سیدنا ابن مسعودؓ) کی تائید "سیدنا عبداللہ بن عباسؓ" کی روایت سے فرماکر "مسلک حنفیہ" کو تائید مزید عطاء فرمائی ہے۔

امام بخاری نے ترجمہ الباب: **باب لایجوز الوضوء بالنبیذ و لا بالمسکر و کرھہ الحسن و ابوالعالیہ و قال عطاء: التیمم احب الی من الوضوء بالنبیذ و اللبن**. قائم فرماکر اس کے ذیل میں ایک "حدیث الباب: حدیث سیدہ عائشہؓ" ایسی روایت فرمائی ہے۔ جو "ترجمہ الباب" سے بالکلیہ مناسبت نہیں رکھتی۔ بھرحال "ترجمہ الباب" کا ترجمہ اور ماحصل درج ذیل ہے:

(۲) ترجمہ و آثار الباب کا ماحصل:

امام بخاری فرماتے ہیں: کہ "نبیذ" اور ہر نشہ آور مشروب سے "وضوء" ناجائز ہے۔

سیدنا حسن بصری اور سیدنا ابوالعالیہ: "نبیذ" سے "وضوء" کرنے کو "مکروہ" سمجھتے تھے۔

سیدنا عطاء فتوی دیا کرتے تھے: کہ میرے ہاں "وضوء بالنبیذ" یا "وضوء باللبن" سے "تیمم" کرلینا بہتر ہے۔

حضرات شراح اس امر پر تو متفق ہیں: کہ "حدیث الباب": "ترجمہ و آثار الباب" سے مطابقت نہیں رکھتی۔ البتہ یہ امر "مختلف فیہ" ہے: کہ حضرتِ امام اس "ترجمہ و آثار" سے کیا ثابت فرمانا چاہتے ہیں؟

بعض حضرات کے ہاں: حضرتِ امام اس "ترجمہ" سے سادات ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی تائید فرماکر "نبیذ" کی "مختلف فیہ" صورت میں "وضوء" کے "عدم جواز" کا حکم لگا رہے ہیں۔

جبکہ بعض شراح کے ہاں: حضرت امام بخاری اس " ترجمہ " سے " مسلک حنفیہ " کی تائید فرمارہے ہیں. وہ یوں:

کہ امام بخاری نے **بالمسکر.** کا " عطف تفسیری " **بالنبیذ.** پر فرمایا ہے. یعنی ایسے " نبیذ تمر " سے " وضوء " کرنا ناجائز ہے. جو " مشروب نبیذ ": نشہ آور اور " مسکر " ہو. اور جو " نبیذ ": " مسکر " نہ ہو. اس سے " وضوء " کرنا درست ہے. اور یہی حضرت امام اعظم کا " مسلک احق " ہے.

فقہ و نظر: احقر کے نزدیک: ان شراح کے فرمان کے تناظر میں یہ " ابہام " بھی " رفع " ہوجائے گا. کہ " حدیث الباب ": " ترجمہ الباب " کے مطابق نہیں. وہ یوں: کہ جب " بالمسکر " کا " بالنبیذ " پر " عطف: عطف تفسیری " ہوا. تو " نبیذ مسکر ": حدیث الباب " کے کلمات: **کل شراب اسکر فھو حرام.** کے تحت پینے اور پلانے کے اعتبار سے بھی " حرام " ہوا. اور " وضوء " کیلئے بھی ناقابل استعمال.

نیز " مسئلہ الباب " میں حضرت امام بخاری: حضرات حنفیہ کے مسلک کے موافق بھی رہے.

سیدنا حسن بصری اور سیدنا ابوالعالیہ کے قول " کراھت " سے بھی " مسلک حنفیہ " کی تائید ہوتی ہے. کیونکہ بالاجماع " مکروہ تنزیھی ": " جائز " عمل ہی ہوا کرتا ہے. یعنی ان دونوں اکابر کے ہاں: " نبیذ تمر " سے " وضوء " کرنا " جائز مع الکراھت " ہے.

اگر یہ اشکال پیش کیا جائے: کہ " کراھت " سے " مکروہ تحریمی " مراد ہے تو یہ اشکال دو وجوہ سے مسترد ہے:

(۱) لفظ " کراھت " سے عموماً " مکروہ تنزیھی " ہی مراد ہوتا ہے.

(۲) " دلائل احناف " کے ذیل میں " سیدنا ابوالعالیہ " کے فرمان: **رکبت مع اصحاب النبی فتوضووا بالنبیذ** سے بھی: کیونکہ " عمل صحابہ " یقیناً " جائز عمل " ہی ہے.

سیدنا عطاء کے فرمان کو امام ابوداؤد نے بھی نقل فرمایا ہے. جس کی وضاحت آگے مذکور ہے. نیز " تیمم " کے " احب " ہونے سے " نبیذ " کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا. جیسا کہ ظاہر ہے.

(۳) لغوی تحقیق:

نبیذ: نبذ ر ینبذ سے " ماخوذ " ہے. جس کے معنی:

پھینکنے اور ڈالنے کے ہیں. " نبیذ " سے مراد: وہ مشروب ہے جو پانی میں کھجوریں ڈالنے سے تیار کیا جائے.

(۴) اقسام نبیذ بمع احکام:

پانی میں کھجوریں شامل کرنے کے بعد اس مشروب (نبیذ) کی شرعی نقطہ نظر سے تین صورتیں بنتی ہیں. جن میں سے دو " متفق علیہ " ہیں. اور ایک " مختلف فیہ ". تفصیل کچھ یوں ہے:

(۱) پانی میں کھجوریں ڈالنے کے بعد وہ مشروب " نبیذ " نہ ہی میٹھا ہوا. اور نہ ہی نشہ آور بنا. " بالاتفاق "

ایسے "نبیذ" سے وضوء کرنا "جائز" ہے۔ (بشرطیکہ کوئی دوسرا متبادل پانی دستیاب نہ ہو)
(۲) مشروب "نبیذ" میٹھا بھی ہوا اور نشہ آور بھی بن گیا۔ "بالاتفاق" ایسے نشہ آور میٹھے پانی سے وضو کرنا ناجائز" ہے۔
(۳) ایسا پانی جس میں کھجور کا مٹھاس تو شامل ہوا۔ لیکن وہ مشروب "نبیذ" حد سکر کو نہ پہنچا۔ یہ صورت مختلف فیہ" ہے۔ اس میں حضرات ائمہ سے تین اقوال منقول ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۵) اقوال ائمہ:

(الف) امام مالک ر امام شافعی ر امام احمد ر امام ابویوسف اور حضرت امام اعظم (فی روایہ) کے نزدیک: ایسے میٹھے پانی سے وضوء "جائز" نہیں۔ اگر کوئی اور پانی میسر نہ ہو۔ تو "تیمم" کرلے۔ اس میٹھے پانی کو استعمال نہ کرے
(ب) امام اعظم امام ابوحنیفہ ر امام سفیان ثوری ر امام اوزعی ر حضرت عکرمہ اور جمہور فقہاء حنفیہ کے نزدیک: اس میٹھے پانی سے "وضوء" کرلے۔ "تیمم" کرنا مناسب نہیں۔ "تیمم" سے یہ "وضوء" بہتر ہے۔
(ج) امام محمد اور امام ابوحنیفہ (فی روایہ) کے ہاں: پہلے ایسے پانی سے "وضوء" کرلیا جائے۔ اور بعد میں تیمم" کرلے۔ (گویا یہ: "مشکوک پانی" کی مانند ہے)
حاصل کلام یہ: کہ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ سے مندرجہ بالا تینوں اقوال منقول ہیں۔ امام طحاوی ر صاحب ھدایہ اور علامہ قاضی خان نے حضرت امام اعظم کے "قول اول" کو "ترجیح" دی ہے۔ جس کے مطابق "مسئلہ الباب" ایک "اجماعی مسئلہ" ہے۔ جس کی رو سے یہ "نبیذ" قابل وضوء نہیں۔
جمہور حضرات حنفیہ نے حضرت امام کے "قول ثانی" کو (مفتی بہ) بتلایا ہے۔ اس کی روشنی میں درج ذیل دلائل حضرت امام کی فقیہانہ بصیرت پر "نص" ہیں۔

(۶) دلائل احناف:

(الف) حدیث الباب: **عن عبداللہ بن مسعود قال ـہ سالنی النبی .... فقال: تمرہ طیبہ وماء طھور۔ قال: فتوضا منہ۔** (رواہ ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ و الامام احمد وغیرھم)
(ب) فرمان علیؓ: **عن علی انہ کان لایری باسا بالوضوء بالنبیذ۔** (رواہ دار قطنی وغیرہ)
(ج) قول ابن عباسؓ: **عن ابن عباس: الوضوء بالنبیذ وضوء لمن لم یجد الماء۔** (اخرجہ دار قطنی)
(د) عمل صحابہؓ: **عن ابی العالیہ قال: رکبت مع اصحاب النبی فتوضوا بالنبیذ۔** (رواہ الامام جصاص)
یہ "آثار" سند کے اعتبار سے "ضعیف" بھی ہوں۔ دیگر ائمہ کے "قیاس" سے یقیناً "راجح" ہیں۔
حضرات احناف نے "قیاس" کو ترک کرکے "احادیث" اور "آثار" پر عمل کیا ہے۔ ان علماء لاسلف کے لیے یہ

مسئلہ گلے کا کانٹا ہے۔ جو حضرات احناف کو "عامل بالقیاس" کہتے ہیں۔ نیز انہیں اپنی اصلاح کے لیے دعوت فکر بھی دیتا ہے۔

(۷) آثار اور قال ابوداؤد کا حاصل:

(۱) قال ابو داود قال سلیمان (الخ)۔ امام ابوداؤد نے "حدیث الباب" کو اپنے دو اساتذہ: سیدنا ھناد، سیدنا سلیمان بن داود۔ کے توسط سے روایت کیا ہے۔ اب امام ابوداود اپنے اس فرمان کے ذریعے اس فرق کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں۔ جو دونوں اساتذہ کی روایت میں ہے۔ ایک فرق: سند میں ہے۔ اور دوسرا متن میں۔ یوں:

(الف) کہ سیدنا ھناد اپنی سند یوں بیان کرتے ہیں:

ھناد عن شریک عن ابی فرازہ عن ابی زید عن عبداللہ بن مسعود۔

اور سیدنا سلیمان یوں بتاتے ہیں:

سلیمان عن شریک عن ابی فرازہ عن ابی زید او زید عن عبداللہ بن مسعود۔

یعنی جناب سلیمان کے بقول: حضرت شریک کو شک ہے کہ ان کے دادا استاذ کنیت "ابوزید" کے ساتھ معروف ہیں۔ یا نام "زید" کے ساتھ معروف ہیں۔ جب کہ جناب ھناد کو یقین ہے۔ کہ حضرت شریک نے بالیقین اپنے دادا استاذ کو "ابوزید" کنیت کے ساتھ ہی یاد فرمایا تھا۔ اور وہ کنیت "ابو زید" کے ساتھ ہی معروف ہیں۔

(ب) سیدنا ھناد متن حدیث میں: **ان النبی قال لہ** کے بعد **لیلۃ الجن۔** کے کلمات کو روایت نہیں کرتے۔ جبکہ جناب سلیمان: **لیلۃ الجن۔** کے کلمات کو نقل فرماتے ہیں۔

(۲) **عن علقمہ قال قلت لابن مسعود ....فقال ما کان معہ منا احد۔** اس اثر کو آمدہ عنوان میں بالتفصیل حل کردیا گیا ہے۔

(۳) سیدنا عطاء فرماتے ہیں: دودھ یا "نبیذ" سے وضوء کرنا مکروہ ہے۔ نیز میرے نزدیک: ان حالات میں تیمم: وضوء" سے بہتر ہے۔

یہ سیدنا عطاء کی فقہی رائے ہے۔ جو "حدیث الباب" سے "تعارض" کے سبب "مرجوح" ہے۔

(۴) جناب ابو خلدہ فرماتے ہیں: میں نے سیدنا ابوالعالیہ سے فتوی پوچھا! کہ ایک آدمی جنبی ہوا اور اس کے ہاں "غسل" کے لئے پانی نھیں سوائے "نبیذ" کے۔ تو کیا وہ "نبیذ" سے "غسل" کرلے؟

سیدنا ابوالعالیہ نے فرمایا: نہیں۔

سیدنا ابوالعالیہ کا مذکورہ بالا فتوی "نبیذ" سے "غسل" کے بارے میں ہے۔ جب کہ محل اختلاف "وضوء" ہے۔ نہ کہ غسل۔

نیز "بیھقی" میں سیدنا ابوالعالیہ سے ایک فتوی "نبیذ" سے "جواز وضوء" کا ہے۔ لھذا سابقہ مذکورہ بالا فتوی

یا "منسوخ" ہے. یا "غسل" کے ساتھ "مخصوص"
نیز "دلائل احناف" کے ذیل میں سیدنا ابوالعالیہ کاایک اثر بھی اس مذکورہ اثر کے "معارض" ہے. جس کے سبب یہ اثر قابل تاویل ہے.

(۸) لیلہ الجن میں رفاقت ابن مسعود:

"حدیث الباب": "حدیث سیدنا ابن مسعودؓ" پر یہ ایک اعتراض کیا جاتا ہے: کہ اس روایت کا تعلق لیلہ الجن" سے ہے اور "لیلہ الجن" کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے سوال کیا گیا: **ھل کان احد من اصحاب رسول اللہ معہ فی لیلہ الجن؟ قال ابن مسعود: ما کان معہ احد منا** (رواہ ابوداؤد)
کہ اس رات بشمول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوئی حضرت صحابی بھی آپ کے همراہ نہ تھے. لہٰذا "حدیث الباب": "صحیح" نہ ہوئی.

جوابات: (ا) کتب سیر سے معلوم ہوتا ہے: کہ "لیلہ الجن" کا واقعہ چھ (۶) بار پیش آیا. تین راتوں میں حضور انور کے ہمراہ کوئی صحابی رسول نہ تھے. چوتھی مرتبہ آپ کے ہمراہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ تھے. اور یہ جنات کا ایک عظیم اجتماع تھا. جو "بقیع الغرقد" میں منعقد ہوا. حضور اکرم نے ایک دائرہ کھینچ کر سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو فرمایا: اس دائرے سے باہر نہ نکلنا. ورنہ روز قیامت ملاقات ہوگی.
پانچویں مرتبہ: حضرت زبیر بن عوامؓ اور چھٹی مرتبہ: سیدنا بلال بن حارث آپ کے ساتھ تھے. **(رواہ القاضی بدرالدین الدمشقی الحنفی فی کتابہ: اکام المرجان فی احکام الجان.)**

(ب) جامع ترمذی "باب کراھیہ ما یستنجی بہ" کی روایت: **عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ: لاتستنجوا بالعظام فانہ زاد اخوانکم من الجن.** اور کتاب الامثال ص ۱۰۹ کی روایت سے بھی سیدنا ابن مسعودؓ کی رفاقت واضح طور پر معلوم ہوتی ہے.

(ج) علامہ ابن سمعانی نے بارہ (۱۲) دلائل سے یہ حقیقت ثابت کی ہے: کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس رات حضور انور کے ساتھ تھے.

(د) امام بخاری بھی اس رفاقت کے قائل ہیں.

(۹) جرح امام ترمذی بمع جوابات:

حضرت امام ترمذی نے "حدیث الباب" کے ایک راوی "ابوزید" کو "مجھول" قرار دیا ہے. فرماتے ہیں:
ابوزید رجل مجھول.

(ا) حضرات محدثین کے ہاں: "ابوزید" اگرچہ "مجھول الاسم" ہے. لیکن "ثقاهت و درایت" کے اعتبار سے نہایت "ثقہ" اور قابل قدر "مستند" محدث ہے. بیسیوں معروف محدثین اس کے تلامذہ ہیں.

(۲) "حدیث الباب": اکیلے "ابوزید" راوی سے مروی نہیں. بلکہ چودہ (۱۴) جلیل القدر محدثین اس روایت کو "سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ" سے روایت فرماتے ہیں. جن کی مکمل تفصیل کتب احادیث میں موجود ہے.

(۱۰) نظر طحاوی:

امام طحاوی کی رائے "مسئلہ الباب" میں چونکہ ائمہ ثلثہ اور امام ابویوسف کے موافق ہے. نیز حضرت امام اعظم کے ایک قول سے بھی ان حضرات کی تائید ہوتی ہے. اس لئے حضرت امام طحاوی نے تین دلائل قیاسیہ سے اس قول اول کو مدلل کیا ہے. وہ یوں کہ:

(۱) بالاجماع کشمش کی "نبیذ" اور سرکہ سے "وضوء" کرنا "جائز" نہیں. لہٰذا "نبیذ تمر" سے "وضوء" کرنا بھی درست نہ ہوگا.

(۲) حضرات فقہاء کا اجماع ہے: کہ جب پانی موجود ہو تو "نبیذ تمر" سے "وضوء" کرنا "جائز" نہیں. کیونکہ "نبیذ تمر: ماء کامل" یعنی "ماء مطہر" نہیں. تو پانی نہ ہونے کی صورت میں بھی اس سے "وضوء: جائز" نہ ہونا چاہیئے. کیونکہ "نبیذ تمر" میں "مائیت" نہیں. جیسا کہ بیان ہوا. لہٰذا "تیمم" کرلیا جائے.

(۳) سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ سے ایک اثر حضور انور کے "وضوء بالنبیذ" کے بارے میں یوں مروی ہے: **ان رسول اللہ توضأ بالنبیذ و ھو غیر مسافر.** یعنی آپ نے بحالت اقامت "نبیذ تمر" سے "وضوء" فرمایا.

کیونکہ آپ نے مکہ مکرمہ کے باہر قریبی علاقہ میں جنات کو تبلیغ فرمائی اور اسی رات وہیں "نبیذ تمر" سے وضوء فرمایا. یقیناً حوالی مکہ میں "وضوء" کرنے کا حکم بعینہ مکہ مکرمہ کے شہر میں "وضوء" کرنے کے حکم میں ہے. کیونکہ شہر اور حوالی شہر میں پانی میسر ہوتا ہے. اس لئے "بالاجماع" شہر میں "تیمم" کرنا "جائز" نہیں. تو گویا حضور انور نے ایسے ماحول میں "نبیذ تمر" سے "وضوء" کیا. جہاں پانی موجود تھا. اور جب پانی موجود ہو تو "نبیذ تمر" سے "وضوء" کرنا "بالاجماع" درست نہیں. لھذا معلوم ہوا: کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں بھی "نبیذ تمر" سے "وضوء" نہ کرنا چاہیئے.

نیز حدیث سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ سے استدلال کرنا بھی درست نہیں. کیونکہ وہ حالت وجود ماء کے بارے میں ہے. جب کہ اختلاف حالت "عدم وجود ماء" کے متعلق ہے.

جوابات: چونکہ بعض ائمہ حنفیہ کے نزدیک: "مسئلہ الباب" ایک "اجماعی مسئلہ" ہے. اس لئے امام طحاوی کے "نہج قیاسیہ" کو رد کرنا مناسب نہیں اور جوابات دینا یقیناً "تطویل بحث" ہے. لیکن چونکہ "مفتی بہ" قول: جواز وضوء" کا ہے. اس لئے چند جوابات بیان کیئے جاتے ہیں:

جوابات قیاس اول: (۱) کشمش کی "نبیذ" اور "سرکہ" سے "وضوء" کے "عدم جواز" کا قول "اجماعی" نہیں. بلکہ بعض ائمہ ان دونوں اشیاء سے "جواز وضوء" کے قائل ہیں. لھذا "قیاس" درست نہ ہوگا.

(۲) "نبیذ تمر" سے "وضوء" کا "جائز" ہونا: "حدیث و نص" سے ثابت ہے. یقیناً "امر منصوص" کو

بر منصوص علیہ حکم " پر " قیاس " کرنا درست نہیں. نیز " مسئلہ الباب " چونکہ ایک " خلاف قیاس حکم " ہے.
لہٰذا اپنے " مورد " پر بند رہے گا. اور " تمر " پر " زبیب و سرکہ " کو " قیاس " نہ کیا جائے گا. لہٰذا " نبیذ تمر " سے
" وضوء " درست ہوگا. اور " زبیب و سرکہ " سے " ناجائز "

(۳) " تمر " کی جو فضیلت حضور اکرم نے اپنے فرامین میں بیان فرمائی ہے. وہ " زبیب " یا کسی دوسرے پھل
کو حاصل نہیں. لہٰذا " تمر " پر دوسرے پھلوں کو " قیاس " کرنا درست نہیں.

جوابات قیاس ثانی و ثالث: (۱) " اجماع " کا دعوی غلط ہے. کیونکہ بعض تابعین اور فقہاء اہل کوفہ کے
نزدیک: " نبیذ تمر " اور دوسرے انواع کے پانی " طہارہ و تطہیر " میں یکساں ہیں. لہٰذا " ماء طاہر و مطہر " کی موجودگی
میں " نبیذ تمر " سے " وضوء " کرنا " جائز " ہے کوئی قباحت نہیں.

(۲) حالت " عدم وجود ماء " کو حالت " وجود ماء " پر " قیاس " کرنا غلط ہے. کیونکہ کئی مسائل شرعیہ حالت
عدم ماء " میں " مشروع " ہیں اور حالت " وجود ماء " میں " باطل " جیسے " تیمم " وغیرہ. لہٰذا آپ کا قیاس: " قیاس
مع الفارق " ہے.

(۳) طالب علمانہ رائے: احقر کی ناقص رائے میں: حضور انور نے جب بحالت " اقامت " اور
بحالت " وجدان ماء ": " نبیذ تمر " سے " وضوء " کیا. تو بحالت " عدم وجدان ماء ": " وضوء بالنبیذ " بطریق اولیٰ
جائز " اور " صحیح " ہونا چاہیئے.

(۱۱) فقہ و نظر:

احقر کی ناقص رائے میں: " حدیث الباب " کو اگر " نبیذ تمر " کی پہلی قسم (جب وقوع تمر سے نہ ہی
" تغیر طعم " ہو کہ پانی میٹھا ہوجائے. اور نہ ہی " تغیر لون یا ریح " ہوکر " حد سکر " کو پہنچ جائے) پر " محمول " کیا
جائے. تو کئی وجوہ سے " راجح " ہے.

(۱) " حدیث الباب " اور " دلائل قیاسیہ " میں " تعارض " رفع ہو جائے گا.

(۲) " حدیث الباب " اور ان " احادیث کثیرہ صحیحہ " میں " تعارض " ختم ہوجائے گا. جن میں: الا ما
غیر لونه او طعمه او ریحه. کے کلمات ہیں. (جب اوصاف ثلثہ میں سے کوئی دو وصف متغیر ہو جائیں. تو
بالاجماع " پانی " نجس " ہو جاتا ہے. اور قسم ثانی میں یقیناً دو اوصاف " متغیر " ہو جاتے ہیں.)

(۳) " حدیث الباب " کی ترکیب: تمرہ طیبه و ماء طهور. بھی اس بات کی تائید کرتی ہے: کہ وہ قسم مراد
ہے. جس میں: " تمرہ " اور " ماء " میں اتصال و اختلاط پیدا نہ ہو. بلکہ پانی اپنے اوصاف کے ساتھ قائم رہے. اور
" تمرہ " کی اپنی خاصیت زائل نہ ہونے پائے. یعنی وہ " نبیذ تمر ": جو نہ ہی میٹھا ہو. اور نہ ہی حد سکر کو پہنچے.

الحمد للہ میری اس رائے کی تائید اس " اجماع " سے بھی ہوتی ہے: کہ جس کی رو سے نہ ہی لسی سے " وضوء
کرنا درست ہے. اور نہ ہی چائے سے. جب کہ یقیناً دونوں اشیاء پاک مفردات سے تیار ہوتی ہیں.

(۴) "تمر" کے میٹھے پانی کو "وضوء" کے لئے استعمال کرنا بلاریب "اسراف" ہے. اور مشہور مقولہ ہے:

لا خیر فی الاسراف. واللہ اعلم.

فائدہ: "مسئلہ الباب" میں اختلاف دراصل ایک اور اصولی اختلاف پر مبنی ہے. وہ یہ:

کہ حضرات حنفیہ کے ہاں: اگر پانی میں کوئی پاک جامد چیز مل جائے اور اس سے پانی کی ماہیت نہ بدلے. تو ایسے مخلوط پانی سے وضوء جائز ہے. نیز یہ مخلوط پانی "طاہر" بھی ہے اور "مطہر" بھی.

جب کہ حضرات شوافع ایسے مخلوط پانی کو ناقابل استعمال سمجھتے ہیں.

کتب احادیث اور شریعت مقدسہ میں کئی امثلہ ہمیں ایسی ملتی ہیں. جن سے "مسلک حنفیہ" کی تائید ہوتی ہے. جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) میت کے غسل کے بارے میں حضور انور کا مقدس فرمان ہے: کہ پانی میں بیری کے پتے ڈالے جائیں اور اس مخلوط پانی کو غسل میت کے لیے استعمال کیا جائے.

(۲) سنن ابوداوٗد کی روایت میں ہے: کہ حضور انور **یغسل راسہ بالخطمی** آپ اپنے سر مبارک کو خطمی والے پانی سے دھوتے تھے.

(۳) سید ام سلمہ فرماتی ہیں: کہ حضور انور نے فرمایا کہ توں پانی میں نمک ڈال کر نہایا کر. اس کے بعد آپ ہمیشہ نمکین مخلوط پانی سے غسل فرمایا کرتی تھیں. حتی کہ بوقت وصال سیدہ ام سلمہ نے وصیت فرمائی کہ: مجھے نمکین پانی سے غسل دیا جائے.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الطہارۃ

۱۔ باب فی التسمیہ

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

امام ترمذی نے: "مسئلہ الباب" پر **باب فی التسمیہ عند الوضوء.** کا عنوان قائم فرمایا ہے. اور اس کے ضمن میں سیدنا رباح بن عبدالرحمن کی روایت مبارکہ کو تخریج فرمایا ہے. اور اس کے ہم معنی احادیث کی جانب: **وفی الباب عن عائشہ و ابی ہریرہ و ابی سعید الخدری و سھل بن سعد و انس.** کے جملہ سے اشارہ فرمایا ہے

حضرت امام نے سیدنا احمد بن حنبل کا محدثانہ اور محققانہ قول: **لا اعلم فی ھذا الباب حدیثا لہ اسناد جید.** (جامع ترمذی)

نقل فرماکر "مسلک جمہور" اور "مسلک حنفیہ" کی نہایت وقیع انداز میں تائید فرمائی ہے.

امام ابوداؤد نے **باب فی التسمیہ علی الوضوء.** کے تحت سیدنا ابوہریرہ کی روایت مبارکہ کو نقل فرمایا ہے. اور سیدنا ربیعہ کے فرمان سے جس انداز میں "حدیث الباب" کی توجیہ فرماکر "مسلک حنفیہ: مسلک جمہور" کی محدثانہ تائید فرمائی ہے. وہ حضرت امام کی جلالت شان کی اپنی شان ہے.

امام ابن ماجہ نے: **باب ما جاء فی التسمیہ فی الوضوء.** کے عنوان کے ضمن میں: سیدنا ابوسعید، سیدنا رباح بن عبدالرحمن، سیدنا ابوہریرہ اور حضرت سھل بن سعد کی روایات مقدسہ کو تحریر فرمایا ہے. اور ان میں سے سیدنا سھل بن سعد کی روایت مبارکہ میں: **و لا صلوہ لمن لا یصلی علی النبی.** کا جملہ نقل فرماکر عاشقان رسالت کے پاکیزہ اور ولولہ انگیز قلوب و اذہان کو جو جلاء بخشی ہے. وہ حضرت امام کی عظمت و کمال کی عمدہ دلیل ہے.

امام طحاوی نے: **باب التسمیہ علی الوضوء.** کے تحت حسب معمول نہایت عمدہ محدثانہ اور فقیہانہ گفتگو فرمائی ہے. اور احادیث و روایات نیز دلائل نظریہ سے: "مسلک حنفیہ" کو "اصوب" اور "ارجح" ثابت فرمایا ہے.

امام بخاری نے: "کتاب الوضوء" میں ایک "ترجمہ الباب": **باب التسمیہ علی کل حال و عند الوقاع.** کے کلمات سے تحریر فرمایا ہے. بعض حضرات محدثین کی رائے یہ ہے: کہ حضرت امام اس ترجمہ الباب سے: مسئلہ الباب" کی جانب اشارہ فرمانا چاہتے ہیں.

اس رائے کے تناظر میں حضرت امام کا مسلک بھی "مسلک حنفیہ" کے موافق ہوگا. کیونکہ بالاجماع بہرکیفیت

تسمیہ کا پڑھنا: " مسنون " ہے. واجب اور فرض نہیں لہٰذا آغاز وضوء میں: بسم اللہ الرحمن الرحیم. کی تلاوت بھی مسنون ہوگی. اور یہی مسلک جمہور ہے.

(۲) مسالک ائمہ :---

امام اعظم ابو حنیفہ ر امام مالک ر امام شافعی ر امام احمد ر حضرات حنفیہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک:
آغاز وضوء میں: " بسم اللہ " پڑھنا. نہ ہی " فرض " ہے اور نہ ہی " رکن " صرف: " مسنون " ہے۔
(۲) امام احمد (فی روایہ) اور بعض اہل ظواہر کے نزدیک:
وضوء کرتے وقت: " تسمیہ : فرض " ہے اور صحت نماز کے لئے: " شرط "
اگر تسمیہ جان بوجھکر ترک کردے تو وضوء کو دوبارہ کرنا ہوگا. اگر بھول جائے تو گناہ گار ہوگا۔
(۳) حضرات حنفیہ میں سے: علامہ ابن ہمام کے نزدیک: تسمیہ واجب ہے. اور صاحب ہدایہ کی تحقیق میں: مستحب۔

(۳) دلائل جمہور:---

حضور انور کے وضوء کی کیفیت کو حضرات محدثین نے تیرہ (۱۳) سادات صحابہؓ سے نقل کیا ہے لیکن ان میں سے کسی روایت میں بھی تسمیہ کا ذکر نہیں. لھذا معلوم ہوا: کہ " تسمیہ " نہ ہی " فرض " ہے اور نہ ہی " شرط "
(۲) عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ: توضا کما امر اللہ (رواہ البخاری و غیرہ)
یہ ایک مشہور حدیث مبارک کا جملہ ہے جو حدیث مبارک: " اعرابی مسیئ الصلوہ " کے نام سے طلباء میں معروف ہے. اس حدیث میں حضور انور نے دیہاتی حضرت صحابیؓ کو وضو بنانے کی مکمل تعلیم دی ہے. اور اس تعلیمی حدیث میں: " تسمیہ " کی تلاوت کا حکم نہیں۔
(۳) ارشاد باری: فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم. (القرآن)
اس آیت مقدسہ میں: تسمیہ کا ذکر نہیں. معلوم ہوا: کہ تسمیہ: صحت نماز کے لئے: " شرط " نہیں۔
(۴) دلیل عقلی: جس وقت " تیمم " میں بالاجماع " تسمیہ : فرض " نہیں. تو وضوء میں بھی " تسمیہ : فرض " نہ ہوگا۔

(۴) دلیل فرضیت:---

حدیث الباب: عن سعید بن زید عن النبی قال: لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ. (رواہ البخاری و غیرہ)

یہ ایک مسلم ضابطہ ہے: کہ کسی حکم کی نفی: "ترک رکن" یا "ترک فرض" کی وجہ سے ہوتی ہے. لہٰذا تسمیہ: وضوء کے لیے بطور شرط کے ہوگا.

(۵) جوابات دلیل:---

(الف) ضعیف: امام ترمذی نے: "حدیث الباب" کو نقل کرنے کے بعد امام احمد بن حنبل کا یہ جملہ: **لا اعلم فی الباب حدیثا له اسناد جید.** نقل فرمایا ہے. یعنی "مسئلہ الباب" میں کوئی بھی "جید" اور "صحیح السند: حدیث" میرے علم میں نہیں. تمام روایات: سندا ضعیف ہیں-

(۲) امام بزاز ر علامہ ابوحاتم ر اور علامہ ابوزرعہ نے بھی اسی طرح کی رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ: احادیث الباب نہ ہی سندا صحیح ہیں. اور نہ ہی "متنا"

(۳) نفی کمال: کلمہ "لا" سے: کمال کی نفی مراد ہے. نہ کہ ذات طہارت کی. عموما احادیث مبارکہ میں: صحت معنی کے لیے اسی طرح کی توجیہ کی جاتی ہے-

(۴) امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: کہ "حدیث الباب" میں وضوء کی نفی ہے طہارت کی نہیں. جبکہ نماز کے لیے بالاجماع طہارت شرط ہے. نہ کہ وضوء. یعنی بغیر تسمیہ کے طہارت تو حاصل ہوجائے گی. جو نماز کے لیے شرط ہے. لیکن انسان باوضو نہ بنے گا-

کیونکہ وضوء لفظ "وضاءۃ" اور "ضوء" سے ماخوذ ہے. جس کے معنی: اعضاء کے منور ہونے کے ہیں. بروز قیامت انسانی اعضاء میں: "ضوء" اور نور اس صورت میں پیدا ہوگا. اگر وضوء تمام مستحبات اور سنن کی رعایت رکھ کر کیا جائے-

(۵) بمعنی نیت: **احقر کے نزدیک:** امام ابوداؤد نے: امام ربیعہ کے قول: **ان تفسیر حدیث النبی ... انہ الذی یتوضا و یغتسل و لا ینوی.** (سنن ابوداؤد)

یعنی حدیث مذکور میں اسم اللہ سے مراد: "نیت" ہے-

یقیناً اس شخص کا کوئی "وضوء" اور "غسل" نہیں جو حصول طہارت کی نیت کے بغیر وضو یا غسل کرے. سے "حدیث الباب" کا جواب دیا ہے-

(۶) فقاہت حضرات احناف:

حضرات ائمہ حنفیہ: تسمیہ کی عدم فرضیت پر تو متفق ہیں. البتہ اسکی شرعی حیثیت کی تعیین میں مختلف ہیں. جس کی وجہ یہ:

کہ جن حضرات نے: "وجوب تسمیہ" کا قول کیا. ان کے نزدیک: "حدیث الباب" بوجہ خبر واحد ہونے کے

فرضیت سے تو قاصر ہے۔ البتہ "وجوب" یقیناً ثابت ہے۔

اثبات جن حضرات نے: "سنیت" کا قول فرمایا ان کی تحقیق میں: "حدیث الباب" بوجہ خبر واحد اور ضعیف ہونے کے: نہ ہی مثبت فرضیت ہے اور نہ ہی مثبت وجوب۔ البتہ کثرہ احادیث کے سبب: "حسن لغیرہ" ہو کر موجب سنت ہے۔

قائلین استحباب کے نزدیک: "حدیث الباب" کے جملہ طرق: چونکہ "ضعیف" اور غیر جید ہیں۔ (جیسا کہ حضرات محدثین کی تحقیق سے ظاہر ہے) اس لئے فقط "استحباب" ہی ثابت ہوگا۔ نہ کہ "سنیت" اور "وجوب"

(۷) علمی بحث:---

"تسمیہ" اور "بسم اللہ" میں فرق ہے۔ تسمیہ کے معنیٰ: **بسم اللہ الرحمن الرحیم**۔ پڑھنے کے ہیں۔ جیسا کہ "حوقل" کے معنیٰ: **لا حول و لا قوہ الا باللہ**۔ کہنے کے ہیں۔

جبکہ "بسم اللہ" کے معنیٰ: "ذکر اللہ" کے ہیں۔ جن الفاظ سے بھی کیا جائے۔ خواہ "بسم اللہ" سے یا دیگر مسنون کلمات سے۔

(۸) نظر طحاوی:---

مسائل شرعیہ میں سے بعض ایسے ہیں: کہ جن کی تکمیل بات چیت کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور کلام کرنے سے ان پر شرعی حکم مرتب ہوتا ہے۔ جیسے تجارت، نکاح، خلع وغیرہ۔

بعض ایسے ہیں کہ: ان کی تکمیل کلام کے ذریعہ سے تو نہیں ہوتی البتہ کلام ان کے لئے: "رکن" کے درجہ میں ہے۔ جیسے: نماز کے لئے: "تکبیر تحریمہ" اور "حج" کے لئے: "کلمات تلبیہ"

جب کہ وضو کے لئے: "تسمیہ" دونوں اقسام کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ تسمیہ سے نہ ہی وضوء کی تکمیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ: نکاح، تجارت وغیرہ۔ اور نہ ہی تسمیہ بالاجماع وضوء کے لئے: "رکن" ہے۔ کیونکہ وضوء کے ارکان بالاجماع چار (۴) ہیں۔ جن میں تسمیہ نہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا: کہ وضوء کے لئے تسمیہ نہ ہی رکن ہے اور نہ ہی "متمم" بلکہ "مستحب" ہے۔ نیز وضوء کی طرح نماز کی شرائط میں سے: "ستر عورت" اور "طہارت مکان" بھی ہے۔ جب ستر عورت اور "طہارہ ثوب و مکان" کے لئے بالاجماع تسمیہ ضروری نہیں تو وضوء کے لئے بھی تسمیہ لازم نہ ہوگا۔

(۹) سوال: حضرات حنفیہ کے نزدیک: جانور ذبح کرتے وقت: بسم اللہ۔ پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے ذبح کے وقت تسمیہ چھوڑ دیا۔ تو ذبیحہ: "حلال" نہ ہوگا۔ ایسے ہی تسمیہ بوقت وضو لازم ہونا چاہئے اور بصورت ترک تسمیہ

وضوء " فاسد " اور غیر معتبر ہو۔

(۱۰) **جواب:** امام طحاوی نے مذکورہ سوال کا تین (۳) طرح سے جواب دیا ہے:

(الف) اگر بوقت ذبح تسمیہ جان بوجھ کر ترک کردیا جائے تو ایسا ذبیحہ بعض ائمہ کے نزدیک: حلال ہے. گویا یہ مسئلہ اجماعی نہیں.

(ب) غلطی سے تسمیہ چھوٹ جائے تو بالاجماع " ذبیحہ: حلال " ہے. لہٰذا ثابت ہوا: کہ تسمیہ ضروری نہیں

(ج) بوقت ذبح تسمیہ اپنے عقیدہ و مذہب کی شہادت کے لئے ہے. نہ کہ جانور کو ذبح کرنے کے لئے. اس لئے بوقت ذبح تسمیہ کو لازم قرار دیا گیا. جب کہ بوقت وضوء تسمیہ کا پڑھنا صرف ذکر اللہ کے لئے ہے جس کے سبب وہ لازم نہیں. لہٰذا آپ کا قیاس ر قیاس مع الفارق ہے. جو نادرست ہے۔

۲۔ باب الوضوء من مس الذکر

(ا) حاصل مطالعہ کتب حدیث

امام نسائی ر امام ابوداؤد ر امام ترمذی ر امام ابن ماجہ اور امام محمد نے:

باب الوضوء من مس الذکر.

اور امام مالک نے:

الوضوء من مس الفرج. کے عنوان کے ضمن میں سیدہ بسرہ بنت صفوان کی "حدیث الباب" کو نقل فرمایا ہے. جب کہ امام ابن ماجہ نے "سیدہ بسرہ" کی حدیث کی تائید میں:

سیدنا جابر ر سیدہ ام حبیبہ اور سیدنا ابوایوب کی روایات مقدسہ کو

اور حضرت امام مالک نے:

سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن عمر کے آثار مبارکہ کو تخریج فرمایا ہے. جن کی جانب "امام ترمذی" نے:

وفی الباب عن ام حبیبہ و ابی ایوب. سے اشارہ فرمایا ہے.

اس مذکورہ عنوان کے بعد "امام نسائی" نے:

باب ترک الوضوء من ذلک.

"امام ابوداؤد" اور "امام ابن ماجہ" نے:

باب الرخصہ فی ذلک.

"امام ترمذی" نے:

باب ترک الوضوء من مس الذکر.

کے عنوانات کے تحت: سیدنا قیس بن طلق کی روایت مبارکہ کو نقل فرمایا ہے.

امام ابوداؤد نے "سیدنا قیس بن طلق" کی مذکورہ روایت کی تائید مختلف اسناد سے فرمائی ہے. جسے وہ قال ابوداؤد کے بعد لائے ہیں. اس "قال ابوداؤد" کی تشریح آخر میں مرقوم ہے.

امام ترمذی نے حسب معمول "مسئلہ الباب" پر محدثانہ اور فقیہانہ گفتگو فرمائی ہے. اور مسلک حنفیہ کو "جمہور صحابہ" کا مسلک قرار دیا ہے.

امام ابن ماجہ نے "سیدنا قیس بن طلق" کی روایت کی تائید "سیدنا ابو امامہ" کی "حدیث مرفوع" سے فرمائی

ہے۔ جو "دلائل احناف" کے ذیل میں موجود ہے۔
امام محمد نے سیدنا قیس بن طلق کی روایت کی تائید میں: **سیدنا ابن عباس، سیدنا سعید بن المسیب، سیدنا علی، سیدنا ابن مسعود، حضرت حذیفہ اور سیدنا ابوالدرداء**۔ کے سولہ (۱۶) آثار مبارکہ کو تحریر فرماکر "مسلک جمہور" پر مہر حق ثبت فرمادی ہے۔

(۲) ایک دلچسپ مناظرہ:

علامہ حافظ رجاء بن مرجی بیان فرماتے ہیں: کہ میں، امام احمد بن حنبل، علامہ علی بن مدینی اور امام یحی بن معین حج کے موقعہ پر "مسجد خیف، منی" میں اکٹھے ہوئے۔ کئی مسائل پر سیر حاصل بحث ہوئی۔ ان میں سے ایک مسئلہ: "مسئلہ الباب" بھی تھا۔
حضرت یحی بن معین نے فرمایا: "مس ذکر" سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسے شخص پر دوبارہ وضو کرنا لازم ہے۔
علامہ علی بن مدینی نے فرمایا: قطعاً وضو لازم نہیں۔ سابقہ وضوء بدستور موجود ہے۔
امام احمد بن حنبل جو شمع محفل اور میر مجلس تھے۔ فرمانے لگے: کہ آپ دونوں حضرات: حضور اکرم کے فرامین پیش فرمائیں۔
علامہ ابن معین نے: **سیدہ بسرہ بنت صفوان** کی حدیث مبارک
اور علامہ ابن مدینی نے: **سیدنا قیس بن طلق** کی روایت مقدسہ کو اپنی اپنی تائید میں بیان فرمایا۔
علامہ علی بن مدینی نے "سیدہ بسرہ" کی حدیث کی سند پر "جرح" کرتے ہوئے فرمایا: کہ جناب مروان اور حضرت بسرہ کے درمیان جو ایک راوی ہے۔ وہ ایک "مجہول" شخص ہے۔ جسکا نام اور تعارف بھی حضرات محدثین کی کتب میں نہیں ملتا۔
یہ کون ہے؟
کن خصوصیات کا حامل ہے؟
یہ وہ سوالات ہیں۔ جن کے جوابات پر حضرات محدثین تا حال خاموش ہیں۔
حضرت یحی بن معین نے: **سیدنا قیس بن طلق** کی حدیث مبارک پر یہ اشکال پیش کیا: کہ بعض سادات محدثین نے اس کی سند پر "کلام" کی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل جو ان محدثین کے درمیان بطور "ثالث" تھے۔ انھوں نے بات بڑھاتے ہوئے فرمایا: کہ مزید اور دلائل پیش فرمائیں۔
علامہ ابن معین نے ایک "اثر موقوف" پیش فرمایا: **مالک عن نافع عن ابن عمر انه توضا من مس الذکر**۔
حضرت علی بن مدینی نے حضرت سفیان کی سند سے سیدنا عبداللہ بن مسعود کا ایک فرمان نقل کیا۔ اور فرمایا: **و انا اجتمع ابن مسعود و ابن عمر و اختلفا فابن مسعود اولی ان یتبع**۔ (سیدنا ابن مسعود کا فرمان یقیناً "قابل اتباع

ہے اور اس حقیقت پر تمام سادات محدثین کا " اجماع " ہے)
اس پر سیدنا امام احمد بن حنبل نے علامہ علی بن مدینی کے اس حقیقت پسندانہ قول کی تصدیق کی اور اپنا فیصلہ سیدنا علی بن مدینی کی تائید میں سنایا نیز امام علی بن مدینی نے اس مناظرے کے آخر میں سیدنا عمار بن یاسر کا ایک " اثر موقوف " بھی سامعین کے سامنے بیان فرمایا۔
جس سے یہ ایک علمی مناظرہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

(۳) اقوال ائمہ :

(الف) سیدنا عبداللہ بن مسعود، امام الحدیث حضرت ابو ہریرہ، حبرالامہ ابن عباس، امام اعظم امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک: مس ذکر، مس فرج، مس دبر " ناقض وضو" نہیں۔

(ب) امام شافعی اور بعض محدثین کے نزدیک: ان مذکورہ اعضاء کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن شرائط اور قیودات کی تعیین میں ان ائمہ سے بہت سے " متصادم " اور " مختلف فیہ " اقوال منقول ہیں۔ جن کی تعداد چالیس سے متجاوز ہے۔

(۴) دلائل احناف :

(۱) حدیث الباب: عن طلق عن النبی قال: و هل هو الا مضغة منه او بضعة منه۔ اس روایت کو امام بخاری کے سوا تمام محدثین نے نقل کیا ہے۔ اور اسے " صحیح " اور " حسن " قرار دیا ہے۔

امام ترمذی " حدیث الباب " نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: غیر واحد من اصحاب النبی و بعض التابعین انهم لم یروا الوضوء من مس الذکر۔ کہ جمہور حضرات صحابہ کا مسلک اسی روایت کے مطابق ہے۔ نیز " مسئلہ الباب " میں جس قدر روایات مروی ہیں۔ سب سے بہتر اور خوبصورت روایت یہی ہے۔ فرماتے ہیں: و هذا الحدیث احسن شئی روی فی هذا الباب۔

امام ابوداؤد نے " حدیث الباب " کو کئی اسناد سے نقل فرمایا ہے: قال ابو داود۔ کے ضمن میں امام ابوداؤد نے ایسے پانچ " جلیل القدر " سادات محدثین کے اسماء گرامی کو نقل فرمایا ہے۔ جو " حدیث الباب " کو کئی اسناد سے روایت کرتے ہیں۔

امام نسائی نے " حدیث مذکور " پر: باب ترک الوضوء من ذلک۔ کا عنوان قائم فرمایا ہے۔

(۲) حدیث ابوامامہ: عن ابی امامه قال: سئل رسول الله عن مس الذکر فقال: انما هو جزء منک۔
اس روایت کو امام ابن ماجہ اور دیگر ائمہ حدیث نے نقل کیا ہے۔ نیز امام ترمذی نے: و فی الباب عن۔ کے تحت اس روایت کی جانب اشارہ کیا ہے۔

(۴) متعدد آثار صحابہ: امام محمد ر امام طحاوی اور دیگر حضرات محدثین نے سادات صحابہ کے سولہ (۱۶) سے زیادہ فرامین اور "فتاوی" نقل کئے ہیں۔ جن میں نہایت وزنی دلائل اور سخت لب و لہجہ سے اس مفروضہ کو مسترد کیا گیا ہے: کہ "مس ذکر" کے بعد دوبارہ وضو کیا جائے۔

(۵) دلیل ائمہ:

(ا) حدیث الباب: عن بسرہ بنت صفوان ان النبی قال: من مس ذکرہ فلایصل حتی یتوضاء۔

یہ روایت سنن نسائی ر سنن ابوداؤد ر جامع ترمذی ر سنن ابن ماجہ اور موطا امام مالک میں موجود ہے۔ امام ترمذی نے اسے "حسن صحیح" کہا ہے۔ نیز اس روایت کی تائید میں سیدنا جابر ر ابو ایوب اور سیدہ ام حبیبہ کی روایات سنن ابن ماجہ میں موجود ہیں۔ اور امام ترمذی نے: و فی الباب عن۔ کے تحت ان کی جانب اشارہ کیا ہے۔

(۶) جوابات:

(ا) ضعیف: امام یحیی بن معین نے حضرت امام ترمذی کی تین روایات کو: بے اصل قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: ثلثہ احادیث لم یصح منھا شی۔ منھا حدیث: من مس ذکرہ فلیتوضا۔ یعنی "غیر صحیح" تین روایات میں سے ایک "حدیث الباب" ہے۔

امام علی بن مدینی اور امام بخاری نے حدیث مذکور کو "ضعیف" کہا ہے۔

(ب) علامہ ابن حزم "المحلی" میں لکھتے ہیں: کہ فریق ثانی کی تائید میں نہ ہی کوئی صحیح حدیث موجود ہے۔ اور نہ ہی عقل سلیم اور رای مستقیم کا یہ فیصلہ ہے: کہ انسانی جسم کے کسی عضو کو چھونے سے وضو لازم ہو۔

(۷) وجوہ ترجیح:

(ا) اصح ما فی الباب: مسئلہ الباب کی تمام روایات میں سے صرف سیدنا طلق بن علی کی روایت ہی سند و متن کے اعتبار سے بہتر ہے۔ بقیہ تمام روایات "ضعیف" اور "متکلم فیہ" ہیں۔ اس لئے امام مسلم نے صرف اسی روایت کو "صحیح مسلم" میں نقل فرمایا ہے۔ اور امام ترمذی نے اسی روایت کو: احسن شی روی فی ھذا الباب۔ قرار دیا ہے۔ لھذا مسلک احناف ہی اسی "اصح روایت" کے سبب "راجح" ہوگا۔

(ب) احادیث رجال: اصول حدیث کے ماہرین کے نزدیک: مردوں سے روایت شدہ احادیث عورتوں کی نقل کردہ احادیث سے "راجح" ہوا کرتی ہیں۔

(ج) موافق قیاس: فقہ و دانش کا تقاضا بھی یہی ہے: کہ "مس ذکر" سے وضوء نہیں ٹوٹنا چاہیئے۔ کیونکہ اعضاء انسانی کی طرح یہ بھی ایک عضو ہے۔ جیسے دیگر اعضاء کو چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح جس عضو

ہے نسل انسانی کی افزائش ہے۔ اسے چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹنا چاہیئے۔

(د) احادیث کثیرہ: دیگر مسائل کی طرح "مسئلہ الباب" میں بھی بحمداللہ احادیث و آثار کثرت کے ساتھ "مسلک احق" ہی کی تائید کرتی ہیں۔

(۸) حدیث طلق کی منسوخیت اور جوابات:

علامہ محی السنہ صاحب المشکوٰۃ نے حدیث الباب پر یہ اعتراض کیا: کہ حدیث الباب "منسوخ" ہے۔ حدیث سیدنا ابوھریرہ اس کے لئے "ناسخ" ہے۔ دلیل یہ: کہ کتب تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے: کہ حضرت طلق مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت (سن ۱ھ۔ میں) تشریف لائے۔ اور تعمیر مسجد کے امور میں شریک رہے۔ پھر واپس چلے گئے۔ جبکہ حضرت ابوھریرہ سن ۷ھ میں مسلمان ہوئے۔ گویا حدیث سیدنا ابوہریرہ، حدیث طلق سے متاخر ہے: والمتاخر یکون ناسخا للمتقدم۔

جوابات: (۱) حدیث طلق میں احتمال بعدیت و ناسخیت:

حضرۃ طلق کے "متقدم الاسلام" ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ ان کی ہر حدیث بھی "متقدم" ہو۔ نیز حضرت ابوھریرہ کے "متاخرالاسلام" ہونے سے یہ بھی ضروری نہیں: کہ ان کی روایت حضرت طلق کی روایت سے "متاخر" ہو۔ یا تو یہ ثابت کیا جائے: کہ حضرت طلق سنہ ۷ھ کے بعد وفات پا گئے؟

یا وہ دوبارہ "مدینہ منورہ" تشریف نہیں لائے؟

کیونکہ "نسخ" کا دار و مدار سماع حدیث کی "قبلیت و بعدیت" پر ہے۔ اسلام لانے کے "تقدم و تاخر" پر نہیں۔

(۲) بناء ثانی میں حضور سیدنا طلق: کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے: کہ مسجد نبوی کی تعمیر دو (۲) مرتبہ ہوئی:

(۱) سن ۱ ہجری میں۔ (۲) سن ۹ ہجری میں۔

اور حضرت طلق دوسری تعمیر (سن ۹) میں شریک ہوئے۔ نیز اسی تعمیر میں خود سیدنا ابوہریرہ بھی شامل تھے۔

حوالہ کیلئے: **طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام، کتاب الاعتبار للعلامہ حازمی** کا مطالعہ فرمائیں۔

فرماتے ہیں: **کان طلق شریکا فی الوفد الذی جاء مع مسلیمہ الکذاب و کان مجیئہ ھذا الوفد سنہ تسع من الھجرہ۔**

(۳) تاخر آثار بالجزم: اگر ان تمام تاریخی شواھد سے صرف نظر کر کے حضرت طلق کی روایت کو "متقدم" بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو وہ آثار و اقوال یقیناً سیدنا ابوہریرہ کی روایت سے "متاخر" ہیں۔ جنہیں حضرت امام محمد، امام طحاوی، امام احمد اور دیگر سادات محدثین نے کتب حدیث میں نقل فرمایا ہے۔

(۹) قال ابوداود کا حاصل:

(ا) امام ابوداود فرماتے ہیں: کہ میرے ایک دادا استاذ:
علامہ ملازم بن عمرو الحنفی. "حدیث الباب" کو:
سیدنا عبداللہ بن بدر عن قیس بن طلق عن ابیہ. کے واسطہ سے نقل فرماتے ہیں.
جب کہ دیگر اساتذہ:
سیدنا ہشام بن حسان، سیدنا سفیان الثوری، سیدنا شعبہ بن الحجاج، سیدنا سفیان بن عیینہ، سیدنا جریر الرازی. اسی "حدیث الباب" کو:
سیدنا محمد بن جابر عن قیس بن طلق عن ابیہ. کے واسطہ سے روایت فرماتے ہیں.
گویا "حدیث الباب" جو حضرات حنفیہ کی اساسی دلیل ہے. چھ (٦) اکابر حضرات محدثین سے مروی ہے. اور امام ابوداود ان چھ "صحیح اسناد" کے ذریعے "مسلک حنفیہ" کو اسنادی، تائیدی کمک پہنچا کر "اصح" قرار دے رہے ہیں.

(ب) امام ابوداوٗد فرماتے ہیں: مسدد قال حدثنا محمد بن جابر (الخ). کی سند میں:
مس الرجل ذکرہ. کے بعد: فی الصلوہ. کا اضافہ ہے.
یعنی "مس ذکر" خواہ نماز میں ہو. یا نماز کے باہر. بہرکیفیت "ناقض وضوء" نہیں.

۳- باب فی ماء البحر

۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث :

امام نسائی نے " حدیث الباب " کو دو مقامات میں نقل کیا ہے. پہلی مرتبہ اس حدیث مبارک پر : باب فی ماء البحر کا عنوان دوسری مرتبہ " المجتبیٰ " میں " حدیث الباب " پر: الوضوء بماء البحر کا عنوان قائم فرمایا ہے.
امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ اور امام محمد نے " حدیث الباب " پر: الوضوء بماء البحر کا ایک جیسا عنوان قائم فرمایا ہے. اور اس کے ضمن میں سیدنا ابو ہریرہ کی حدیث الباب کو تخریج فرمایا ہے. البتہ امام ابن ماجہ نے حدیث الباب کی تائید میں دو روایات : عن ابن الفراسی، عن جابر. کا اضافہ فرمایا ہے جن کی جانب امام ترمذی نے : وفی الباب عن جابر و الفراسی. سے اشارہ فرمایا ہے.
امام ترمذی باب فی ماء البحر انہ طہور. اور حضرت امام مالک الطہور للوضوء کے عنوان کے ضمن میں "حدیث الباب" لائے ہیں.

(۲) حدیث الباب کا ترجمہ :

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں : کہ ایک آدمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا. اے اللہ کے نبی! ہم تجارت وغیرہ کے لئے سمندری سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ (بغرض شُرب) تھوڑا سا پانی لے لیا کرتے ہیں. ہم اگر اس پانی سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں. کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرسکتے ہیں ؟
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: سمندر کا پانی " طاہر و مطہر " ہے اور اس میں رہنے والے جانور " حلال " اور " طاہر " ہیں.

(۳) اقوال ائمہ : (۱) امام اعظم امام ابو حنیفہ، سیدنا سفیان ثوری، حضرات صاحبین، امام ابراہیم نخعی اور جمہور فقہاء و محدثین کا مذہب یہ ہے :
کہ بجز مچھلی کے تمام دریائی جانور " حرام " ہیں. پھر سمک میں سے " سمک طافی " (پانی میں طبعی موت مرکر الٹی ہوجانے والی مچھلی) بھی " حرام " ہے.
(۲) امام احمد بن حنبل کے ہاں: تمام سمندری جانور " حلال " ہیں سوائے " ضفدع " اور " تمساح " (مینڈک اور گرمچھ) کے.
(۳) امام دار الہجرہ امام مالک سے تین اقوال منقول ہیں.

(ا) تمام بحری جانور " حلال " ہیں۔ یہاں تک کہ سمندر کا کتا اور خنزیر بھی۔
(ب) تمام جانور " حلال " ہیں ماسوا خنزیر کے
(ج) بحری جانوروں میں سے کلب ، خنزیر ، آدمی اور تمساح " حرام " ہیں۔ ان کے ماسوا " حلال "
(۴) امام شافعی سے پانچ اقوال منقول ہیں۔ جن میں سے معروف قول یہ ہے: کہ پانی کے تمام جانور ماسوا مینڈک کے " حلال " ہیں۔

(۴) دلائل احناف:

(ا) ارشاد باری: ویحرم علیھم الخبائث۔ (الایہ)
کہ حضور انور قابل نفرت چیزوں کو امت مسلمہ کے لیے حرام فرماتے ہیں۔ یقیناً سمندری جانوروں میں سے ماسوا مچھلی کے ہر کیڑے اور ہر جانور سے فطرت انسانی نفرت کرتی ہے۔ اور انہیں غذائیت کے اعتبار سے ناقابل استعمال شی سمجھتی ہے۔
لهذا مچھلی کے علاوہ بقیہ تمام سمندری جانور " حرام " ہوں گے۔
(۲) ارشاد باری: حرمت علیکم المیتہ۔
اے امت مسلمہ! تمھارے لیے مردہ جانور حرام کر دیئے گئے ہیں۔ " میتہ ": وہ مردہ جانور ہے جو ذبح کئے بغیر اپنی موت آپ مر جائے۔ تمام مردہ جانور خواہ بری ہوں یا بحری " حرام " ہیں۔ ماسوا ان دو کے جن کا استثناء حدیث مبارک میں موجود ہے۔
(۳) حدیث الباب: عن ابن عمر ان رسول اللہ قال: احلت لنا میتتان: الحوت والجراد۔
اس روایت کو امام نسائی ، امام ترمذی ، امام ابوداؤد ، امام ابن ماجہ اور دیگر بہت سے محدثین نے نقل کیا ہے
یہ حدیث مبارک صرف دو " میتہ " کو " حلال " کررہی ہے:
(ا) سمندری میتہ یعنی مچھلی۔
(۲) بری میتہ یعنی ٹڈی۔
ان دو کے ماسوا تمام خشکی اور بحری میتہ قرآنی آیت: حرمت علیکم المیتہ۔ کے تناظر میں " حرام " ہیں۔
لہذا مچھلی کے ماسوا تمام بحری جانور " حرام " ہوں گے۔
(۴) اجماع صحابہ و امت: حضور انور ، حضرات خلفاء راشدین ، سادات صحابہ کرام ، مقتدر اہلبیت عظام ، سادات تابعین اور محترم فقہاء و محدثین میں سے کسی ایک شخصیت کے فرمان سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی: کہ ان اکابر و اسلاف ائمہ ھدی نے مچھلی کے علاوہ کسی سمندری جانور کو استعمال فرمایا ہو۔
یا اپنے کسی فتوی اور فرمان میں مچھلی کے ماسوا کو " حلال " قرار دیا ہو۔

(۵) دلائل ائمہ:

(۱) ارشاد باری: احل لکم صید البحر وطعامہ.

آیت مذکورہ میں "صید" مصدر بمعنی اسم مفعول ہے. ترجمہ یہ ہو گا: کہ سمندر کے تمام شکار کردہ جانور امت محمدیہ کے لیے "حلال" ہیں. خواہ وہ مچھلی ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور. لھذا تمام سمندری جانور "حلال" ہوں گے.

(۲) حدیث الباب: قال رسول اللہ: ھو الطھور ماءہ والحل میتتہ. (الحدیث)

یہاں "میتہ" کی اضافت: استغراقی ہے. یعنی سمندر کے تمام میتہ: "حلال" ہیں.

(۳) حدیث عنبر: صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: کہ حضرات صحابہ کا ایک فوجی لشکر بغیر زاد راہ کے چل رہا تھا. ان اولیاء امت نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی اور اپنے لیے رزق حلال کو طلب فرمایا. سمندر نے عنبر نامی ایک جانور کو سمندر سے باہر پھینکا. جسے یہ حضرات پندرہ روز تک مسلسل تناول فرماتے رہے.

اس روایت سے معلوم ہوا: کہ حضرات صحابہ سمندری جانوروں کو "حلال" سمجھتے تھے. نیز ان اکابرین امت نے اس سمندری جانور کو تناول فرماکر سمندر کے بقیہ تمام جانوروں کو "حلال" فرما دیا.

حضرات ائمہ ثلاثہ ان مذکورہ تین دلائل سے استدلال فرماتے ہوئے سمندر کے تمام جانوروں کو "حلال" قرار دیتے ہیں. البتہ ان مقتدر ائمہ نے مینڈک، مگرمچھ، کچھوا، سمندری کتا، بحری خنزیر اور دیگر جن سمندری جانوروں کو "حرام" کہا ہے. انکے استثنائی دلائل احادیث صحیحہ میں موجود نہیں. ممکن ہے کہ یہ استثناء عقل و خرد پر مبنی ہو. یا کسی حضرت تابعی کے فرمان سے موید ہو.

(۶) جوابات دلائل ائمہ:

حضرات ائمہ کے مذکورہ تین دلائل میں سے دلیل اول کے جوابات درج ذیل ہیں.

(۱) صید بمعنی اصطیاد: آیت مذکورہ میں "صید" اپنے حقیقی معنی یعنی مصدری معنی میں ہے: (کہ شکار کرنا تمہارے لئے حلال ہے) نہ کہ "صید" اسم مفعول "مصید" کے معنی میں ہے. کیونکہ "صید" بمعنی اسم مفعول کئی وجوہ سے درست نہیں:

(۱) سیاق و سباق: آیت مذکورہ کے سیاق یعنی اس آیت سے ماقبل کی دو آیات میں "محرم" کے افعال زیر بحث ہیں. نیز اسی آیت کے سباق میں خشکی کے جانوروں کو بحالت احرام شکار کرنے سے روکا گیا ہے. لھذا آیت مذکورہ میں بھی بحالت احرام سمندری جانوروں کے شکار کی اجازت دی گئی ہے. نہ کہ سمندری جانوروں کی "حلت و حرمت" زیر بحث ہے. کہ جس سے یہ استدلال کیا جائے کہ سمندر کا فلاں جانور "حلال" ہے اور فلاں جانور

حرام "

(ب) حقیقت و مجاز: لفظ " صید " کو مصدری معنی پر محمول کرنا " حقیقت " ہے. اور اسم مفعول (مصید) کے معنی میں لینا " مجاز ". یقیناً " حقیقت " کی بجائے کسی لفظ کو " مجاز " پر حمل کرنا قطعا نامناسب ہے.

لهذا آیت مذکورہ میں " محرم " کے لیے دوران سفر بحالت احرام شکار کرنے کی اجازت دی گئی ہے. نہ کہ شکار کیے ہوئے سمندری جانوروں کی " حلت " کا حکم بتلایا گیا ہے.

(ج) عطف و تغایر: احقر کے نزدیک صید البحر. معطوف علیہ ہے. طعامہ. معطوف. درمیان میں کلمہ " واؤ " حرف عطف ہے. نحوی ضابطہ کے مطابق: " معطوف " اور " معطوف علیہ " کے مفھوم میں دو رنگی ہوتی ہے. یعنی " معطوف علیہ ر معطوف " کا غیر ہوتا ہے.

لهذا آیت مذکورہ احل لکم صید البحر و طعامہ. میں " طعام صید " سے جب بالاجماع سمندری جانور یعنی مچھلی وغیرہ مراد ہیں. تو صید البحر. سے پھر شکاری جانور مراد نہ ہوں گے. بلکہ عمل شکار مراد ہوگا. آیت کا ترجمہ یوں ہے: تمہارے لئے سمندری سفر کے دوران شکار کرنا بھی " حلال " ہے. اور سمندری طعام کھانا بھی " حلال " ہے.

(۲) الف لام برائے عہد: اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آیت مذکورہ میں " صید ۔بمعنی مصید " (شکار کیے ہوئے جانور کے) ہے. تو آپ کے ہاں: صید البحر. میں اضافت: استغراقی ہے یا عہدی؟

اگر " استغراقی " ہے تو آپ بھی اس کے قائل نہیں. کیونکہ آپ کے ہاں بھی بہت سے سمندری جانوروں کا استثناء موجود ہے. یعنی وہ " حرام " ہیں. جیسے آپ نے مینڈک ر مگرمچھ ر کچھوا اور دیگر جانوروں کو " حرام " کہا.

اور اگر اضافت: " عھدی " ہے تو پھر " مصید البحر " سے صرف مچھلی ہی مراد ہو گی. کیونکہ حضورانور کے فرامین ر آیت قرآنیہ اور حضرات صحابہ کے " اجماع " سے اسی نظریہ کی تائید ہوتی ہے.

(۷) دلیل ثانی کے جوابات:

(۱) اضافت برائے عہد: الحل میتتہ. میں اضافت: " استغراقی " ہے. یا " عہدی "؟

اگر " استغراقی " ہے تو آپ بھی اس کے قائل نہیں. کما ھو الظاہر.

اور اگر اضافت " عھد خارجی " کی ہے. تو پھر اس سے مراد صرف مچھلی ہے. جیسا کہ " اجماع صحابہ " سے ثابت ہے.

(۲) ۔بمعنی طھارت: شیخ الھند فرماتے ہیں: کہ یہاں " الحل " طہارت کے معنی میں ہے یعنی سمندر کے مرے ہوئے جانور پاک ہیں. نہ ہی ان سے انسانی جسم پلید ہو گا. اور نہ ہی ان کے مرنے سے سمندر کا پانی پلید ہوتا ہے، اس کی تائید درج ذیل دو قرائن سے ہوتی ہے.

(ا) منشاء سوال: صحابی رسول کے سوال کا ایک منشاء [illegible] سمندر میں جو [illegible] مرتے [illegible] کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہوگا. اس لئے حضور [illegible] شبہ کے لئے [illegible]
بھی نہیں.

(ب) لغت عرب: لغت عربیہ میں لفظ حلت طہارت کے معنی میں [illegible] مستعمل ہے

(۳) اعتراضات جرح: متعدد علماء اور حفاظ نے حدیث الباب پر چند اعتراضات کئے ہیں.

(ا) سعید بن سلمہ اور مغیرہ بن ابی بردہ "مجہول" ہیں.

(۲) بعض سندات میں یہ حدیث "مرسل" ہے.

(۳) یہ حدیث سندا "مضطرب" ہے

(۸) دلیل ثالث کے جوابات:

(ا) عنبر غیر مچھلی نہیں: عنبر مچھلی کی ایک قسم ہے نہ کہ مچھلی کے علاوہ کوئی اور بحری جانور [illegible] شریف کی روایت میں "عنبر" اور "دابہ" کی بجائے لفظ "حوت" (مچھلی) منقول ہے. گویا عنبر مچھلی ہی کی [illegible] قسم ہے. یہ کوئی اور دریائی جانور نہیں. آپ کا یہ استدلال: کہ مچھلی کے علاوہ اور دوسرے سمندری جانور "حلال" ہیں. درست نہ ھوا.

(۲) حالت اضطرار: اگر صحیح بخاری کی روایت کو رد کرکے آپ کی دلیل کو تسلیم بھی کر لیا جائے. [illegible] حضرات صحابہ نے "عنبر" کو حالت اضطرار میں استعمال فرمایا اور بحالت اضطرار "مشکوک طعام" کو استعمال [illegible] کی اجازت ہے.

(۹) سمک طافی: سمک طافی: وہ مچھلی ہے جو پانی میں مرجانے کے بعد تیرنے لگے.

(ا) اختلاف ائمہ: (ا) امام اعظم امام ابوحنیفہ، سیدنا علی اور جمہور صحابہ و تابعین کے ہاں: اس مچھلی کو [illegible] کھانا "حرام" ہے.

(۲) ائمہ ثلاثہ سمک طافی کے کھانے کو "حلال" سمجھتے ہیں.

(ب) دلائل احناف: (ا) ارشاد شارع: عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله: ما [illegible] فيه و [illegible] فلا تأكلوه.

امام ابوداود نے اس روایت کو "مرفوعا" اور "موقوفا" دونوں طریق سے [illegible]

(۲) آثار صحابہ: سیدنا علی، حضرت جابر، حضرت ابن عباس اور حضرت [illegible] ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور دیگر کتب احادیث میں [illegible] "سمک طافی" [illegible] صراحتا دال ہیں.

کہ مردہ تیرتی ہوئی مچھلی کو استعمال نہ کیا جائے.

(۳) احقر کے نزدیک: احتیاط کاتقاضا بھی یہی ہے

(۱۰) بحر کی لغوی تعریف:

اھل لغت کے ہاں: "بحر" یا تو وسعت کے معنی میں ہے: یا پھاڑنے کے معنی میں. دونوں اعتبار سے سمندر پر "بحر" کا اطلاق "صحیح" ہے.

(۱۱) سمندری پانی کا استعمال:

حضرات ائمہ اربعہ اور تمام فقہاء اہل سنت کا اس حقیقت پر "اجماع" ہے: کہ سمندری پانی کا استعمال بلاشک و شبہ درست ہے. سمندری پانی دوسرے پاک پانی کی طرح: "طاھر" بھی ہے. اور "مطھر" بھی. ایسے پانی کے استعمال میں نہ کوئی "کراھت" ہے. اور نہ کوئی "قباحت"

حضرت امام محمد فرماتے ہیں: **و بھذا ناخذ ماء البحر طھور کغیرہ من المیاہ . و ھو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ و العامہ.** (موطا امام محمد)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر اور بعض محدثین کے ہاں: سمندری پانی سے وضو کرنا "مکروہ" ہے.

(۱۲) طھارہ بحر میں منشاء شک:

اسلامی تعلیمات سے قبل دور جاہلیت میں بھی سمندر کا پانی پاک سمجھا جاتا تھا. اور ہر دور کا صاحب عقل و خرد سمندری پانی کو پاک ہی سمجھتا ہے.

اب سوال پیدا ہو گا کہ حضرت صحابی کو "ماء البحر" سے وضو کرنے میں اشتباہ کیوں پیدا ہوا؟

اس کی علماء نے متعدد توجیہات فرمائی ہیں. چند درج ذیل ہیں:

(۱) مظھر غضب رب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **ان تحت البحر نارا و تحت النار بحرا.** (سنن ابوداود) کہ سمندر کی تہ میں آگ ہے اور آگ کے نیچے پانی. گویا حضرت صحابی کے نزدیک: "ماء البحر" بھی نار کی طرح غضب الہی کا مظھر ہے. اور جو چیز بھی غضب رب کا مظھر ہو اس سے "طھارت" درست نہ ہونی چاہیے.

(۲) الوضوء مما مستہ النار: حضور انور کا فرمان ہے: **الوضوء مما مستہ النار.** (جامع ترمذی) یعنی جس چیز کو آگ مس کرے اس کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے. اب سمندری پانی "متلبس بالنار" ہے. اس لئے اسے یقیناً "غیر مطھر" ہونا چاہیے.

(۳) حیوانات بحریہ کی نجاسات: سمندری جانور سمندر ہی میں "بول و براز" کرتے ہیں. جبکہ "بول و براز" نجس ہیں. لہذا "لقاء نجاست" کے سبب سمندری پانی پلید ہونا چاہیے.

(۴) عدم النزول من السماء: ارشاد باری ہے: وانزلنا من السماء ماءا طهورا.
صحابی رسول کے خیال کے مطابق سمندری پانی "منزل من السماء" نہیں. لھذا سمندری پانی "طاھر" بھی نہ ہوگا.

(۵) خارجی نجاسات: تمام خشکی کی نجاسات بارش کے پانی رہوا اور سیلاب کے ذریعے سمندر میں پہنچ جاتی ہیں. خاص کر وہ آبادی جو ساحل سمندر پر واقع ہو. ان کی جملہ نجاسات سمندر میں ہی ڈالی جاتی ہیں. لھذا سمندر کا پانی نوع نجاست سے پلید ہوچکا ہوگا.

(۶) تغیر اوصاف: سمندری پانی "طعم" اور "لون" کے اعتبار سے "متغیر" ہے. جو پانی بھی "لون" اور "طعم" کے اعتبار سے "متغیر" ہو. وہ بالاتفاق "نجس" ہوا کرتا ہے. لھذا سمندر کا پانی پلید ہوگا.

(۱۳) اضافہ حکم میتہ کا فائدہ:

حضرت صحابی نے صرف "طہارت ماء البحر" کا سوال کیا تھا. جس کا جواب: نعم، **الطهور ماءه**. کے جملے سے بظاہر کافی تھا لیکن **فداہ ابی و امی حضور اکرم** نے حکیمانہ انداز میں اس جملے کا اضافہ بھی فرمادیا: **و الحل ميتته**.

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جملہ ثانی: **و الحل ميتته**. سائل کے جواب سے بظاہر زائد ہے. اب اس اضافی جملہ میں کیا حکمتیں ہیں؟
اسمیں علماء سے کئی اقوال منقول ہیں.

(ا) حکم میتہ سے بطریق اولی بے خبری: حضرت صحابی نے "طہارت ماء" کے بارے میں سوال کیا جب کہ "ماء البحر" کی "طہارت" سے ہر شخص واقف ہے. حضور اکرم کو ان کے سوال سے معلوم ہوا کہ سائل جب ایسے بدیہی حکم سے بے خبر ہے تو یقیناً ان حیوانات کے حکم سے بھی بے خبر ہوگا. جو سمندر میں رہتے ہیں.

(ب) زادراہ کے فقدان کا احساس: محض حاکم و بادشاہ ہو تو وہ رعایا کے سوالات کے جوابات اجمالاً دیا کرتا ہے لیکن باپ جب بیٹے کو جواب دیتا ہے تو اسے پوری بات سمجھاتا ہے. چونکہ حضور اکرم میں رحمت و شفقت والد سے کہیں بڑھ کر ہے تو اس لئے آپ نے محسوس فرمایا کہ جب سفر میں پانی کی کمی واقع ہو سکتی ہے تو زاد راہ کا واقع ہونا بھی متصور ہے. اس لئے آپ نے **علی اسلوب الحکیم: هو الطهور ماءه**. فرما کر "طہارت ماء" کی طرف اور **والحل ميتته**. فرما کر زادر راہ کی "حلت" کی طرف اشارہ فرمادیا.

(ج) توہم نجاست کے منشا کا ازالہ: حضور اکرم نے حضرت صحابی کے سوال سے یہ محسوس فرمالیا کہ انہیں "ماء البحر" کی "طہارت" [illegible] لئے تردد ہوا. کہ شاید ان کے ہاں: "میتہ البحر نجس" ہیں. اس لئے حضور انور نے **هو الطهور ماءه**. [illegible] **و الحل ميتته**. سے بیان فرمادی. کہ "میتہ البحر: طاھر" ہیں. "نجس" نہیں.

اس آخری قول میں "حلت: طہارت" کے معنی میں ہوگی.

۴۔ ترک الوضوء من مس المرأۃ

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

امام نسائی نے " مسئلہ الباب " پر دو عنوانات: ترک الوضوء من مس الرجل امراتہ من غیر شھوہ ، باب ترک الوضوء من القبلہ۔ قائم فرمائے ہیں۔ اور ان کے ضمن میں " سیدہ عائشہؓ " کی پانچ مختلف احادیث مقدسہ کو روایت فرمایا ہے۔

امام نسائی کے دونوں " تراجم ابواب " اور پانچوں احادیث مقدسہ سے " مسلک حنفیہ " کی نہ صرف تائید ہوتی ہے۔ بلکہ امام نسائی نے اپنے اس محدثانہ اور فقیہانہ انداز سے صحیح معنی میں " مسلک جمہور " کی نمائندگی کا حق ادا فرما دیا ہے۔

امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے: باب الوضوء من القبلہ۔ کے عنوان کے ضمن میں سیدہ عائشہ کی روایت مقدسہ کو نقل فرمایا ہے۔ امام ابوداؤد نے سیدہ عائشہ کی مذکورہ روایت کو مختلف تین اسناد سے نقل فرما کر اس پر قال ابوداود کے ذریعے پانچ اعتراضات فرمائے ہیں۔ نیز ان میں سے ایک اعتراض کو امام نسائی اور امام ترمذی نے بھی دوہرایا ہے۔ یہ اعتراضات بمع جوابات آخر میں مرقوم ہیں۔

امام ابن ماجہ نے سیدہ عائشہ کی اس مذکورہ روایت کو ایک ایسی سند اور متن سے نقل فرمایا ہے جو ہمیں دیگر کتب احادیث میں نظر نہیں آتی یہ روایت " مسلک حنفیہ " کی تائید میں ایک عمدہ دلیل ہے۔

امام ترمذی نے مذکورہ مسئلہ پر: باب ترک الوضوء من القبلہ۔ کا عنوان قائم فرمایا ہے۔ اور اسکے ضمن میں نہایت عمدہ محدثانہ اور فقیہانہ گفتگو فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد روی نحو ھذا عن غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین۔

یعنی سیدہ عائشہؓ کی تائیدی احادیث کثرت کے ساتھ حضرات صحابہؓ اور سادات تابعین سے منقول ہیں: جو (مسلک حنفیہ) کی بھرپور تائید کرتی ہیں۔ جن میں سے چند " دلائل احناف " کے ضمن میں ہم نے تحریر کی ہیں۔

حضرت امام مالک نے الوضوء من قبلہ الرجل امراتہ۔ کے عنوان کے تحت سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور علامہ ابن شہاب زہری کے آثار کو نقل فرمایا ہے۔ اور ان سے اپنے مسلک کو موید فرمایا ہے

(۲) مسالک ائمہ:

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ ، امام احمد ، حضرات صاحبین ، امام سفیان ثوری ، امام اوزاعی اور جمہور صحابہ و تابعین

کے نزدیک: "مس مراہ": ناقض وضوء "نہیں۔ خواہ "بالشہوہ" ہو یا بغیر شہوہ کے۔
البتہ "مباشرہ فاحشہ" (مرد اور عورت کا جسمانی اختلاط) "ناقض وضوء" ہے۔
(۲) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک: "مس مراہ": "ناقض وضوء" ہے۔
کیا ہر طرح کا "مس": "ناقض وضوء" ہے؟
یا کوئی خاص انداز سے ملاپ ہو؟ تو وہ "ناقض وضوء" ہے۔
اس کے جواب میں: ان حضرات ائمہ کے اقوال ایک دوسرے سے خاصے مختلف ہیں۔ وہ یوں:
کہ امام مالک کے ہاں: "نقض وضوء" کے لئے تین قیود کا پایا جانا ضروری ہے:
(ا) وہ محترمہ: "بالغہ" ہو یا "مراہقہ"۔
(ب) ....: غیر محرم ہو۔
(ج) یہ لمس: "بالشہوہ" ہو۔
حضرات شوافع کا تعین قیود میں نہایت سخت قسم کا "اضطراب" ہے۔
البتہ "مفتی بہ" قول یہ ہے: کہ "مس مراہ" بہر کیفیت "ناقض وضوء" ہے۔ خواہ یہ مس: "بالشہوہ" ہو یا بغیر شہوت کے، خواہ یہ لمس: "بالید" ہو یا بدن کے کسی اور حصہ سے۔ خواہ یہ محترمہ: "محرم" ہو یا غیر محرم۔ بالغہ" ہو یا "معصومہ"۔

(۳) دلائل احناف:

(ا) **حدیث الباب:** عن عائشہ عن النبی قبلھا و لم یتوضا۔ (رواہ ابوداوٗد و ترمذی وغیرھما)
(۲) **حدیث الباب:** عن عائشہ عن النبی قبل امراہ من نسائہ ... و لم یتوضا۔ (اخرجہ نسائی و ابوداوٗد و ترمذی)
امام نسائی، امام ترمذی، امام ابوداوٗد، امام ابن ماجہ، امام محمد اور دیگر محدثین نے: "حدیث مذکور" پر "ترک وضوء" کا عنوان قائم فرمایا ہے۔
امام نسائی نے: "حدیث مذکور" کو "مرسل" قرار دیتے ہوئے: "قابل حجت" تسلیم کیا ہے۔ نیز دو مزید اسناد سے اس روایت کو تقویت بخش کر "صحیح" مانا ہے۔
امام ابوداوٗد نے ان دونوں احادیث بالا کے اسناد پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ جو "قال ابوداوٗد" کے عنوان کے تحت کے مرقوم ہے
(۳) **حدیث الباب:** عن عائشہ قالت: فاذا سجد رسول اللہ غمزنی فقبضت رجلای۔ (رواہ البخاری، مسلم وغیرھما)
اس "حدیث مبارک" میں "تصریح" ہے: کہ بحالت نماز حضور پر نور سیدہ عائشہؓ کے قدمین کو چھویا کرتے

تھے۔ تاکہ آپ سجدہ فرمائیں۔ معلوم ہوا کہ: "مس مراہ: ناقض وضوء" نہیں۔

امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی اور تمامی سادات محدثین نے "حدیث مذکور" کو متعدد اسناد سے نقل فرماکر "مسلک حنفیہ" کی بھرپور تائید فرمائی ہے۔

امام نسائی نے: اسے چار متعدد اسناد اور ھم معنی متون سے روایت کیا ہے۔ نیز اس پر: **ترک الوضوء من مس الرجل.** کا عنوان قائم فرماکر "مسلک حنفیہ" کی بھرپور ترجمانی فرمائی ہے۔

(۴) **حدیث الباب: عن عائشہ قالت: فوقعت یدی علی بطن قدمہ و ھو ساجد.** (رواہ مسلم)

اگر "مس مراہ: ناقض وضوء" ہوتا۔ تو حضور اکرم نماز کو جاری رکھنے کی بجائے دوبارہ "وضوء" فرماتے۔

احادیث بالا کے علاوہ: سیدہ عائشہ، سیدنا ابو قتادہ، سیدہ ام سلمہ، سیدنا ابو مسعود انصاری اور سیدنا ابوسلمہ کی روایات: "مسلک حنفیہ" کی تائید میں "شھود عدل" ہیں۔ اگر ان احادیث بالا پر غور کیا جائے۔ تو "مسئلہ الباب" میں "محرم"، "غیر محرم"، "بالغہ" اور "صغیرہ" میں کوئی تفریق نہیں۔

(۴) دلائل ائمہ:

قائلین مسلک ثانی و ثالث کے پاس: کوئی "صحیح حدیث" موجود نہیں۔ ان حضرات کا استدلال قرآن مجید کی آیت: **او لمستم النساء.** سے بایں طور ہے: کہ "لمس" سے مراد: "لمس بالید" ہے۔

نیز سیدنا ابن مسعودؓ، سیدنا ابن عمرؓ اور سیدنا معاذؓ کے "آثار مقدسہ" سے ان حضرات کی تائید ہوتی ہے۔ جنھیں حضرت امام مالک نے "الموطا" میں تخریج فرمایا ہے۔

(۵) جوابات:

لغت عربیہ میں کلمہ "لمس" کے دو معنی معروف ہیں:

(ا) "لمس بالید": ہاتھ سے چھونا۔

(ب) "لمس بالآلہ": یعنی جماع و مباشرت۔

ان دو معانی میں سے: معنی اول: (لمس بالید) حقیقی ہے۔ اور معنی ثانی (جماع) مجازی۔ حضرات حنفیہ نے مندرجہ ذیل "وجوہ ترجیح" کی بناء پر "لمس: بمعنی جماع" یعنی حقیقی معنی کو اختیار فرمایا ہے:

(ا) باعتبار اصطلاح قرآن: **ملامسہ، لمس، مس:** ان تینوں کلمات کی نسبت و اضافت جس وقت صنف نازک کی طرف ہو تو وہاں بالاتفاق "لمس" بمعنی "جماع" ہی متعین ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن.**

(ب) بوجہ بلاغت قرآن: "لمس" سے "جماع" کے معنی مراد لینے میں آیت مذکورہ کی "جامعیت" ثابت ہوتی ہے وہ یوں:

کہ حدث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حدث اصغر: (بے وضوء ہونا)

(۲) حدث اکبر: یعنی حالت جنابت۔

پھر انسان کی دو کیفیتیں ہیں:

(۱) واجد ماء (۲) فاقد ماء

گویا حصول طہارت کی چار صورتیں ہوئیں:

(۱) محدث ر واجد الماء: ایسے انسان کے لئے فرمایا: **فاغسلوا وجوهكم وايديكم...**

(۲) جنبی ر واجد الماء: اس شخص کے لئے: **وان كنتم جنبا فاطهروا.** کا ارشاد ہے۔

(۳) محدث ر فاقد الماء: کے لیے: **او جاء احد منكم من الغائط.**

(۴) جنبی ر فاقد الماء: کے لئے: **او لامستم النساء.** فرمایا۔

اب اگر **او لامستم النساء.** کے معنی: "لمس بالید" کے ہوں۔ تو ان کلمات میں بھی "حدث اصغر" کا حکم ہوگا۔ اور آیت مذکورہ: "جنبی فاقد الماء" کے حکم سے "ساکت" ہوگی۔

یہ ایک مسلم اصول ہے کہ: **التاسيس اولى من التاكيد.** یعنی کسی "آیت" اور "حدیث" کا ایسا معنی لینا جو: "حکم جدید" پر مشتمل ہو۔ بہتر ہے اس معنی لینے سے: جس میں حکم سابق کی تاکید ہوتی ہو۔ یقیناً **او لامستم النساء.** کے معنی: "لمس بالید" لینے سے: "محدث ر فاقد الماء کے لئے: "تیمم" کا حکم ثابت ہوگا۔ جب کہ یہ حکم: **او جاء احد منكم من الغائط.** کے کلمات سے ثابت ہے۔

لہٰذا "جامعیت قرآن" اور "تاسیس حکم" کا تقاضا یہ ہے کہ: **او لامستم النساء.** سے "جماع" اور "التقاء ختانین" مراد ہو۔

(ج) بسبب جامعیت قرآن: امام ابوبکر جصاص "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں: کہ اگر **او لامستم النساء.** سے "جماع" مراد لیا جائے۔ تو اس کلمہ سے: دو حکم معلوم ہوتے ہیں:

(۱) جنبی کے لئے پانی نہ ہونے کے وقت: "تیمم" کا "جواز"

(۲) بغیر انزال کے "التقاء ختانین" کی صورت میں: "وجوب غسل"

لہٰذا **لامستم النساء.** معنی: "جماع" ہی مراد لیا جائے۔

(د) باعتبار قانون نحوی: **لامستم: ملامست** سے "مشتق" ہے۔ "ملامست: باب مفاعلہ" سے ہے جو جانبین سے شرکت پر دلالت کرتا ہے۔ یقیناً بحالت "جماع" اور بحالت "التقاء ختانین: مشارکت" ممکن ہے۔ نہ کہ "مس بالید" کی صورت میں۔

(ہ) بوجہ اقوال صحابہ: رئیس المحدثین سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ کا فرمان ہے: **الملامسة: هي الجماع.**

حضرات مفسرین نے سیدنا علیؓ ر سیدنا ابن عباسؓ ر سیدنا عمرؓ اور حضرت ابوموسی اشعریؓ سے " ملامست " کے یہی معنی نقل کئے ہیں۔

(و) بوجہ احادیث نبویہ: مندرجہ بالا احادیث نبویہ سے بھی اس حقیقت کو " تقویت " ملتی ہے: کہ " لمس بمعنی جماع " ہے۔ " لمس بالید " نہیں۔ کیونکہ حضور اکرم اور سیدہ عائشہؓ کی کئی بار " ملامست " ہوئی۔ لیکن نہ ہی حضور انور نے " وضوء " فرمایا۔ اور نہ ہی سیدہ عائشہؓ نے " وضوء " فرمایا۔

(ز) تعامل صحابہؓ: " لمس بالید " دوسرے نواقض وضوء کی طرح کثیر الوقوع ہے۔ کیونکہ روزانہ ہر انسان بیسوں مرتبہ چھوٹی ر بڑی ر " محرم " عورتوں سے " لمس بالید " کرتا ہے۔ اگر " لمس بالید " مطلقاً ناقض وضوء ہوتا۔ تو حضرات صحابہؓ کے کئی آثار نقض وضوء کے بارے میں کتب احادیث میں موجود ہوتیں۔ جب موجود نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ " لمس بالید " ناقض وضوء نہیں۔

قائلین مسلک ثانی و ثالث کی طرف سے جو " آثار " پیش کئے جاتے ہیں۔ یا تو وہ سنداً " ضعیف " ہیں۔ یا اپنے مدعٰی پر صراحتاً دلالت نہیں کرتے۔

اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ " احادیث مرفوعہ ر صحیحہ " سے " تعارض " کے سبب یا " منسوخ " ہیں۔ یا " قابل توجیہ "

(٦) قال ابوداؤد کا حاصل:

(ا) **وھو مرسل ....من عائشہ شیا۔** " مسئلہ الباب " کی پہلی روایت: جو سیدنا ابراہیم تیمی سے مروی ہے۔ اس کے بارے میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں: **ھو مرسل و ابراھیم التیمی لم یسمع من عائشہ شیا۔** یعنی ابراہیم تیمی کا سیدہ عائشہؓ سے سماع ثابت نہیں۔ لہٰذا باعتبار سند کے یہ حدیث " منقطع " ہے۔

اسکی تائید میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

(۲) **وقضی رواہ الفریابی و غیرہ۔** یعنی اس حدیث کو فریابی وغیرہ نے بھی سفیان ثوری سے " منقطعاً " روایت کیا ہے۔

(۷) مذکورہ دو قال ابوداؤد کے جوابات:

(ا) دار قطنی میں ابراہیم تیمی کے بعد **عن ابیہ۔** کے کلمات موجود ہیں۔ یعنی سند یوں ہے: **عن ابراھیم التیمی عن ابیہ عن عائشہؓ۔**

اس سے معلوم ہوا: کہ سند " متصل " ہے۔ " منقطع " نہیں۔

(۲) سیدنا ابراہیم تیمی ایک " ثقہ راوی " اور جلیل القدر " تابعی " ہیں اور ثقہ تابعی کی حدیث منقطع: حدیث مرسل کے حکم میں ہوتی ہے۔ اور " حدیث مرسل " جمہور محدثین کے ہاں: " حجت " ہے **ومراسیل**

الثقات حجه عندنا

(۳) امام نسائی ر صفحہ نمبر۲۱ پر: " حدیث الباب " کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **لیس فی ھذاالباب حدیث احسن من ھذا و ان کان مرسلا**.

(۴) فریق ثانی کے پاس چونکہ " صحیح السند " روایت موجود نہیں. لہٰذا حدیث الباب اگرچہ " مرسل " ہی کیوں نہ ہو پھر بھی " حضرات حنفیہ " کے مسلک کے " راجح " اور " قوی " ہونے میں کوئی شک نہیں.

(۵) امام ابوداؤد کے اعتراض کو اگر تسلیم بھی کرلیا جائے. تو پھر بھی کئی ایسی موید احادیث موجود ہیں. جن سے حدیث الباب کے " منطوق " کی تائید ہوتی ہے.

(۸) مزید اقوال ابوداؤد کا حاصل:

امام ابوداؤد نے سیدہ عروہ کی حدیث پر تین طرح کے اعتراضات کئے ہیں:

(ا) سند مذکور میں " عروہ " سے: " عروہ مذنی " مراد ہیں؟

یا سیدنا عروہ بن زبیر؟

اگر عروہ مذنی مراد ہوں جیسا کہ اسی حدیث کی دوسری سند میں: **عن عروہ المذنی عن عائشہ** کے کلمات سے ظاہر ہے تو پھر دو اشکال پیدا ہوتے ہیں:

(ا) عروہ مذنی ایک مجہول الوصف راوی ہیں. لہٰذا حدیث الباب " ضعیف " ٹھہری.

(ب) عروہ مذنی کا سماع سیدہ عائشہ ؓ سے ثابت نہیں. لہٰذا یہ روایت " منقطع " ہے. اسی لئے امام الجرح و التعدیل ر یحیی بن سعید کا قول مشہور ہے:

(ا) **انہ شبہ لا شی**. یعنی مذکورہ بالا سند " لا شیٔ " اور " ضعیف " ہے.

اس اعتراض کو امام نسائی اور امام ترمذی نے بھی سیدنا یحیی بن سعید کے حوالہ سے سنن نسائی اور جامع ترمذی میں نقل کیا ہے.

اگر عروہ بن زبیر مراد ہوں. تو پھر ایک اشکال ہے وہ یہ: کہ " حدیث الباب: منقطع " ہے. کیونکہ جناب حبیب کا سماع عروہ بن زبیر سے ثابت نہیں. اس بات کو امام ابوداؤد یوں نقل فرماتے ہیں:

(۲) **ماحدثنا حبیب الا عن عروہ المذنی یعنی لم یحدثھم عن عروہ بن زبیر بشی**.

(۹) ان مذکورہ اقوال ابوداؤد کے جوابات:

سند مذکور میں " عروہ " سے: " عروہ بن زبیر " مراد ہیں. جس پر درج ذیل پانچ (۵) قرائن دال ہیں:

(ا) سنن ابن ماجہ ص ۳۸ میں سند مذکور: **عن عروہ ابن زبیر عن عائشہ** کے کلمات سے منقول ہے. گویا اس سند میں عروہ کے بعد ابن زبیر صراحتاً موجود ہے.

(۲) امام بخاری اور امام ترمذی کی تحقیق میں " عروہ " سے " عروہ ابن زبیر " مراد ہیں .جیسا کہ امام ترمذی کا قول ہے : **سمعت محمدا بن اسمعیل قال حبیب بن ثابت لم یسمع من عروہ شیا :** یقیناً حبیب ابن ثابت کا سماع اور عدم سماع عروہ ابن زبیر سے مختلف فیہ ہے نہ کہ عروہ مزنی سے .

(۳) دار قطنی ، مسند احمد اور سنن ابن ماجہ کی متعدد احادیث میں عروہ ابن زبیر یا عروہ ابن اسماء کی تصریح موجود ہے .

(۴) حضرات محدثین کے ہاں : یہ بات اجماعی ہے .کہ سند میں جب کوئی علم (نام) مطلق بولاجائے تو اس سے معروف راوی مراد ہوتے ہیں . جیسا کہ کسی سند میں مطلقاً عبداللہ مذکور ہو تو اس سے عبادلہ اربعہ میں سے سیدنا عبداللہ بن مسعود مراد ہوں گے ایسے ہی جب لفظ عروہ بولا جائے تو اس لفظ سے " عروہ "ابن زبیر مراد ہوں گے کیونکہ سیدنا عروہ ، سیدہ عائشہؓ کے بھانجے اور سیدہ اسماءؓ کے فرزند ہیں . نیز سیدہ عائشہؓ نے سیدہ عروہ کو اپنا متبنی بنایا تھا اس لئے سیدنا عروہ کو علوم عائشہؓ کا امین و محافظ کہا جاتا ہے .

(۵) حدیث کے سیاق و سباق سے بھی یہی بات متحقق ہوتی ہے : کہ عروہ سے ابن زبیر مراد ہیں کیونکہ **من ھی الا انت** ؟ کا سوال ایک محرم عزیز بھانجے اور متبنی ہی سے ممکن ہے اجنبی سے نہیں

جب قرائن بالا سے یہ بات متحقق ہوگئی کہ : عروہ سے عروہ ابن زبیر ہی مراد ہیں . تو اب حبیب بن ابی ثابت کے عدم سماع کے جوابات درج ذیل ہیں :

(الف) خود امام ابوداؤد ، حبیب بن ابی ثابت کا سماع عروہ ابن زبیر سے ثابت فرمارہے ہیں . فرماتے ہیں :

و قد روی حمزہ الزیات عن حبیب عن عروہ بن الزبیر عن عائشہ حدیثا صحیحا.

(ب) حضرات محدثین کے نزدیک چار احادیث میں سیدنا حبیب کا سیدنا عروہ سے سماع ثابت ہے .

(ج) امام زیلعی فرماتے ہیں کہ : حبیب بن ابی ثابت کا سماع ایسے لوگوں سے بھی ثابت ہے . جو عروہ ابن زبیر سے مقدم ہیں نیز سیدنا حبیب اور سیدنا عروہ بن زبیر کا ہم عصر ہونا تاریخ سے ثابت ہے . کیونکہ حبیب بن ابی ثابت کی وفات : سنہ ۱۱۹ ہجری اور سیدنا عروہ کی وفات سنہ ۹۶ ہجری میں ہوئی اور امام مسلم کے ہاں معاصرت اور امکان سماع صحت حدیث کے لئے کافی ہے .

(د) جمہور محدثین کے ہاں مرسل احادیث معتبر اور لائق حجت ہیں لہٰذا حدیث الباب اگر مرسل بھی تسلیم کرلی جائے . تب بھی کوئی مضائقہ نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الغسل

۱۔ باب نوم الجنب۔

۲۔ باب اذا التقی الختانین۔

۳۔ حکم غسلِ جمعہ

Scanned with CamScanner

۱۔ باب نوم الجنب

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث :۔۔

" مسئلہ الباب " پر حضرت امام بخاری نے : چار (۴) ابواب :

باب الجنب یخرج و یمشی فی السوق و غیرہ ، باب نوم الجنب ، باب کینونۃ الجنب فی البیت اذا توضا قبل ان یغتسل ، باب الجنب یتوضا ثم ینام. قائم فرمائے ہیں . اور ان ابواب کے تحت : سیدنا انس ؓ بن مالک ، سیدنا ابو ہریرہ ؓ ، سیدہ عائشہ ؓ ، سیدنا عمر ؓ بن الخطاب کی احادیث مقدسہ اور سیدنا عبد اللہ ؓ بن عمر ؓ اور سیدنا عطاء کے آثار موقوفہ کو درج فرمایا ہے ۔

حضرت امام بخاری : ان احادیث مقدسہ اور آثار موقوفہ سے یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ : حالت جنابت معاشرتی معمولات کی ادائیگی میں مانع نہیں . البتہ جنبی کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ معاشرتی معمولات میں مصروفیت سے قبل وضوء کرلے . یہی : " حضرات حنفیہ " کا مسلک ہے اور یہی ان احادیث مقدسہ سے ثابت ہو رہا ہے ۔

امام نسائی نے : سات (۷) ابواب : (از) **باب وضوء الجنب اذا اراد ان یاکل . (تا) باب فی الجنب اذا اراد ان یعود.** قائم فرماکر مسلک جمہور کی تائید کی ہے . اور " تراجم ابواب " کو " مسلک حنفیہ " کے موافق ترتیب دیکر یہ ثابت فرمایا ہے : کہ بحالت جنابت غسل سے قبل انسان طبعی معمولات سر انجام دے سکتا ہے . بشرطیکہ اصطلاحی ، لغوی وضوء کرلیا جائے . یہی حضرات حنفیہ کا مسلک ہے اور یہی حکم قرین قیاس ہے ۔

امام ابوداؤد نے : " مسئلہ الباب " پر خاصی تفصیلی گفتگو فرمائی ہے . اور تقریبا آٹھ (۸) ابواب قائم فرماکر ان کے ضمن میں متعدد حضرات صحابہ ؓ کی احادیث مقدسہ کو تخریج فرمایا ہے . نیز ان ابواب کے تحت " اقوال ابوداؤد " بھی کافی تعداد میں موجود ہیں . جن کی مکمل وضاحتی تفسیر آئندہ کے ایڈیشن میں آپ حضرات ملاحظہ فرما سکیں گے . **انشاء اللہ العزیز .**

امام ترمذی نے : تین (۳) ابواب : **باب فی الجنب ینام قبل ان یغتسل ، باب فی الوضوء للجنب اذا اراد ان ینام ، باب ما جاء فی مصافحۃ الجنب.** میں حسب عادت فقیہانہ اور محدثانہ کلام کی ہے اور تمام اکابرین امت کے مسلک کو احادیث مقدسہ سے ثابت فرمایا ہے .

حضرت امام مسلم نے : **باب جواز نوم الجنب و استحباب الوضوء لہ.** کے ضمن میں سیدہ عائشہ ؓ ، سیدنا عمر فاروق ؓ ، سیدنا ابو سعید الخدری ؓ اور سیدنا انس ؓ بن مالک کی روایات مقدسہ کو کئی صحیح اسناد سے نقل فرماکر مسلک حنفیہ کی بھرپور تائید فرمائی ہے .

اور امام طحاوی نے: باب الجنب یرید النوم او الاکل او الشرب او الجماع. کے تحت تفصیلی محدثانہ اور فقیہانہ تحقیق کے بعد حضرات احناف کے مسلک احق کو "احادیث الباب" کے موافق قرار دیا ہے. اور ثابت کیا ہے کہ مسلک حنفیہ ہی احادیث الباب کے تناظر میں "اقرب الی الصواب" ہے.

(۲) بیان مسالک: ---

یہ بات اجماعی ہے: کہ

جنبی کے لئے سونے اور کھانے سے قبل: "غسل" کرنا "واجب" نہیں. اور اگر "غسل" سے قبل کچھ کھالے. یا سو جائے. تو جائز ہے. البتہ

وضوء کے بارے میں تین (۳) اقوال ہیں:

(۱) امام اعظم امام ابو حنیفہ ر حضرات ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک: سونے اور کھانے سے قبل وضوء ضروری نہیں. صرف: "مستحب" ہے۔

(۲) امام داؤد ظاہری کے نزدیک: وضوء کرنا: "واجب" ہے۔

(۳) امام ابو یوسف کے نزدیک: "وضوء: مباح" ہے. "مستحب" نہیں. یعنی وضوء کرنا ر نہ کرنا دونوں شرعاً برابر ہیں۔

(۳) دلائل جمہور: ---

(۱) حدیث الباب: عن عائشہ قالت: کان رسول اللہ ینام و ھو جنب من غیر ان یمس ماء ا. (رواہ ابوداؤد)

(۲) حدیث الباب: عن ابن عمر انہ سال النبی ..... قال: نعم و یتوضا ان شاء. (رواہ ابن خزیمہ و ابن حبان باسناد صحیح)

(۳) عن عائشہ عن النبی انہ کان یتوضا قبل ان ینام. (رواہ الترمذی وغیرہ)

(۴) دلیل قول ثانی: ---

(۱) عن عبداللہ بن عمر مرفوعا قال: توضا و اغسل ذکرک ثم نم. (رواہ البخاری)

صیغہ امر: "وجوب" پر دلالت کرتا ہے۔

(۵) دلیل قول ثالث: ---

عن عائشہ قالت: کان النبی ینام و ھو جنب و لا یمس ماء ا. (رواہ ابوداؤد)

"ماء" سے: "وضو" اور "غسل" دونوں کی "نفی" معلوم ہوتی ہے - کہ نہ ہی "غسل" ضروری ہے. اور نہ ہی "وضوء"

(٦) مذکورہ احادیث میں تطبیق:--

"مسئلہ الباب" میں: تمام احادیث اسی صورت میں: "معمول بہا" بنتی ہیں. کہ اگر راہ اعتدال اختیار کرتے ہوئے: "استحباب وضوء" کا قول کیا جائے. "وجوب ر اباحت" کا نہیں.

چونکہ "مسئلہ الباب" میں: حضرات ائمہ اربعہؒ کا اجماع ہے. اس لئے: قول ثانی اور قول ثالث: "متروک ہیں -

(۷) حدیث الباب پر جرح:--

اکثر محدثین نے: "حدیث الباب" کے جملہ: **و لا یمس ماء** کو جناب ابواسحاق کا وہم قرار دیا ہے. جیسے حضرت امام ترمذی فرماتے ہیں: **و یرون ان هذا غلط ابی اسحاق.**

اور امام ابوداؤد کا فرمان ہے: **هذا الحدیث وهم یعنی حدیث ابی اسحاق.**

(۸) جواب جرح:--

امام اعظم ابوحنیفہ ر امام بیہقی ر امام دار قطنی ر امام ثوری اور امام ابن قتیبہ نے: مذکورہ جملے: **و لا یمس ماء.** کو "صحیح" قرار دیا ہے. کیونکہ اصول حدیث کا مسلم قاعدہ ہے: کہ ثقہ راوی کے زائد کلمات حضرات محدثین کے ہاں: قابل تسلیم ہیں **زیادة الثقة مقبولة.**

ابواسحاق بالاتفاق ایک: "ثقہ راوی" ہیں. لہٰذا ان کا یہ نقل کردہ جملہ: "صحیح" بھی ہوگا اور "قابل حجت" بھی -

Scanned with CamScanner

۲- باب اذا التقی الختانان

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث:

"مسئلہ الباب" پر حضرت امام بخاری، امام نسائی، امام ترمذی اور امام محمد نے: **باب اذا التقی الختانان**.

امام ابوداؤد نے: **فی الاکسال**.

اور امام طحاوی نے: **الذی یجامع**. کا عنوان قائم فرمایا ہے۔

نیز امام بخاری نے: **باب غسل مایصیب من فرج المراہ**.

امام نسائی نے: **الغسل من المنی، غسل المراہ تری فی منامھا مایری الرجل، باب الذی یحتلم و لا یری الماء**.

اور امام ترمذی نے: **باب ما جاء ان الماء، باب فی من یستیقظ**.

کے ابواب قائم فرماکر "مسئلہ الباب" پر مزید محد ثانہ گفتگو فرمائی ہے.

(۲) مسالک:

(۱) امام اعظم امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، جمہور صحابہ و تابعین، تمام اہل علم اور جملہ اہل اسلام کے نزدیک:

مرد اور عورت کے باھمی اختلاط سے دونوں پر "غسل: واجب" ہو جاتا ہے. خواہ "انزال" ہو یا نہ ہو.

(۲) علامہ داؤد ظاہری اور چند اہل ظواہر (غیر مقلدین) کے نزدیک:

"وجوب غسل" کے لئے "انزال" ضروری ہے. محض "جماع" سے "غسل: واجب" نہ ہوگا. ہاں "وضوء" کرلینا ضروری ہے.

(۳) دلائل جمہور:

(۱) حدیث الباب: **عن عائشہ قالت: اذا جاوز الختان الختان وجب الغسل. فعلتہ انا و رسول اللہ فاغتسلناہ.** (رواہ الترمذی وغیرہ)

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت "حدیث قولی" بھی ہے. اور "حدیث فعلی" بھی.

نیز "مسئلہ الباب" پر "سیدنا فاروق اعظمؓ" کے دور خلافت میں اسی حدیث مبارک کے پیش نظر حضرات صحابہؓ کا اجماع ہوچکا ہے. لہذا:

(۲) اجماع صحابہ: سے "مسلک جمہور" موید ہے. امام نووی فرماتے ہیں: **استقر الاجماع علی ذلک**.

(۳) حدیث الباب : عن ابی هریرہ عن النبی قال : اذا جلس احدکم بین شعبها الاربع فقد وجب الغسل. وان لم ینزل. (صحیح بخاری و مسلم)

یہ روایت صحیحین ، سنن ، جوامع ، موطاین اور تمام کتب حدیث میں موجود ہے۔

نیز یہ حدیث مبارک تائید جمہور میں "اصرح" ہے۔

اس مضمون کی کئی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جو تعداد کے اعتبار سے "حد تواتر" تک جا پہنچتی ہیں۔

(۴) دلیل عقلی : امام طحاوی فرماتے ہیں کہ : شریعت مطہرہ کے جملہ احکام "غیبوبت حشفہ" پر موقوف ہیں جیسے روزہ اور حج کا فاسد ہونا ، مہر کا لازم ہونا اور تعزیرات کا وجوب۔ خواہ "انزال" ہو یا نہ۔ لہٰذا "غسل" کے لئے بھی "انزال" ضروری نہ ہوگا۔

(۴) دلیل اہل ظواہر:

حدیث الباب : عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ : انما الماء من الماء۔ (رواہ مسلم و ابوداؤد و غیرھما)

یعنی پانی سے نہانا انسانی پانی (منی) کے خروج سے ہے۔ گویا بصورہ ملاپ "غسل : واجب" نہیں۔

(۵) جوابات:

(الف) منسوخ : علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ : زمانہ جاہلیت میں عرب عموماً "جنابت" کے بعد "غسل" نہیں کیا کرتے تھے۔ جب اسلام کی ضیاء چار دانگ عالم میں پھیلی۔ تو حضور انور نے آسانی ، سہولت ، پانی اور کپڑوں کی قلت کو مدنظر رکھتے ہوئے "غسل جنابت" کو "خروج منی" سے معلق فرمادیا۔ جیسا کہ سیدنا ابو سعید خدریؓ کی روایت سے ظاہر ہے۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرا ، طبیعتیں "جنابت" سے متنفر اور "طہارت" کی دلدادہ ہوتی چلی گئیں۔ نیز پانی اور کپڑوں کی بھی وہ قلت نہ رہی جو پہلے پہل تھی تو آپ نے "التقاء ختانین" کو "غسل" کا سبب قرار دے دیا۔ خواہ "انزال" ہو یا نہ۔

اس جواب کی تائید : "سیدنا ابی بن کعبؓ" کے فرمان : انما کان الماء من الماء رخصہ فی اول الاسلام۔ ثم نهی عنها۔ (رواہ الترمذی)

سے بھی ہوتی ہے۔ نیز اس طرح کی توجیہ اور پانچ (۵) اکابر صحابہؓ سے بھی مروی ہے۔

لهذا "حدیث الباب : منسوخ" ہے۔

(۲) برائے احتلام : سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں : انما الماء من الماء فی الاحتلام۔ (جامع ترمذی)

یعنی ابتداء اسلام میں "الماء من الماء" کا قانون حالت "نوم" اور "یقظہ" دونوں کو عام تھا۔ مگر بعد میں صرف حالت نوم کے ساتھ مخصوص ہوگیا۔

(۴) ملاعبت مع زوجہ: مذکورہ روایت: "ملاعبت زوجین" پر "محمول" ہے کہ: جب تک ان پر بھار مخفی حرکات میں "انزال" نہ ہو "غسل" لازم نہ ہوگا۔

(۶) حدیث الباب کا ترجمہ:

سیدنا ابوسلمہؓ فرماتے ہیں : میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مسئلہ پوچھا! کون سی کیفیت میں "غسل: واجب" ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا: ابوسلمہ! تم جانتے ہو۔ تمھاری مثال کیا ہے؟

تمہاری مثال اس چوزے کی سی ہے۔ جو مرغ کی آذان سنکر اپنی آواز اسکی آذان کے ساتھ ملالیتا ہے۔

(سنو) جب انسانی شرم گاہ دوسری شرم گاہ سے ٹکرائے "غسل: واجب" ہو جاتا ہے۔ (خواہ "انزال" ہو یا نہ)

(۷) نظر طحاوی:

امام طحاوی نے مسلک احناف کو بعنوان: نظر و حجت تین عقلی دلائل سے "ترجیح" دی ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) شریعت مطہرہ کے جملہ احکام بالاجماع "التقاء ختانین" اور "غیبوبت حشفہ" پر موقوف ہیں۔ خواہ انزال ہو یا نہ:

مثلاً فساد صوم ر فساد حج ر قضاء حج ر وجوب دم جنایت ر حد زناء ر وجوب مہر اور وجوب عدت وغیرہ۔

اور اگر "فرج" کے ماسواء میں جماع ہو تو بالاجماع انزال ضروری ہے۔ لہٰذا دیگر احکام شرعیہ کی طرح وجوب غسل کو بھی "التقاء ختانین" پر موقوف کیا جائے۔ خواہ انزال ہو یا نہ

اور اگر مادون الفرج ہو تو پھر انزال کی قید لگانا یقیناً درست ہے۔

(۲) مسائل شرعیہ کے استقصاء سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ: التقاء ختانین پر جو حکم مرتب ہوتا ہے۔ وہ انزال سے بدلتا نہیں جیسے:

ایک شخص نے بصورہ زناء التقاء ختانین کیا تو حد واجب ہوگئی خواہ اس کے بعد اسے انزال کا موقع ملے یا نہ۔

اور نکاح شبہ میں التقاء ختانین سے مہر واجب ہو جاتا ہے۔ خواہ بعد میں انزال ہو یا نہ۔

تو گویا دار ومدار التقاء ختانین پر ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ: بوقت جماع التقاء ختانین سے غسل واجب ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ۔

(۳) امام طحاوی نے سیدنا عمر کا اثر نقل کیا ہے کہ: آپ نے دوران خطبہ فرمایا کہ بعض لوگوں نے حضرات انصارؓ کی محترمات کو یہ فتوی دیا ہے کہ: بصورت عدم انزال عورتوں پر غسل واجب ہے مردوں پر نہیں۔

جو غلط ہے بلکہ التقاء ختانین سے دونوں پر غسل واجب ہو جائے گا. خواہ انزال ہو یا نہ . گویا حضرات مفتیین نے **: الماء من الماء.** کی حدیث کا مصداق " رجال " کو قرار دیا .اور عورتوں کے لئے مطلقا اختلاط کو " موجب غسل' قرار دیا خواہ انزال ہو یا نہ .

جب بصورہ انزال بالاجماع مرد اور عورت دونوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے تو بصورہ اختلاط و التقاء ختانین بھی دونوں پر غسل واجب ہونا چاہیے خواہ انزال ہو یا نہ .

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ

۳۔ حکم غسل جمعہ

(۱) مذاہب:

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ ر امام مالک ر امام شافعی ر امام احمد ر حضرات صاحبین ر جمہور اہل علم اور جملہ فقہاء و محدثین کے نزدیک: جمعہ کا غسل ایک پسندیدہ عمل ہے۔ اور شرعاً مسنون ہے۔ واجب یا فرض نہیں۔

(۲) علامہ داؤد ظاہری ر امام احمد اور بعض اہل علم کے نزدیک: جمعہ کا غسل واجب ہے اور صحت صلوۃ کے لئے شرط۔

(۲) دلائل جمہور:

(۱) عن ابی هریرہ عن النبی قال: من توضا ثم اتی الجمعة غفر له مابین الجمعة الی الجمعة۔ (رواہ مسلم)

اس حدیث مبارک میں نماز جمعہ کے لئے وضوء بنانے پر اجر و ثواب کی عظیم نوید سنائی گئی ہے۔

جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے: کہ غسل ضروری نہیں۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: کہ غسل جمعہ کی عدم فرضیت پر یہ حدیث قوی ترین دلیل ہے۔

(۲) عن سمرہ ان رسول الله قال: من اغتسل فالغسل افضل۔ (رواہ النسائی و ابوداؤد)

کلمہ "افضل" یقیناً تائید جمہور میں نص ہے۔

اسی مضمون کی روایات سات اکابر صحابہ سے مروی ہیں جنہیں حضرات محدثین نے کتب احادیث میں روایت کیا ہے۔

(۳) عن عثمان قال: فما ذدت علی ان توضات۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

یہ ایک مفصل روایت ہے جو تین وجوہ سے مسلک جمہور کی تائید کرتی ہے۔

(۱) اگر غسل جمعہ واجب ہوتا تو سیدنا عثمان غنی یقیناً اسے ترک نہ فرماتے۔

(۲) سیدنا عمر انہیں بلا غسل اقامت صلوۃ کی اجازت نہ دیتے۔

(۳) سیدنا عثمان نے بلا غسل نماز جمعہ کوادا فرمایا۔ حضرات صحابہ میں سے کسی نے انکار نہ کیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عدم وجوب غسل پر تمام صحابہ کا اجماع ہے۔

(۴) عن ابن عباس قال: غسل یوم الجمعة لیس بواجب ولکنه اطهر۔ (رواہ ابوداؤد)

کتب حدیث میں یہ روایت مفصل مروی ہے۔ اور یہ کئی طرح سے مسلک جمہور کی مؤید ہے۔

(۳) دلائل وجوب:

(۱) عن ابن عمر ان رسول اللّٰہ قال: اذا اتی احدکم الجمعۃ فلیغتسل۔ (رواہ البخاری وغیرہ من اصحاب السنن)
"فلیغتسل" کا حکم وجوب غسل پر دال ہے۔

(۲) عن ابی سعید الخدری ان رسول اللّٰہ قال: غسل یوم الجمعۃ واجب علی کل محتلم۔ (رواہ البخاری وغیرہ)
اسی مضمون کی ایک روایت سیدنا ابوہریرہ سے موطا امام محمد میں موجود ہے۔ جس کے آخر میں "کغسل الجنابۃ" کے کلمات ہیں۔ یقیناً غسل جنابت فرض ہے۔ بوجہ تشبیہ غسل جمعہ بھی لازم اور واجب ہو گا۔

(۴) جوابات:

(۱) **امر استحبابی:** تمام احادیث کو معمول بہا بنانے کے لئے حضرات جمہور کے نزدیک "فلیغتسل" کا امر استحباب و ندب کے لئے ہے۔
غسل جنابت سے تشبیہ صفت کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔ یعنی جس طرح غسل جنابہ میں پورے جسم پر پانی بہانا ضروری ہے۔ ایسے ہی غسل جمعہ میں بھی تمام جسم پر پانی بہانا لازم ہو گا۔
نیز حدیث ثانی میں "واجب" کے معنی "ثابت" کے ہیں۔

(۲) **منسوخ:** احادیث وجوب ابتدا پر محمول ہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابن عباس کی مندرجہ ذیل روایت سے ظاہر ہے۔
کان الناس مجھودین یلبسون الصوف و یعملون و کان مسجدھم ضیقا ۔ (رواہ ابوداؤد وغیرہ)
یعنی اسلام کے ابتدائی دور میں غربت ؤ افلاس اور قلت ماء و الثواب کے پیش نظر حضرات صحابہ کام کاج کرنے کے دوران بغیر غسل کیے انہیں اونی کپڑوں میں شریک جمعہ ہو جایا کرتے تھے۔ اس لیے حضور اکرم نے اس دور میں نماز جمعہ سے قبل غسل کو لازم قرار دے دیا تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(۳) احقر کی ناقص رائے میں "واجب" کے کلمہ سے کسی حکم کے وجوب کا قول کرنا درست نہیں۔ کیونکہ "وجوب" کی اصطلاح خالصتاً ایک فقہی اصطلاح ہے۔ جس کے واضع امام الائمہ ابوحنیفہ ہیں۔
حضور انور کے اقوال مبارکہ میں "فقد وجب فقد وجب" کے کلمات لغوی معنی کے اعتبار سے ہیں۔ یعنی درست ہونا اور لازم ہونا۔

۴۔ غسل الجمعۃ

(1) مذاہب:

امام اعظم ابوحنیفہ ر امام مالک ر امام شافعی ر امام ابو یوسف ر جمہور فقہاء ومحدثین اور اکثر علماء احناف کے نزدیک: جمعہ اور عیدین کے دن کا غسل نماز جمعہ اور نماز عید کے لئے مسنون ہے۔

(۲) امام محمد ر سیدنا حسن بن زیاد ر صاحب ہدایہ اور علامہ داوٗد ظاہری کی تحقیق میں یہ غسل: یوم جمعہ کے لئے شروع ہے۔ نہ کہ نماز جمعہ اور عیدین کے لیے۔

(۲) دلائل قول اول:

(ا) حدیث الباب: **عن ابن عمر ان رسول اللہ قال: اذا اتی احدکم الجمعۃ فلیغتسل** ۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

اس حدیث میں صراحتاً غسل نماز جمعہ کے لئے معلوم ہو رہا ہے۔ کیونکہ غسل کو نماز جمعہ کی ادائیگی (اتیان الی الجمعۃ) کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔

(۲) دلیل عقلی: نماز جمعہ یقیناً جمعہ کے دن سے بہتر ہے۔ لہٰذا غسل افضل عبادت کے لئے مشروع ہو گا۔

متعدد آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے کہ: یہ غسل نماز جمعہ اور نماز عیدین کے لیے مسنون ہے نہ کہ یوم جمعہ اور یوم عیدین کے لیے۔

قائلین مسلک ثانی کے شواہد حسب ذیل ہیں:

(ا) حدیث الباب: **عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ قال: غسل یوم الجمعہ واجب** ۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

یہاں "غسل" کی اضافت "یوم جمعہ" کی طرف کی گئی ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ: غسل نماز کی بجائے یوم جمعہ کے لئے مشروع ہے۔

(۲) وہ جملہ احادیث: جن میں "غسل" کی اضافت "یوم جمعہ" کی طرف کی گئی ہے۔

(۳) جوابات:

تمام احادیث کو "صلوٰۃ جمعہ" کے ساتھ خاص کریں گے۔ کیونکہ بالاجماع حصول طہارت نماز کے لئے شرط ہے۔ نہ کہ دن کے لئے۔

(۲) احقر کی ناقص رائے میں غسل جمعہ کو "یوم" اور "صلاہ" میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید کئے بغیر مطلق چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ مقصود اصلی حصول طہارت ہے۔ جو یقیناً غسل سے حاصل ہو گی۔ خواہ غسل نماز جمعہ کی

نیت سے کیا جائے یا یوم جمعہ کے ارادہ سے۔

نیز ارادہ ایک فعل قلبی ہے۔ جس پر کوئی دوسرا فرد مطلع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت شارع نے یوم اور صلوۃ دونوں طرف غسل کی اضافت کی ہے۔

اس عدم تقیید کے کئی فوائد ہیں:

(۱) تمام احادیث معمول بہا ہو جائیں گی۔

(۲) جو شخص جمعہ کے دن غسل کریگا۔ خواہ غسل کے بعد نماز جمعہ پڑھ سکے یا نہ عامل بالسنتہ قرار پائے گا۔

(۳) وہ اشخاص بھی اس سنت سے اجر پا سکیں گے۔ جن پر نماز جمعہ فرض نہیں جیسے مسافر اور مستورات۔

(۴) اگر کوئی شخص بروز خمیس یا شب جمعہ غسل جمعہ کے ارادہ سے نہا لیتا ہے۔ وہ بھی سنت پر عمل پیرا ہو گا۔

(۵) وہ شخص جو غسل جمعہ سے نماز جمعہ پڑھ لے گا۔ وہ دوہرے اجر سے ماجور ہو گا۔

(۴) ثمرہ اختلاف:

(۱) جن لوگوں پر نماز جمعہ فرض نہیں مثلاً مسافر اور عورت۔

قول اول میں ان کے لئے غسل مسنون نہیں۔ جبکہ قول ثانی میں مسنون ہے۔

(۲) جو شخص غسل کرنے کے بعد محدث ہو جائے پھر وضوء کر کے نماز جمعہ پڑھے۔ تو قول اول میں اسے سنت کا ثواب نہیں ملے گا۔ بخلاف قول ثانی کے۔

(۳) جس شخص نے طلوع فجر سے قبل غسل کیا اور پھر اسی وضو سے نماز جمعہ پڑھی۔ تو قول اول میں وہ عامل بالسنت ہو گا۔ جبکہ قول ثانی کے اعتبار سے وہ تارکِ سنت سمجھا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الحیض

۱- باب الحیض والاستحاضہ

(۱) حاصل مطالعہ کتب حدیث :---

امام بخاری نے مذکورہ مسائل پر : "کتاب الحیض" کے عنوان سے متعدد "تراجم ابواب" متعین فرمائے ہیں۔ اور ان کے ضمن میں متعدد احادیث کو تخریج فرمایا ہے۔ جو تقریباً پانچ (۵) صفحات پر محیط ہیں۔ ان میں سے : باب الاستحاضہ ، باب اقبال المحیض و ادبارہ (الخ) ، باب عرق الاستحاضہ ، باب اذا رات المستحاضہ الطهر ۔ کے ابواب : "مسائل ابواب" پر نہایت عمدہ انداز میں ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔

امام مسلم نے : باب المستحاضہ و غسلها و صلوتها۔ کے عنوان کے ضمن میں سیدہ فاطمہؓ ، سیدہ ام حبیبہؓ اور سیدہ عائشہؓ کی روایات کو متعدد اسناد سے نقل فرمایا ہے۔

حضرت امام مالک نے : ما جاء فی المستحاضہ ۔ کے تحت متعدد احادیث کو تحریر فرماکر "مسائل ابواب" کو احادیث سے موید فرمایا ہے۔

امام نسائی نے : دو مقامات پر متعدد ابواب کے تحت احادیث کو تخریج فرمایا ہے۔ جن میں سے : ذکر الاغتسال من الحیض ، ذکر اغتسال المستحاضہ ، ذکر الاقراء ، باب الفرق بین دم الحیض و الاستحاضہ ، کتاب بدو الحیض والاستحاضہ سنن المجتبی ، ذکر الاستحاضہ و اقبال الدم و ادبارہ ۔ کے عنوانات مسائل ابواب پر نہایت عمدہ روشنی ڈال رہے ہیں۔

امام ابوداؤد نے : باب فی المراہ تستحاض و من قال تدع الصلوہ فی عدہ الأیام التی کانت تحیض ، باب اذا اقبلت الحیضہ تدع الصلوہ ، باب ما روی ان المستحاضہ تغتسل لکل صلوہ ، باب من قال تجمع بین الصلاتین و تغتسل لهما غسلا ، باب من قال تغتسل من طهر الی طهر ، باب من قال المستحاضہ تغتسل من ظهر الی ظهر ، باب من قال تغتسل کل یوم و لم یقل عندالظهر ، باب من قال تغتسل بین الایام ، باب من قال توضا لکل صلوہ ، باب ما جاء فی وقت النفساء ۔ ان ابواب کے تحت متعدد احادیث کو تخریج فرمایا ہے۔ اور ان پر : "قال ابوداؤد" کے ذریعے تفصیلی محدثانہ گفتگو فرمائی ہے۔

احادیث مذکورہ کا خلاصہ کیا ہے ؟ اور اقوال ابوداؤد کا حاصل کیا ہے ؟

ان دو سوالات کے جوابات آئندہ کے ایڈیشن تک تشنہ رہیں گے۔ اور آئندہ ایڈیشن میں حتی المقدور انہیں زیب قرطاس کردیا جائے گا۔

امام ترمذی نے چار عنوانات : باب فی المستحاضہ ، باب ماجاء ان المستحاضہ یتوضا لکل صلوہ ، باب فی

المستحاضہ انہا تجمع بین الصلوتین بغسل واحد ، باب ماجاء فی المستحاضہ انہا تغتسل عند کل صلوہ . کے تحت فقیہانہ اور محدثانہ گفتگو فرمائی ہے . اور احادیث کا ایک قیمتی ذخیرہ ان عنوانات کے تحت جمع فرمایا ہے .

امام ابن ماجہ : باب ماجاء فی المستحاضہ التی قد عدت ایام اقرانہا قبل ان یستمر بہا الدم ، باب ماجاء فی المستحاضہ اذا اختلط علیہا الدم فلم تقف علی ایام حیضہا ، باب ماجاء فی دم الحیض یصیب الثوب . کے ضمن میں سیدہ ام حبیبہؓ ، سیدہ فاطمہؓ ، سیدہ ام سلمہؓ ، سیدہ حمنہؓ اور سیدہ عائشہؓ کی احادیث مقدسہ کو لائے ہیں .

امام طحاوی نے : باب المستحاضہ کیف تتطہر للصلوہ . کے عنوان کے ضمن میں تفصیلی فقیہانہ اور محدثانہ گفتگو فرماکر مسلک حنفیہ کو " اصح " قرار دیا ہے .

(۲) اقسام مستحاضہ :--

حضرات احناف کے ہاں : " مستحاضہ " عورتوں کی تین (۳) قسمیں ہیں :

(۱) **مبتداہ :** وہ عورت جو بالغ ہوتے ہی تسلسل دم کا شکار ہوگئی -

(۲) **معتادہ :** وہ عورت جسے بلوغ کے بعد کچھ مدت تک تو " دم حیض " صحیح طور پر آتا رہا اور اسکی ماھانہ ایک عادت مقرر ہوگئی . لیکن بعد میں اسے بغیر کسی وقفہ کے خون آنا شروع ہوگیا اور اسکی سابقہ عادت ختم ہوگئی .

(۳) **متحیرہ :** جسے مضلہ ، ضالہ ، محیرہ ، ناسیہ . بھی کہا جاتا ہے . یعنی وہ عورت جو اپنی سابقہ حالت بھول گئی . یا اسکی عادت ابھی متعین ہی نہ ہوئی تھی کہ اسے دائمی خون آنا شروع ہوگیا -

پھر متحیرہ کی تین قسمیں ہیں :

(الف) متحیرہ بالعدد . (ب) متحیرہ بالوقت .

(ج) متحیرہ بالعدد و الوقت .

(الف) متحیرہ بالعدد : ایسی " مستحاضہ " عورت : جو " حیض " کا دورانیہ بھول گئی . کہ یہ دورانیہ کتنے دنوں پر مشتمل ہوتا تھا ؟

(ب) متحیرہ بالوقت : وہ عورت : جو ماہانہ مقرہ ایام یاد نہ رکھ سکی . کہ اسے " دم حیض " مہینے کے کن دنوں میں آتا تھا ؟

اور کن تاریخوں میں وہ پاک ہوا کرتی تھی ؟

(ج) متحیرہ بالعدد و الوقت : وہ عورت : جو " زمانہ حیض " اور تعداد ایام دونوں سے غافل رہی ؟

حضرات فقہاء نے : " متحیرہ بالعدد " کی پانچ (۵) ، " متحیرہ بالوقت " کی آٹھ (۸) اور " متحیرہ بھما " کی ایک (۱) ممکنہ صورت کتب فقہ میں تحریر فرمائی ہے . اور ان کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں مرقوم ہیں .

حضرات ائمہ ثلاثہ کے ہاں : " مستحاضہ " کی چار (۴) قسمیں ہیں :

تین مذکورہ: مبتداہ، معتادہ، متحیرہ. اور چوتھی: "ممیّزہ"

(۴) ممیّزہ: **التی تعرف لون دم الحیض و دم الاستحاضہ.**

یعنی وہ عورت: جو رنگ کے ذریعے "دم حیض" اور "دم استحاضہ" میں فرق کرسکتی ہو.

پھر اس "ممیّزہ" کی دو (۲) قسمیں ہیں:

(۱) ممیّزہ معتادہ: وہ عورت: جسے ایک عادت کے مطابق امتیازی خون آتا ہو۔

(۲) ممیّزہ متحیرہ: ایسی عورت: جسے امتیازی خون بغیر کسی سابقہ عادت کے آئے۔

حضرت امام اعظم کے نزدیک: رنگ کا کوئی اعتبار نہیں. بلکہ اندام نہانی سے خارج ہونے والا ہر رنگ کا خون: "دم حیض" ہے بشرطیکہ ایام حیض میں ہو. اور وہی رنگین خون: "دم استحاضہ" ہے. جب بغیر کسی نظم و ضبط کے آئے.

فرماتے ہیں: **الوان الدم ستہ: الحمرہ، السودہ، الصفرہ، الکدرہ، الخضرہ، الترییہ.**

حضرات فقہاء نے لکھا ہے: کہ دم حیض: عورتوں کے مزاج، موسمی اثرات، آب و ھوا اور خورد و نوش میں تبدیلی کے سبب اپنا رنگ مختلف چھ (۶) رنگوں میں بدلتا رہتا ہے. اس لئے رنگ کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) احکام مستحاضہ:--

(۱) مبتداہ: مبتداہ بالاتفاق: اکثر مدت حیض یعنی پورے دس دن میں "حائضہ" ہوگی اور باقی ایام میں "مستحاضہ". اقل مدت طہر (پندرہ دن) ختم ہونے کے بعد آئندہ کے دس روز پھر ایام حیض شمار ہوں گے.

ایسی عورت ایام حیض گزرنے کے بعد: "غسل" کرے. اور ایک پاک عورت کی طرح عبادات میں مشغول ہوجائے۔

(۲) معتادہ: "معتادہ" کے ایام عادت: "حیض" میں شمار ہوں گے. اور بقیہ ایام: "استحاضہ" میں. یہ عورت ان ایام عادت کے گذرنے پر "غسل" کرے. اور بقیہ دنوں میں "وضوء" کے ساتھ عبادات میں مصروف رہے. جس کی تفصیل "اختلاف فقہاء" کے ضمن میں آرہی ہے.

(۳) متحیرہ: "متحیرہ" کے احکام: اس کے اقسام کے مطابق: "کثیر" بھی ہیں. اور گھمبیر بھی. جو آپ تفصیل کے ساتھ کتب فقہ میں پڑھ چکے ہیں۔

(۴) استحاضہ فاطمہ کی نوعیت:--

حضرات احناف کی تحقیق کے مطابق: سیدہ فاطمہؓ یا تو "معتادہ" تھیں یا "مبتداہ". اگر "مبتداہ" تھیں تو پھر اکثر ایام بحالت استحاضہ رہتی تھیں. جبکہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں: یہ معتادہ ممیّزہ تھیں. "اقبال دم" (خون کی آمد)

اور " ادبار دم " سے یہ محسوس کرلیتی تھیں: کہ " دم حیض " کونسا ہے ؟ اور " دم استحاضہ " کون سا ؟

(۵) اقبال و ادبار دم کی وضاحت :۔۔

" اقبال حیض " اور " ادبار حیض " : حضرات احناف کے ہاں : عادت پر محمول ہے . چونکہ حضرت فاطمہ " معتادہ " تھیں . اس لئے حضور اکرم نے : " اقبال حیض " اور " ادبار حیض " کو حیض اور استحاضہ کے مابین فاصل قرار دیا. ائمہ ثلاثہ کے ہاں: اس سے " تمیز دم " کی طرف اشارہ ہے .

گویا ہمارے نزدیک : " اقبال و ادبار: کنایہ " ہے " عادہ معروفہ " سے . اور ان کے ہاں : " اختلاف لون " سے

(۶) وضوء مستحاضہ میں اختلاف فقہاء :۔۔

(۱) امام اعظم امام ابو حنیفہ ر امام احمد بن حنبل اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ : مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے . جب تک فرضی نماز کا وقت باقی ہے . یہ مستحاضہ عورت متعدد فرضی اور نفلی نمازیں پڑھ سکتی ہے . جیسے ہی نماز کا وقت ختم ہوگا . یہ عورت بے وضو ہوجائے گی -

(۲) امام شافعی کے نزدیک : " مستحاضہ " ہر فرض نماز کے لئے علیحدہ وضو کرے . ایک بار وضو کرنے سے یہ مستحاضہ " عورت دو (۲) فرضی نمازیں نہ ہی .بنیت " اداء " پڑھ سکتی ہے . اور نہ ہی .بنیت " قضاء " . البتہ سنن " اور " نوافل " ایک ہی وضوء سے کئی بار پڑھے جاسکتے ہیں -

(۳) امام مالک نے فرمایا : کہ " مستحاضہ " ہر نماز کے لئے الگ وضوء کرے . خواہ وہ نماز فرضی ہو . یا نفلی .

(۷) دلائل جمہور :۔۔

(۱) امر شارع : **عن عائشہ قالت : سئل رسول اللہ عن المستحاضہ . قال : تتوضا عند کل صلوہ .** (رواہ ابن حبان و اسنادہ صحیح)

(۲) قول شارع : **عن عائشہ ان النبی قال لفاطمہ بنت ابی حبیش : توضئی لوقت کل صلوہ .** (اخرجہ محمد فی الموطا و الامام الطحاوی)

(۳) حدیث الباب : **عن عدی عن ابیہ عن جدہ عن النبی قال فی المستحاضہ : تتوضا عند کل صلوہ .** (رواہ الترمذی و ابوداؤد و غیرھما)

کلمہ " عند " ظروف زمانیہ میں سے ہے . لہٰذا بوقت نماز ہی " وضو " کرنا ہوگا -

(۴) عقل و قیاس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ : ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کیا جائے . کیونکہ ان حضرات کے

ہاں : " فراغت من الصلوۃ " ناقض وضو ہے ۔اور ہمارے ہاں : " مضی وقت " ۔ شریعت مطہرہ میں اسکی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ کہیں " فراغت من الصلوۃ " کو ناقض وضو قرار دیا گیا ہو ۔ جب کہ " مضی مدت " کے نظائر بہت سے ہیں : جیسے مسح علی الخفین وغیرہ ۔

والظاهران حمل الحكم على النظير اولى من حمله على ما لانظير له.

(۵) اجماع امت : اس حقیقت پر اجماع ہے : کہ جب مستحاضہ وقت صلوۃ میں وضو کرے اور نماز نہ پڑھ سکے کہ وقت گزر جائے ۔ وہ اب اس وضو سے نماز نہیں پڑھ سکتی بلکہ ادائیگی نماز کے لئے نیا وضو کرنا ہوگا ۔ جس سے معلوم ہوا : کہ " مضی وقت : ناقض وضوء " ہے ۔

(۸) قول ابو معاویہ کی سندی حیثیت :--

بعض محدثین کے نزدیک : " حدیث الباب " کا یہ جملہ : (**توضی لکل صلوہ حتی یجیی ذالک الوقت .** " مدرج " ہے ۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے : " فتح الباری " میں اس قول : کہ مذکورہ جملہ " مدرج " ہے کو رد کیا ہے ۔ اور اس " جرح " کو نادرست قرار دیا ہے ۔

بعض اصحاب جرح کے ہاں : یہ جملہ حضرت عروہؓ پر " موقوف " ہے ۔

حافظ ابن حجر کے ہاں : یہ رائے بھی ناقابل تسلیم ہے ۔

الحاصل " حدیث الباب " کا مذکورہ جملہ " مرفوع " بھی ہے ۔ اور " صحیح " بھی ۔

(۹) حیض کی تعریف :--

الحيض فی اللغه : السيلان. کہا جاتا ہے :

حاض الوادی : ای سال . و حاضت السمره : اذا سال منها شی .

یہ " حاض ، یحیض " سے ماخوذ ہے ۔ **یقال : حاضت المراه تحيض حيضا .**

تعریف شرعی : حیض کی شرعی تفسیر حضرات فقہاء سے یوں منقول ہے : **الحيض دم يخرج من قعر الرحم بدون داء . ، انه دم ينفضه رحم امراه بالغه من غير داء .**

اھل لغت سے : " حیض " کے کئی نام منقول ہیں : **الطمث ، العراک ، الضحک ، القرء .**

(۱۰) استحاضہ کی تعریف :--

" استحاضہ " کے لغوی معنی : نامعلوم اوقات میں خون کے جاری ہونے کے ہیں ۔

"استحاضہ" لفظ "حیض" سے باب "استفعال" پر ہے۔ اور ہمیشہ "فعل مجہول" میں استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: **استحیضت المراہ فھی المستحاضہ۔**

تعریف شرعی: حضرات فقہاء سے "استحاضہ" کی تعریف ان کلمات سے مروی ہے: **دم یسیل من العاذل من امراہ لداء بھا۔ / دم یخرج من فم الرحم من العاذل۔** ایسا خون: جو غیر صحت مند عورت سے بے وقت خارج ہو۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: "استحاضہ" کا خون "حیض" کی طرح عورت کے رحم سے نہیں آتا بلکہ یہ ایک اندرونی رگ سے بہنا شروع ہوتا ہے جسے لغت عربیہ میں: "عازل" کہا جاتا ہے۔

بہرحال ہر وہ خون: جو کسی عادت کے بغیر جاری ہو۔ وہ "دم استحاضہ" ہے۔ اور ایسی بیمار عورت کو: "مستحاضہ" کہتے ہیں۔

(۱۱) دور نبوی کی مستحاضات:--

علامہ عینی فرماتے ہیں: **کانت المستحاضات فی عھد رسول اللہ احدی عشر امراہ:**

جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رض (سنن ابوداؤد)

(۲) ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رض (طحاوی)

(۳) سیدہ ام حبیبہ بنت جحش رض۔ یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رض کی زوجہ محترمہ تھیں۔

(۴) سیدہ حمنہ بنت جحش رض۔ آپ سیدنا ابو طلحہ رض کی اہلیہ ہیں۔

(۵) سیدہ فاطمہ بنت ابی جیش رض۔ انھیں فاطمہ بنت قیس بھی کہا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(۶) سیدہ ام سلمہ ہندہ رض۔

(۷) سیدہ اسماء بنت عمیس رض۔ (ابوداؤد و الطحاوی)

(۸) سیدہ سہلہ بنت سہیل رض۔ (ابوداؤد)

(۹) سیدہ اسماء بنت مرثد رض۔ (بیہقی)

(۱۰) سیدہ بادیہ بنت غیلان الثقفیہ رض۔ (ابن مندہ)

(۱۱) سیدہ زینب بنت ام سلمہ رض۔ (بیہقی)

(۱۲) مدہ حیض میں اقوال ائمہ:--

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ / امام ابراہیم نخعی / امام اہل سنت سیدنا حسن بصری اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

کہ کم از کم زمانہ حیض: تین (۳) دن اور زیادہ سے زیادہ دس (۱۰) دن ہے۔

اقلہ ثلاثہ ایام و اکثرہ عشرہ ایام.

(۲) حضرت امام مالک کے ہاں: کمتی میں کوئی تحدید نہیں. بلکہ ایک قطرہ خون بھی "حیض" ہے. البتہ اکثر مدت حیض سترہ (۱۷) دن ہے. **اکثرہ سبعہ عشر یوما.**

(۳) حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے: کہ کم از کم مدت حیض ایک دن ر ایک رات ہے. اور زیادہ دورانیہ پندرہ (۱۵) دن ہے. **اقلہ یوم و لیلہ و اکثرہ خمسہ عشسر یوما.**

(۱۳) مدۃ طہر میں اقوال:--

امام اعظم ابوحنیفہ ر حضرت حسن بصری ر امام شافعی اور امام احمد کے ہاں: کم از کم مدت طہر پندرہ (۱۵) دن ہے. یعنی ایک حیض کے خاتمے اور دوسرے "حیض" کی آمد میں کم از کم پندرہ (۱۵) دن کا وقفہ ہوگا.

اقل مدہ الطہر خمسہ عشر یوما.

(۲) حضرت امام مالک کے نزدیک: اس میں کوئی تحدید نہیں.

(۱۴) مدۃ نفاس میں اقوال:--

حضرات ائمہ کا یہ قول تو اجماعی ہے: کہ "نفاس" کے کمتی دورانیہ کی کوئی تحدید نہیں. نومولود بچہ کی ولادت کے بعد جتنا خون جس مقدار میں بھی ظاہر ہو. وہ: "دم نفاس" ہے۔

اکثر نفاس کے بارے میں:

حضرت امام اعظم ر امام مالک ر امام احمد اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ: "دم نفاس" چالیس (۴۰) روز تک جاری رہ سکتا ہے. اس سے زائد قطعا نہیں۔ اس سے اگر بڑھے تو وہ: "دم استحاضہ" ہے۔

حضرت امام شافعی کے ہاں: یہ خون ساٹھ (۶۰) روز تک جاری رہ سکتا ہے.

(۱۵) دلائل حنفیہ:--

(۱) **عن عثمان بن ابی العاص رض انہ قال: الحائض اذا جاوزت عشرہ ایام فھی بمنزلہ المستحاضہ.** (رواہ الدار قطنی و البیہقی)

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ: یہ قول موقوف: حدیث مرفوع کے درجے میں ہے.

(۲) **عن عائشہ رض قالت: اقل الحیض ثلاثہ ایام و اکثرہ عشرہ ایام.** (رواہ الزیلعی)

یہ حدیث: کثرت طرق و اسانید کے سبب: "حسن لغیرہ" کے درجے میں ہے۔

(۳) عن انسؓ الحیض عشرہ . (رواہ الدار قطنی)

(۴) قول شارع : عن انس قال قال رسول اللہ : وقت النفاس اربعون . الا ان تری الطھر قبل ذالک .
(رواہ دار قطنی)

(۵) قال سفیان : الطھر خمس عشرہ یوما . (دارمی) .

(٦) دلیل عقلی : ایک محدث کا فرمان ہے کہ : طہر ر اقامت کی مانند ہے . اور حیض ر سفر کی مانند . اس لئے کم
کم مدت طہر ر مدت اقامہ کی طرح پندرہ (۱۵) روز ہوگی . اور مدت حیض کم از کم مدت سفر کی طرح تین (۳) دن -

دیگر اقوال کے قائلین کے پاس : کوئی صحیح روایت یا اثر موقوف موجود نہیں . البتہ ان ائمہ رشد و ہدایت نے
پنے زمانہ کی متدین اور فقہی ذوق رکھنے والی عورتوں کے تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر مدتوں کا تعین فرمایا ہے . نیز
امر بھی یقینی ہے کہ : جگہ ر موسم اور خوراک کا اختلاف بھی ان اوقات کی کمی بیشی میں موثر ہے -

۱) نظر طحاوی :--

" مسئلہ الباب " کو امام طحاوی نے تین (۳) دلائل نظریہ سے ثابت کیا ہے . تفصیل حسب ذیل ہے :

(ا) یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ : جو " مستحاضہ " عورت کسی نماز کے لئے بروقت وضوء کرے لیکن اس وضوء سے
نہ پڑھ سکے کہ وقت گذر جائے . اب اگر نماز پڑھنے کا ارادہ بھی کر لے تو وہ مستحاضہ عورت نماز نہیں پڑھ سکتی
فرض نماز پڑھ چکی ہے اور نوافل پڑھنے کا ارادہ ہے کہ وقت گذر گیا . تو بالاجماع وضوء ٹوٹ چکا ہے . نوافل ادا
نا درست نہیں .

لہٰذا معلوم ہوا کہ : ناقض وضوء : خروج وقت ہے . اداء صلوۃ مفروضہ نہیں .

(۲) مستحاضہ عورت کی اگر بہت سی فرضی نمازیں رہ جائیں . اور وہ ایک وقت میں پڑھنا چاہے تو جمہور
علماء کے نزدیک : ایک وضوء سے کئی فرض نمازیں .بنیّت قضاء پڑھ سکتی ہے .

اگر صلوہ مفروضہ سے فراغت ہوتے ہی وضوء ٹوٹ جاتا . تو کئی فرض نمازیں پڑھنا درست نہ ہوتا . بلکہ اقامت
وہ ثانیہ کے لئے نئے وضوء کی ضرورت پڑتی .

لہٰذا ثابت ہوا کہ : " فراغت عن الصلوہ : ناقض وضوء " نہیں . بلکہ " مضی وقت : ناقض وضوء " ہے -

(۳) مسائل طہارت کا احاطہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ : نقض طہارہ دو طرح سے ہوتا ہے :

(الف) لحوق حدث سے . جیسے " غائط " اور " بول " وغیرہ

(ب) خروج وقت سے . جیسے " مسح علی الخفین " وغیرہ .

کسی مسئلہ میں بھی فرضی نماز کی ادائیگی کو : " ناقض وضوء " قرار نہیں دیا گیا . اور اس کی کوئی نظیر شریعت

مطہرہ میں ہمیں نہیں ملتی.

یقیناً " مستحاضہ " کے لئے : " خروج وقت " کو " ناقض " قرار دینا . جو بعض مسائل میں اجماعا " ناقض وضوء ہے . اولی ہے " فراغت عن الصلاہ " کے " ناقض وضوء " قرار دینے سے جو مختلف فیہ ہے . اور جس کی شریعت بیضاء میں کوئی نظیر نہیں ملتی.

مشہور قاعدہ ہے : حمل الحکم علی النظیر اولی من حملہ علی ما لانظیر لہ.

(۱۷) نظر فی النظرۃ:--

احقر کے نزدیک : امام طحاوی کی دوسری نظرر محل نظر ہے . کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک : ہر فرض نماز کے لئے نئے وضوء کی ضرورت ہے . خواہ فرض نمازوں کو اپنے اپنے اوقات میں اداء کیا جائے . یا . بنیت قضاء ایک ہی وقت میں تمام فرض نمازوں کو پڑھ لیا جائے .

لہٰذا حضرت امام طحاوی کا نقطہ فکر اس صورت میں درست ہوتا . اگر فریق ثانی ایک ہی وضوء سے مستحاضہ عورت کو کئی فوت شدہ فرضی نمازیں پڑھنے کی اجازت دیتا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱- احادیث الباب کا ترجمہ
۲- تیمم کی شرعی حیثیت
۳- باب التیمم للوجہ والکفین
۴- باب الصعید الطیب

۱۔ احادیث الباب کا ترجمہ

ترجمہ حدیث اول :

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں : کہ ہم اہل اسلام ! غزوہ بنی المصطلق کے لئے رسول اللہ کے ساتھ روانہ ہوئے جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش کے قریب پہنچے تو میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر گم ہو گیا (جو میں اپنی ہمشیرہ سیدہ اسماء سے مانگ کر لائی تھی) حضور انور ہار کی تلاش میں وہیں ٹھر گئے اور رفقاء سفر بھی آپ کے ساتھ اسی مقام میں ٹھر گئے (تاکہ امانتی ہار کو تلاش کیا جا سکے) یہ پڑاؤ ایسی جگہ پر تھا جہاں پانی موجود نہ تھا ۔

حضرات صحابہ سیدنا صدیق اکبر کے پاس آکر کہنے لگے : آپ نے دیکھا کہ سیدہ عائشہ نے کیسا معاملہ کیا ؟

حضور انور اور تمامی صحابہ کو ایک ایسے مقام پر ٹھرنا پڑا جہاں پانی دستیاب نہیں اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی موجود ہے ۔

سیدنا صدیق اکبر میرے ہاں تشریف لائے اس وقت حضور انور میری ران پر اپنا سر مبارک رکھے آرام فرما رہے تھے ۔

سیدنا ابوبکر نے فرمایا: کیوں آپ نے حضور انور اور تمام اھل ایمان کو یہاں اٹکا دیا ہے ؟ جہاں نہ ہی پانی موجود ہے اور نہ ہی پانی کا کوئی انتظام ۔

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے والد غصے میں تھے اور مشیت ایزدی کے مطابق کچھ فرمائے جارہے تھے نیز آپ نے میری کوکھ میں اپنی انگلی کو داخل فرمایا لیکن میں نے حرکت نہ کی ۔

کیونکہ شاہ دوعالم میری ران پر آرام فرما رہے تھے ۔

جب صبح ہوئی تو حضور انور بیدار ہوئے لیکن وضو اور غسل کے لئے کسی کے پاس پانی موجود نہ تھا اسی حالت میں اللہ رب العالمین نے " آیت تیمم " کو نازل فرمایا ۔

" کہ اے اہل اسلام ! جب تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کر لیا کرو "

حضرات صحابہ وصحابیات اس حکم قرآنی کے مطابق تیمم کرنے لگے ۔

معروف انصاری صحابی سیدنا اسید بن حضیر فرمانے لگے : اے خاندان ابوبکر! تمہاری اسلام اور اہل اسلام پر کوئی پہلی یہ رحمت و برکت نہیں (بلکہ تمہارے خاندان کے ذریعے کئی رحمتیں اور برکتیں ہم پر نازل ہو چکی ہیں)

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں : کہ جس وقت کوچ کے ارادے سے ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہیں اس کے نیچے سے ہمیں ہار بھی مل گیا ۔

ترجمہ حدیث ثانی :

سیدنا عمران بن حصین بیان فرماتے ہیں: کہ ایک سفر میں ہم حضور انور کے ساتھ رات کے ابتدائی حصے میں چلتے رہے یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ آپہنچا تو ہم لیٹ گئے۔
مسافر کے لئے اس سے میٹھی کوئی نیند نہیں۔ سورج کی گرمی سے ہماری آنکھ کھلی سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر پھر حضرت عمران ر پھر حضرت ذو مخبر بیدار ہوئے جن کا نام حضرت ابو رجاء نے تو بیان کیا لیکن راوی حدیث حضرت عوف ان کو بھول گئے۔
چوتھے بیدار ہونے والے شخص حضرت فاروق اعظم تھے جبکہ حضور انور تا حال آرام فرما تھے۔
ہم حضرات صحابہ کا یہ معمول تھا کہ جب حضور آرام فرما ہوتے تو ہم آپ کو بیدار نہ کرتے جب تک کہ آپ خود نہ جاگ جاتے کیونکہ ہم نہیں جان سکتے تھے کہ دوران نیند کونسی کیفیات آپ کے حضور پیش ہیں۔
جب سیدنا فاروق اعظم بیدار ہوئے اور انہوں نے قضاء صلاۃ کے سبب لوگوں کو پریشان دیکھا تو بوجہ صاحب دل اور بہادر ہونے کے بلند آواز سے " اللہ اکبر " اور " اللہ اکبر " کہنے لگے۔ مسلسل یہی کلمات کہتے چلے گئے یہاں تک کہ ان کے اس نعرہ تکبیر سے حضور انور کی آنکھ مبارک کھلی گئی۔
جیسے ہی آپ بیدار ہوئے حضرات صحابہ پریشانی و اضطراب کا اظہار کرنے لگے۔ (کیونکہ نماز فجر قضاء ہو چکی تھی) آپ نے نہایت سکون اور حوصلے میں فرمایا اس میں بھی خیر ہے اور آئندہ کے لئے بھی خیر و رحمت کا پہلو اس میں موجود ہے۔ (کہ میری نیند کے سبب رب کائنات نے امت مسلمہ کو ایک تیمم کا تحفہ اور دوسرا قضاء صلوۃ کا طریقہ عطا فرمادیا ہے)
آپ نے حکم فرمایا: اس جگہ سے کوچ کیا جائے۔
وہاں سے ہم چل پڑے تھوڑی ہی مسافت چلے تھے کہ حضور اپنی سواری سے اترے۔ وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ وضو کیا۔ اذان کی اجازت مرحمت فرمائی۔ نیز آپ نے لوگوں کی امامت فرمائی۔
جب حضور اکرم نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے ایک ساتھی کو دیکھا کہ وہ ایک طرف پریشان بیٹھے ہیں اور انہوں نے باجماعت نماز بھی ادا نہیں کی۔ آپ نے ان کا نام لیکر پکارا اور پوچھا!
کہ آپ نے ہمارے ساتھ باجماعت نماز کیوں نہیں پڑھی؟
انہوں نے جواب دیا: کہ مجھے نہانے کی حاجت ہے اور پانی دستیاب نہیں۔
نبی رحمت نے فرمایا: زمینی اجزاء سے تیمم کر لو۔ یہی تیرے غسل کے قائم مقام ہے۔
پھر حضور انور نے سفر شروع فرمایا تو دوران سفر حضرات صحابہ نے پانی کے نہ ہونے اور پیاس کی شکایت کی۔ آپ سواری سے اترے اور حضرت عمران بن حصین جن کا نام حضرت ابو رجاء نے تو بیان کیا۔ لیکن ان کے شاگرد حضرت عوف بھول گئے۔ نیز سیدنا علی کو طلب فرما کر حضور نے حکم دیا: کہ آپ دونوں جائیں اور پانی کو تلاش کریں

حسب فرمان یہ دونوں حضرات چل دیئے کہ راستے میں ایک عورت ملی جو پانی کے دو تھیلے یا دو مشکیزے اپنے اونٹ پر لادکر جا رہی تھی۔
ان دونوں حضرات نے اس عورت سے پوچھا:
کہ پانی کس جگہ دستیاب ہے؟
بولی: ایک دن کی مسافت پر اور میں کل اسی وقت وہاں سے پانی بھر رہی تھی۔
جبکہ ہمارے اہل علاقہ میرے منتظر ہیں۔
ان دونوں حضرات نے اسے اپنے ہمراہ بارگاہ رسالت کی جانب چلنے کو کہا۔ وہ عورت پوچھنے لگی: کہ کہاں چلنا ہے؟

انہوں نے فرمایا: رسول اللہ کی خدمت میں۔
پوچھنے لگی: وہی جنہیں اہل کفر "صابی" کہتے ہیں۔
جواباً یہ حضرات فرمانے لگے: ہاں۔ وہی جو تیرے تصور و خیال میں ہیں۔
بس اب تو انہی کی طرف چل۔
سیدنا علی اور حضرت عمران اس عورت کو لے کر بارگاہِ رسالت میں پہنچے۔ اور اپنے سفر کی روئیداد بھی سنائی۔
سیدنا عمران بیان کرتے ہیں: کہ حضرات صحابہ نے اس عورت کو بمعہ دو مشکیزوں کے سواری سے اتارا۔
حضور انور نے ایک برتن منگوایا اور دونوں مشکیزوں کے منہ اس برتن میں کھول کر پانی تقسیم کرنا شروع فرما دیا۔
پھر آپ نے مشکیزہ کے بالائی طرف کے منہ کو بند کر دیا اور نیچے کے منہ کو کھول دیا۔
لوگوں میں اعلان کیا گیا: کہ پانی پیو اور خوب پیو۔ نیز اپنے تمام جانوروں کو بھی پانی خوب پلاؤ۔
لوگوں نے حسبِ منشاء خوب پانی پیا بھی۔ بھرا بھی اور سواریوں کو پلایا بھی۔
تقسیم کے آخر میں آپ نے پانی اس شخص کو عطا فرمایا جسے نہانے کی حاجت تھی۔ آپ نے برتن کو پانی سے بھرا اور فرمایا: اسے لے جاکر اپنے جسم پر بہا دے اور خوب نہا۔
وہ عورت کھڑی اس تمام عمل کو دیکھ رہی تھی جو حضور اس کے پانی سے کر رہے تھے۔
حضرت عمران فرماتے ہیں: کہ اللہ کی قسم! جب حضور نے مشکیزوں سے پانی تقسیم کرنے کے عمل کو بند فرمایا تو ہم حضرات صحابہ کو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت وہ دونوں مشکیزے اس پانی سے زیادہ بھرے ہوئے ہیں۔ جب حضور نے ان مشکیزوں سے پانی نکالنا شروع فرمایا تھا۔
پھر اس نبی رحمت نے فرمایا: اس عورت کے لیے مہمانی کو جمع کرو۔
حضرات صحابہ نے اس کے لیے کھجور، آٹا اور ستو کو جمع فرمایا۔ یہاں تک کہ خوراک کی ایک بہت بڑی مقدار اس عورت کے لئے جمع ہو گئی۔ حضرات صحابہ نے اس خوراک کو ایک کپڑے میں باندھا۔ اس عورت کو

بعد دو مشکیزوں اور اس خوراک کے سواری پر سوار کر دیا۔ اور انہیں اس کے آگے رکھ دیا۔
بوقت روانگی حضور انور نے اس محترمہ کو فرمایا: تو جانتی ہے۔ کہ ہم نے تیرے پانی کو کم نہیں کیا۔ بلکہ اللہ رب العالمین نے ہمیں خوب سیراب کیا ہے۔ (نیز اللہ نے تیرے پانی میں کمی کی بجائے اضافہ بھی کر دیا ہے)
وہ عورت اپنے اہل خانہ میں پہنچی۔ چونکہ تاخیر سے پہنچی تھی اس لئے اہل علاقہ نے پوچھا: اے محترمہ! تجھے دیر کیوں ہوئی؟

اس نے جواب دیا: کہ دورانِ سفر عجیب معاملہ پیش آیا کہ مجھے راستے میں دو آدمی ملے۔ جو مجھے اس شخصیت کی طرف لے گئے جنہیں اہل کفر "صابئ" کہتے ہیں۔ پھر اس موحدِ اعظم نے میرے اور میرے پانی کے ساتھ یہ اور یہ معاملہ فرمایا۔

وہ عورت کہنے لگی: اللہ کی قسم! بے شک وہ۔ یا تو اس آسمان اور زمین میں سب سے بڑے جادوگر ہیں۔ اس دوران اس نے اپنی درمیانی اور اس کے ساتھ والی انگلی اٹھا کر آسمان اور زمین کی جانب اشارہ کیا۔ یا وہ اللہ کے پکے اور سچے اور آخری رسول ہیں۔

اس واقعہ کے بعد اہل اسلام غزوات و سرایا میں ان کفار اور مشرکین پر جب بھی حملہ آور ہوتے جو اس محترمہ کے مضافاتی علاقے میں آباد تھے۔ تو اس بستی کی حفاظت فرماتے جس میں یہ عورت سکون پذیر تھی۔ اس پر یلغار نہ کرتے۔

چنانچہ ایک دن یہ عورت اپنے قوم کے افراد کو کہنے لگی: کہ مجھے یقین ہے کہ بے شک یہ لوگ جان بوجھ کر ہمیں معاف کر دیتے ہیں۔
کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمام اہل علاقہ مسلمان ہو جائیں؟
تمامی نے اس عورت کی بات مانی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

(اس مضمون کی روایت سیدنا ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے: کہ یہ واقعہ غزوہ خیبر کی طرف جاتے ہوتے پیش آیا۔ اس روایت کو امام مسلم نے نقل فرمایا ہے۔
سنن ابوداؤد میں سیدنا عبداللہ بن مسعود کے توسط سے اسی طرح کی ایک روایت موجود ہے۔ جسکی رو سے یہ واقعہ صلح حدیبیہ سے واپسی کے وقت پیش آیا۔
امام بخاری کے استاد امام عبدالرزاق کی تحقیق کے مطابق اسطرح کا واقعہ غزوہ تبوک کے راستے میں پیش آیا
امام ترمذی کی تخریج کردہ حدیث کے تناظر میں یہ واقعہ غزوہ جیش الامراء کے موقع پر سامنے آیا۔
حضرات محدثین و فقہاء نے ان احادیث میں یوں تطبیق دی: کہ اسطرح کا معجزہ متعدد بار ظہور پذیر ہوا۔ اور حضرات صحابہ نے اپنے نبی اور رسول کی عظمت و شان کا کئی بار مشاہدہ فرمایا۔)

ترجمہ حدیث ثالث :۔

سیدنا شقیق بن سلمہ بیان فرماتے ہیں: میں سیدنا عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسی اشعری کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ابو موسی نے ابن مسعود سے یہ مسئلہ پوچھا: کہ اگر ایک آدمی جنبی ہو جائے اور ایک ماہ تک اسے پانی دستیاب نہ ہوسکے۔ تو کیا ایسا شخص تیمم کر کے نماز پڑھتا رہے؟

شقیق فرماتے ہیں: ابن مسعود نے جواب دیا: کہ تیمم نہ کرے خواہ اسے ایک ماہ تک پانی میسر نہ ہو (نیز فاقد الطہورین ہونے کے سبب نماز بھی ادا نہ کرے یہی حضرت امام اعظم کا مسلک ہے)

ابو موسی فرمانے لگے: پھر سورہ مائدہ کی آیت "فلم تجدوا ماءً" کا مفہوم کیا ہو گا۔

سیدنا ابن مسعود نے جواب دیا: کہ اگر بحالت جنابت اہل اسلام کو تیمم کی اجازت دے دی جائے تو یہ جنبی لوگ پانی کی ٹھنڈک سے گھبراتے ہوئے زمینی اجزاء سے تیمم کرنے لگیں گے (اس لئے جنبی کو تیمم کی قطعا اجازت نہ دی جائے)

راوی حدیث اعمش کہتے ہیں: میں نے شقیق سے پوچھا: کہ آپ اس حدیث کے پیش نظر جنبی کے لئے تیمم کرنے کو ناپسند سمجھتے ہیں؟

شقیق نے فرمایا: ہاں۔

پھر ابو موسی نے ابن مسعود سے پوچھا: کہ آپ نے وہ روایت نہیں سنی؟ جس میں یہ ہے: کہ حضرت عمار بن یاسر نے فاروق اعظم سے کہا: کہ مجھے حضور نے کسی ضروری کام کے لئے بھیجا۔

دوران سفر میں جنبی ہو گیا۔ جب مجھے پانی دستیاب نہ ہو سکا تو میں چوپائے کی طرح زمینی اجزاء میں لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ سفر سے واپسی پر میں نے اپنی یہ کیفیت حضور کے سامنے بیان کی تو آپ نے مجھے طریقہ تیمم سکھاتے ہوئے فرمایا: کہ تجھے صرف اتنا عمل کرنا کافی تھا (اس کے بعد آپ نے اختصار سے تیمم کا عملی طریقہ سکھایا)

آپ نے اپنی ہتھیلی مبارک زمین پر رکھی۔ اس کو جھاڑا۔ پھر بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی پشت کو ملا۔ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت کو۔

اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ انور پر پھیر دیا (اس اختصاری عمل میں یہ تعلیم مقصود تھی کہ حدث اکبر اور حدث اصغر کے ازالے کے لئے تیمم ایک جیسا ہے۔ فرق نہیں)۔

سیدنا ابن مسعود نے روایت مذکورہ کا یہ جواب دیا: اے ابو موسی! آپ نے نہیں دیکھا کہ عمر نے عمار کے اس عمل پر قناعت نہیں کی۔ (بلکہ حضور انور تاجدار دوعالم کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ فرمایا)

۲۔ تیمم کی شرعی حیثیت

(۱) تعریف لغوی :

تیمم "ام ر یوم ر اما" سے ماخوذ ہے۔ اہل لغت کے ہاں تیمم کے معنی ارادہ اور قصد کرنے کے ہیں۔

کہا جاتا ہے: "تیممت فلانا" یعنی میں نے فلاں شخص سے ملنے کا ارادہ کیا۔

مجرد اور مزید (باب تفعل) میں اس کے معنی ایک ہی ہیں۔

(۲) تعریف شرعی:

اصطلاحی تعریف حضرات فقہاء سے یوں منقول ہے:

" قصد الصعید الطاہر بصفۃ مخصوصہ وھو مسح الیدین و الوجہ عند عدم الماء حقیقتاً او حکما لاستباحہ الصلوہ وامتثال الامر"

(۳) مشروعیت تیمم:

تیمم کی مشروعیت: کتاب اللہ، سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

تیمم چونکہ ایک خلاف قیاس عمل ہے اس لیے مشروعیت تیمم میں قیاس و نظر کا کوئی دخل نہیں۔

(۴) زمانہ مشروعیت:

مشروعیت تیمم قرآن مجید کی مندرجہ ذیل دو آیات مقدسہ سے ثابت ہے۔

(۱) **وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم (الایہ)**

(۲) **یاایھاالذین امنوا لاتقربوا الصلوہ وانتم سکاری (الایہ)**

چونکہ ان دو آیات کے زمانہ نزول اور شانِ نزول میں حضرات مفسرین و محدثین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔

اس لئے زمانہ مشروعیتِ تیمم میں بھی اقوال مختلف ہیں۔

(۱) سبب نزول: امام بخاری نے آیت مذکورہ کے ضمن میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کی یہ روایت نقل کی ہے: کہ مقام بیداء میں میرا ہار گم ہو گیا تھا۔ تلاش میں اس قدر دیر ہوئی کہ نماز صبح کا وقت ہو گیا۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے حضرات صحابہ وضو کے لیے فکر مند تھے کہ آیت تیمم نازل ہوئی۔

اس کی تائید حضرت عمار بن یاسر کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں تخریج فرمایا ہے۔

شان نزول: حضرات محققین اس امر میں مضطرب ہیں کہ قصہ سیدہ عائشہ کے موقعہ پر "آیت نساء" نازل ہوئی یا "آیت مائدہ"

(۱) **توقف:** علامہ ابن العربی مالکی نے توقف سے کام لیا ہے۔
(۲) علامہ ابن بطال اور علامہ قرطبی کے ہاں آیت نساء نازل ہوئی نہ کہ مائدہ اور آیت نساء کا نزول غزوہ احد سن ۳ ہجری کے متصل ہے۔
(۳) علامہ ابن حجر کی تحقیق یہ ہے کہ آیت مائدہ نازل ہوئی۔
(۴) علامہ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر میں فرماتے ہیں

هده الایه التی فی النساء متقدمه النزول علی ایت المائده

یہاں دوسرا اختلاف یہ ہے: کہ یہ واقعہ کس تاریخ کو پیش آیا؟
بعض مفسرین کے ہاں یہ واقعہ غزوہ مریسیع یعنی غزوہ بنی المصطلق سن ۴ ہجری یا سن ۵ ہجری کے موقعہ پر پیش آیا
(۲) بعض کے ہاں ہار دو مرتبہ گم ہوا۔ ایک غزوہ ذات الرقاع سن ۴ ہجری میں اور دوسرا غزوہ بنی المصطلق سن ۷ یا ۵ یا ۴ ہجری میں۔
آیت تیمم غزوہ ذات الرقاع میں نازل ہوئی۔ اور واقعہ افک غزوہ بنی المصطلق میں پیش آیا۔
گویا قصہ تیمم مقدم ہے واقعہ افک پر
(۳) علامہ طبرانی کی تحقیق یہ ہے کہ قصہ افک واقعہ تیمم پر مقدم ہے۔
بہر حال مندرجہ بالا اقوال میں سے جمہور محققین کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ واقعہ تیمم غزوہ بنی المصطلق سن ۶ ہجری میں پیش آیا۔
نیز اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ہار دو غزوات میں گم ہوا لیکن تقدیم و تاخیر میں اختلاف ہے

۵۔ تیمم کی شرعی حیثیت: حضرات احناف کے ہاں تیمم طہارت مطلقہ اور طہارت کاملہ ہے اس لئے ایک تیمم سے متعدد نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ نیز باوضو شخص متیمم کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔
(۲) ائمہ ثلاثہ کے ہاں تیمم طہارہ ضروریہ اور اضطراریہ ہے۔ لہٰذا ایک تیمم سے دو فرض نمازیں پڑھنا جائز نہیں۔ لیکن ان ائمہ کے ہاں صلوہ المتوضی خلف المتیمم جائز ہے۔

دلائل احناف: (۱) ارشادباری **ولکن یرید لیطهرکم (الایہ)**
بیان تیمم کے بعد (لیطهرکم) کا حکم طہارت مطلقہ پر صراحتا دال ہے۔
(۲) حدیث الباب: **جعلت لی الارض مسجد ا وطهورا (الحدیث)**
یہاں بھی کلمہ "طہور" طہارت مطلقہ و کاملہ پر دال ہے۔

تیمم رخصت ہے یا عزیمت؟

بعض کے ہاں عزیمت ہے اور بعض کے ہاں رخصت۔ بعض حضرات نے یوں تقسیم فرمائی: کہ اگر پانی حقیقتا معدوم ہو تو تیمم عزیمت کے درجہ میں ہے اور اگر مرض یا کوئی عذر ہو جس سے پانی استعمال نہ کر سکے تو پھر یہ رخصت ہے۔

تیمم میں نیت کا حکم: اس بات پر اجماع ہے کہ تیمم کے لئے نیت ضروری ہے۔

(قال ابن ارسلان اتفق فقهاء الامصار على وجوب النيه فيه لوجود معنى القصد فى التيمم)

فائدہ: اگر تیمم کے بعد اداء صلوہ سے قبل پانی مل جائے تو بالاتفاق تیمم نوٹ جاتا ہے اور اگر اداء نماز کے بعد وقت کے اندر پانی مل جائے تو بالاتفاق اعادہ صلوہ ضروری نہیں لیکن اگر دوران نماز پانی مل جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز توڑ دے اور وضوء کر کے نماز پڑھے۔

۳۔ باب التیمم للوجہ والکفین

(۱) فقہ و نظر: امام بخاری اور دیگر محدثین نے "کتاب التیمم" اور "ابواب التیمم" کے ضمن میں متعدد احادیث کو تحریر فرمایا ہے۔

جن میں سے تین احادیث مبارکہ مسئلہ الباب میں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ جو حروف اور کلمات کے اعتبار سے طویل بھی ہیں اور مفہوم و معنی کے اعتبار سے اپنے مدعیٰ پر واضح بھی۔

ان تین احادیث کا ترجمہ بمطابق ترتیب صحیح بخاری صفحہ نمبر ۳۱۴ پر مرقوم ہے۔

تیمم میں دو طرح کا اختلاف ہے

(۱) باعتبار الفعل: کہ ضربات کتنی ہیں؟

(۲) باعتبار المحل: کہ محل مسح کیا ہے؟

عدد ضربات میں اختلاف ائمہ:

اس میں علماء امت سے دو اقوال منقول ہیں۔

(۱) امام اعظم امام ابوحنیفہ، امام دار الھجرہ امام مالک، امام شافعی، حضرات صاحبین اور جمہور فقہاء و محدثین کے ہاں تیمم کے لیے دو مرتبہ ہاتھ کو مٹی میں ملایا جائے۔ پہلی مرتبہ چہرے اور دوسری مرتبہ دونوں بازووں کے لیے۔

التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ و ضربۃ اخری للیدین

(۲) امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی اور بعض محدثین کے ہاں صرف ایک مرتبہ ہتھیلیوں کو زمین پر مارا جائے پھر انہیں چہرے اور ہاتھوں پر مل دیا جائے

التیمم ضربۃ واحدۃ للوجہ و الکفین

محل مسح میں اختلاف ائمہ:

محل مسح میں چار مسالک ہیں۔ اور اس اختلاف کا محل صرف دونوں ہاتھ ہیں ورنہ چہرے کے محل مسح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ تمام ائمہ کا اجماع ہے: کہ چہرے پر ہتھیلیوں سے ضرور مسح کیا جائے

(۱) امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے: کہ محل مسح دونوں بازو ہیں۔ جن پر کہنیوں تک مسح کیا جائے

(۲) امام احمد بن حنبل، چند اہل ظواہر اور عام محدثین کے نزدیک صرف " رسغین " (کلائیوں) تک مسح ضروری ہے۔

(۳) امام مالک (فی روایہ) کے مطابق " رسغین " تک مسح واجب ہے اور " مرفقین " تک مسنون۔

(۴) علامہ ابن شہاب زہری کا مسلک یہ ہے: کہ بغلوں تک مسح کرنا ضروری ہے

الحاصل: اگر فعل اور محل کی تقسیم کے بغیر ائمہ اربعہ کے مسلک پر نظر ڈالی جائے تو حضرات ائمہ ثلاثہ کے ہاں:

التیمم ضربتان ضربہ للوجہ و ضربہ اخری للیدین الی المرفقین

اور امام احمد بن حنبل کے ہاں:

التیمم ضربہ واحدہ للوجہ والیدین الی الرسغین

دلیل امام احمد: امام احمد بن حنبل اپنی تائید میں حدیث الباب کو پیش کرتے ہیں:

عن عمار ان النبی امرہ بالتیمم للوجہ و الکفین۔ (رواہ البخاری و مسلم وغیرھما)

علامہ ابن شہاب زہری کی دلیل حضرت عمار کی روایت ہے جسے امام ترمذی نے یوں نقل کیا ہے:

فتیممنا مع النبی الی المناکب و الاباط

دلائل جمہور:

حضرات ائمہ ثلاثہ مندرجہ ذیل احادیث اور آثار سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) حدیث الباب: عن عمار بن یاسر فضربنا واحدہ للوجہ ثم ضربہ اخری للیدین الی المرفقین۔ (رواہ ابوداؤد وغیرہ)

(۲) عن جابر عن النبی قال التیمم ضربہ للوجہ و ضربہ للذراعین الی المرفقین۔ (رواہ دارقطنی وغیرہ)

(۳) عن ابن عمر مرفوعاقال التیمم ضربتان ضربہ للوجہ و ضربہ للیدین الی المرفقین۔ (اخرجہ ابوحنیفہ فی مسندہ)

(۴) عن ابی جہم بن الحارث الانصاری قال اقبل النبی فمسح وجھہ و ذراعیہ۔ (رواہ ابوداؤد وصاحب المشکوہ)

ان احادیث صحیحہ کے علاوہ سیدنا علی، سیدنا اسلع اور سیدنا ابوہریرہ کی احادیث نیز سیدنا علی، سیدنا سعید بن المسیب، حضرت حسن بصری اور امام ابراہیم نخعی کے آثار کتب احادیث میں موجود ہیں۔ جو مسلک جمہور کی حقانیت پر واضح دال ہیں۔

وجوہ ترجیح:

(۱) اشبہ بالقران والقیاس: حضرات محققین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب صحاح اور حسان روایات آپس میں متعارض ہو جائیں تو جو احادیث اشبہ بالقرآن یا اشبہ بالقیاس ہوں ان پر عمل کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں آیت تیمم کیفیت کے اعتبار سے مجمل ہے

لہٰذا تیمم کو وضوء پر قیاس کریں گے۔ وہ اس طرح: کہ تیمم خلیفہ ہے اور وضوء اصل۔ جب وضوء میں وجہ اور "یدین" کے لئے علیحدہ علیحدہ پانی لینا ضروری ہے۔ تو تیمم میں بھی چہرے اور بازووں کے لیے علیحدہ علیحدہ "ضربیں" ہونگی اسی طرح وضوء میں جب غسل کا حکم "الی المرفقین" ہے تو تیمم میں بھی مسح "الی المرفقین" ضروری ہو گا۔

(۲) العمل علی الجمیع: ان احادیث پر عمل کرنے سے جن میں "ضربتین" اور "مرفقین" کا تذکرہ ہے۔ لازمی طور پر ان احادیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے جن میں "ضربہ" اور "رسغین" کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرات حنفیہ "کثر اللہ سواد ہم" کا یہی طرہ امتیاز ہے کہ وہ مسائل کی تخریج ایسے انداز میں فرماتے ہیں۔ کہ جس کے سبب جملہ احادیث پر عمل ہو جائے اور کوئی حدیث متروک العمل نہ رہے۔

(۳) احتیاط: احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ "ضربتین" اور "مرفقین" والی احادیث کو معمول بہا بنایا جائے۔ کیونکہ کل پر عمل پیرا ہونے سے اجزاء خود بخود معمول بہا ہو جاتے ہیں۔

(۴) قیاس اولویت: وضوء طہارہ کاملہ ہے اور تیمم (بقول آپکے) طہارہ ناقصہ۔ جب طہارہ کاملہ (اصل) میں عضو ثانی کے لئے ماء جدید کا حکم دیا گیا ہے۔ تو طہارہ ناقصہ (فرع) میں بھی "ضربہ اخری" کا حکم وجوبی طور پر ہونا چاہیے۔

(۵) اجتہادات صحابہ قبل از تعلیم نبوی: امام شافعی فرماتے ہیں: کہ نزول آیت تیمم کے ابتدائی زمانہ میں جب تک حضور اکرم نے عملی تعلیم حضرات صحابہ کو نہ دی تھی اس وقت حضرات صحابہ مختلف انداز سے مسح کرتے تھے لیکن بعد میں حضور انور کی مرفوع احادیث سے "ایدیکم" کی غایت "الی المرفق" قرار پائی۔

نظر طحاوی:

جن چار اعضاء کو رب کائنات نے وضوء میں دھونے کا حکم دیا۔ تیمم میں ان میں سے دو یعنی "راس" اور "رجلین" کو ساقط کر دیا گیا ہے۔

گویا تیمم میں تخفیف ہے۔

جب اعضاء مغسولہ میں کمی کر دی گئی تو "ایدیکم" کی غایت میں کیسے اضافہ کر دیا گیا ہو گا؟ کہ "مرافق" کی بجائے "مناکب و آباط" تک بازوؤں کو دھویا جائے۔ یقیناً وضوء کی طرح بازوؤں پر بھی "الی المرفقین" مسح ہو گا۔

۴- باب الصعید الطیّب

صعید کیا ہے؟

قرآن مجید میں ارشاد باری ہے: **فتیمموا صعیدا طیبًا**

صعید کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

(۱) امام دارالہجرہ امام مالک ، امام ابوحنیفہ اور اکثر محدثین کے ہاں ہر وہ چیز جو جنس ارض سے تعلق رکھتی ہے وہ صعید کا مصداق ہے۔ خواہ مٹی ہو یا پتھر ، ریت ہو یا کنکری ، چونا ہو یا تانبا ، جص ہو یا خاکہ۔

(۲) امام شافعی ، امام احمد بن حنبل اور حضرات صاحبین کے نزدیک صعید مٹی کا دوسرا نام ہے۔ بقیہ اجزاء ارض سے مسح کرنا درست نہیں صرف مٹی سے مسح درست ہو گا۔

الصعید انہ التراب فقط دون سائر اجزاء الارض

(۳) امام ابویوسف کے ہاں تیمم بالرمل (ریت) کی بھی اجازت ہے۔

قائلین مسلک ثانی **جعلت تربتھا لنا طھورا (الحدیث)** سے استدلال کرتے ہیں۔

دلائل جمہور: (۱) قرآن مجید میں ہے: **فتصبح صعیدا زلقا**

(۲) آیت قرانیہ: **انالجاعلون ماعلیھا صعیدا جرزا (الایہ)**

ان دو آیات میں صعید سے بالاتفاق جملہ اجزاء الارض مراد ہیں۔

(۳) قول شارع: **عن ابی ھریرہ جاء قوم الی النبی و قال انا قوم نسکن فی الرمال فقال النبی علیکم بالصعید الطیب (الحدیث)**

حدیث مذکور میں رمل اور دوسری اشیاء ارضیہ پر حضور اکرم نے صعید کا اطلاق فرمایا ہے۔

(۴) ارشاد شارع: **قال رسول اللہ جعلت لی الارض مسجدا وطھورا (الحدیث)**

امام بخاری نے کتاب التیمم کے ضمن میں اس روایت کو نقل فرما کر مسلک جمہور کی تائید فرمائی ہے۔

جواب: دلائل بالا کی روشنی میں کلمہ (تربتھا) کا ذکر کثرہ استعمال اور کثرہ وجود کے اعتبار سے ہے نہ کہ حصر کے لئے۔

النافعُ للّذی یُطالعُ التّرمذی

(زیر ترتیب)

تالیف : مؤلف موصوف مولانا محمد عبد القوی محدث ملتانی۔

۱۔ انتہائی قیمتی علمی مواد پر مشتمل ۲۔ علماء و فضلاء طلباء کے لئے یکساں مفید، جس کی کمی کا احساس اساتذہء حدیث اور طلباء علم حدیث مدت و شدت سے کر رہے تھے۔ زیر ترتیب و تالیف اس کتاب میں احکام اربعہ نماز روزہ حج زکوٰۃ کے مباحث عمداً حذف کر دیئے گئے ہیں اور ابواب النکاح سے آخر کتاب تک تمام مباحث احکام کو اسی بسط و تفصیل سے محققانہ بحث کی گئی ہے جس بسط و تفصیل کے ساتھ متقدمین شراح نے احکامِ اربعہ پر بحثیں فرمائی ہیں۔

القولُ الجامع فی اختلافِ المطالع

(زیر ترتیب)

تالیف : مولانا محمد عبد القوی صاحب ملتانی

زیر ترتیب رسالہ اختلاف مطالع پر علمی اعتبار سے جامع، سائنسی نکتہ نظر سے نافع ہے۔ اختلاف مطالع کے مسئلہ دقیق پر سیر حاصل بحث اور اتحادِ امت کے لئے اس رسالہ کو ذریعہ بنانے کی مخلصانہ سعی کی گئی ہے۔

زیرِ سرپرستی: صاحبزادہ مفتی محمد عبد القوی (خاصے والے پیر)
اور دیگر مقتدر فقہاء کرام مفتیان عظام اور ماہرینِ قانون (...پاکستان)
مستند انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی (مدینہ منورہ) و قاضی انسٹیٹیوٹ (حکومتِ پاکستان)
شیخ الجامعہ واستاذِ حدیث وفقہ دار العلوم عبیدیہ قدیر آباد۔ ملتان
قانونی وفقہی مشیر وفاقی شرعی عدالت لاہور ہائیکورٹ و سپریم کورٹ (اسلام آباد)
ممبر صوبائی امن کمیٹی واتحاد بین المسلمین سیکرٹریٹ حکومت پنجاب۔
اسلامی عدالت کا قیام و آغاز
اہالیانِ پاکستان اپنے باہمی خانگی، وراثتی، فیملی، اور تجارتی اُلجھے ہوئے مسائل نیز باہمی رنجشوں سے پیدا شدہ اختلافی اُمور کو قرآن و سنت کی رہنمائی میں حضرات فقہاء کرام، محدثینِ عظام اور ساداتِ مشائخ ذی وقار کے بیان کردہ قوانین وضوابط کی روشنی میں محبت و آشتی سے سلجھانے اور اتحاد و اتفاق سے رفع کرنے کے لئے "اسلامی مرکزِ عدل" میں تشریف لائیں جس کا اجراء اہلسنت والجماعت کے قدیمی موروثی مرکزِ فتویٰ اور اہلِ چشت صاحبانِ بہشت بہشت کے تاریخی و مثالی منبع رشد و ہدایت "دار العلوم عبیدیہ" (خاصے والے مشائخ) قدیر آباد سول ہسپتال ملتان میں ہو چکا ہے۔
آپ کے منتظر: متوسلین خانقاہِ معلیٰ چشتیہ نظامیہ عبیدیہ و تلامذہ دار العلوم عبیدیہ قدیر آباد ملتان (پاکستان) فون نمبر: 061-511871/541810

کتاب الوضوء

١- باب قرأة القرآن بعد الحدث

٢- باب من لم یتوضأ الا من الغشی

٣- باب استعمال فضل وضوء الناس

باب قراءة القرآن بعد الحدث

1۔ حاصل مطالعہ:۔۔

امام بخاری نے ایک طرح کے مسائل کی تفہیم کے لئے ایک ترجمہ الباب "کتاب الوضوء" میں صفحہ نمبر تیس (۳۰) پر

"باب قراءہ القرآن بعد الحدث وغیرہ"

اور دوسرا "کتاب الحیض" میں صفحہ نمبر ۴۴ پر

"باب تقضی الحائض المناسک" سے قائم فرمایا ہے۔۔ ان دونوں تراجم ابواب اور ان کے ضمن میں روایت شدہ آثار اور احادیث سے امام بخاری کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

اس کی وضاحت چند لائنوں بعد مرقوم ہے۔

2۔ دونوں تراجم و آثار کا ترجمہ:۔

(۱) امام منصور بن المعتمر نے امام ابراہیم نخعی سے یہ (فتوی) نقل کیا ہے =۔ کہ حمام کے اندر قرآن مجید کی تلاوت اور بغیر وضوء خط لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲) امام حماد بن ابی سلیمان امام ابراہیم نخعی کا یہ قول بیان فرمایا کرتے تھے =۔ کہ اگر حمام میں نہانے والوں کے جسم تہ بند میں ملبوس ہوں تو ان کو سلام کیا جاسکتا ہے ورنہ ان کو سلام مت کرو (کیونکہ ایسی حالت میں ان کا "و علیکم السلام" کہنا نادرست ہے)

(۳) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام حضرت کریب رضی اللہ عنہ کو بتلایا کہ انہوں نے ام المؤمنین سیدہ میمونہؓ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور میری خالہ ہیں کے ہاں ایک رات قیام کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں تکیہ کے چوران میں لیٹا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہلیہ محترمہ تکیہ کی لمبائی پر سر رکھتے ہوئے لیٹ گئے حضور اکرم نے آرام فرمایا جب آدھی رات گذری کچھ پہلے یا کچھ بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھتے ہی اپنا (مبارک) ہاتھ چہرہ انور پر پھیرا اور سورہ آل عمران کی

آخری دس آیات (ان فی خلق السموات سے آخر سورت تک) تلاوت فرمائیں۔
اس کے بعد آپ ﷺ حجرۂ مقدسہ میں ایک لٹکے ہوئے مشکیزے کی جانب تشریف لائے نہایت عمدہ وضوء فرمایا اور آپ کھڑے ہوکر نوافل تہجد پڑھنے لگے۔
سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بھی نیند سے بیدار ہوا میں نے ویسے ہی کیا جس طرح آنحضرت ﷺ نے مجھ سے قبل یہ اعمال کیے تھے قیام صلوہ کے لئے میں حضور انور ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا آنحضرت ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا میرے دائیں کان کو پکڑتے ہوئے آپ ﷺ نے اسے مروڑا (اس طرح آپ مجھے اپنے دائیں جانب لے آئے)۔
حضور اکرم ﷺ نے دو رکعتیں پھر دو رکعتیں پھر دو رکعتیں پھر دو رکعتیں پھر دو رکعتیں پھر دو رکعتیں بمعہ وتر کے پڑھیں اس کے بعد آپ ﷺ لیٹ گئے پھر حضرت موذن تشریف لائے آپ ﷺ بیدار ہوئے نماز فجر کی دو سنتیں نہایت اختصار سے پڑھیں اور اس کے بعد آپ ﷺ حجرہ مقدسہ سے مسجد نبوی میں تشریف لائے اور نماز فجر کی امامت فرمائی۔ (صفحہ نمبر ۳۰)۔
(۴) امام ابراہیم نخعی نے فرمایا :۔ حیض والی عورت آیت قرآنی پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ (صفحہ نمبر ۴۴)
(۵) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ جنبی کے لئے قرآن مجید پڑھنے میں کراہت محسوس نہیں فرماتے تھے۔
(۶) سرکار دو عالم ﷺ ہر آن ذکر الہی میں (رطب السان) رہتے تھے۔
(۷) سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :۔ ہمیں حکم ملا تھا کہ ہم حائضہ عورتوں کو (اپنے ہمراہ) عید گاہ کی طرف لے جائیں تاکہ وہ دوسرے اہل اسلام کی طرح تکبیرات عید بھی کہیں اور دعا میں آمین بھی۔
(۸) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بیان کی کہ انہیں جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ (روم کے بادشاہ) ہرقل نے آنحضرت ﷺ کے مکتوب گرامی کو طلب کیا، پڑھا اس میں یہ آیت موجود تھی

(بسم اللہ الرحمان الرحیم - یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمہ ..... بانا مسلمون)

(۹) امام عطاء نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ اثر نقل کیا ہے =۔ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بحالت حیض حج کے مکمل مناسک ادا فرمائے ماسوا طواف بیت اللہ اور اقامتہ صلوہ کے۔

(۱۰) محترم حکم رضی اللہ عنہ بن عتیبہ نے فرمایا=۔ میں بحالت جنابت (بسم اللہ اللہ اکبر۔ پڑھ کر) جانور ذبح کرتا ہوں کیونکہ فرمان الہی ہے

(و لاتاکلوا ممالم ینکر اسم اللہ علیہ)

(۱۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں =۔ ہم اہل اسلام رسول اللہ کی قیادت میں (مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی جانب) روانہ ہوئے ہم سب کی نیت صرف اداء حج ہی کی تھی۔ جب ہم مقام "سرف" میں پہنچے۔ میں حائضہ ہوگئی میں رو رہی تھی کہ حضور انور ﷺ میرے خیمہ میں تشریف لائے پوچھا =۔ عائشہ رضی اللہ عنہا! کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کی =۔ کاش! میں اس سال حج کے لئے سفر نہ کرتی۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا =۔ کیا تو حائضہ ہوگئی ہے؟ میں نے عرض کی =۔ جی ہاں

آپ ﷺ نے فرمایا =۔ یہ ایک نظام فطرت ہے جسے اللہ تعالی نے تمام بنات آدم کے لئے متعین فرمادیا ہے۔ آپ مناسک حج ادا کرتی رہیں جیسا کہ دیگر حجاج ادا کررہے ہیں اس کے ماسوا آپ نے بیت اللہ کا طواف ادا نہیں کرنا جب تک کہ آپ پاک صاف نہ ہوجائیں (اس طواف کی ادائیگی بعد میں قضاء ہوگی)

3۔ تراجم و آثار کا منشا:۔۔

اکثر محدثین کے ہاں: ان دونوں تراجم ابواب، آثار اور احادیث الباب سے امام بخاری امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ایک قول کی تائید فرمانا چاہتے ہیں جس کی رو سے: حیض و نفاس والی عورت اور جنابت والا شخص قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے نیز بے وضوء شخص قرآن مجید کے اوراق کو ہاتھ بھی لگا سکتا ہے اور لکھ بھی سکتا ہے۔

(اس کی تفصیل مسالک ائمہ رحمۃ اللہ علیہ کے عنوان کے ضمن میں آرہی ہے)

4 - قراہ قرآن میں مسالک ائمہ:۔

یہ مسئلہ اجماعی ہے: کہ بے وضوء شخص زبانی جتنی مقدار میں آیات قرآنیہ پڑھنا چاہے پڑھ سکتا

ہے اس میں کوئی قباحت نہیں

جنبی مرد و زن اور حیض و نفاس والی عورت کیا قرآنی آیات کی تلاوت کرسکتی ہے یا نہیں ؟

اگر قرآنی آیات پڑھ سکتی ہے تو کتنی مقدار میں ؟

اس کی تفصیل درج ذیل ہے ۔

۱۔ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، اکثر سادات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور جمہور فقہاء و محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں : بحالت جنابت، حیض اور نفاس قرآن مجید کی تلاوت حرام ہے ۔ ہاں ایک آیت سے کم بطور تعلیم و تحفظ قرآن یا دو (۲) چار (۴) قرآنی آیات برائے دعا، وظائف یا تبلیغ بصورت مجبوری جائز ہے ۔

۲۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بعض محدثین کے نزدیک : کسی حالت میں بھی آیات قرآنیہ کی تلاوت درست نہیں ۔

۳۔ امام ابراہیم نخعی، امام بخاری اور علامہ ابن حزم ظاہری کی رائے میں : قرآنی آیات کی تلاوت بلا کراہت جائز ہے ۔

(آج ملت اسلامیہ کا کوئی عالم اور فرد اس رائے پر عمل پیرا نہیں)

5 ۔ مس و کتابت قرآن میں مسالک :۔

۱۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور اہل علم کے نزدیک : بے وضوء شخص قرآنی اوراق کو نہ ہی ہاتھ لگاسکتا ہے اور نہ ہی قرآنی آیات کو لکھ سکتا ہے ۔

امام مالک، امام بخاری اور بعض محدثین کے ہاں : یہ دونوں امور بے وضوء شخص کے لئے بلا کراہت جائز ہیں ۔

6 ۔ ترجمہ الباب میں غیرہ کا مقصود :۔۔

"بعد الحدث وغیرہ" کی ضمیر غائب میں تین احتمالات ہیں

(ا) "غیرہ" کا مرجع "الحدث ہے" ہے اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا :۔ کہ حدث اور غیر حدث کے بعد قرائت قرآن درست ہے ۔ اب غیر حدث میں پھر تین (۳) احتمالات ہیں

۱۔ "حدث اصغر" سے بے وضوئی اور "غیر حدث" سے حدث اکبر یعنی حالت جنابت، حیض اور نفاس مراد ہے۔

اس احتمال کے تناظر میں ترجمہ الباب کا معنی ہوگا کہ قرآن مجید کی تلاوت بحالت بے وضوئی بھی درست ہے اور بحالت جنابت بھی

(۲) غیر حدث سے مقام حدث (ناپاک جگہ) مراد ہے جیسے حمام وغسل خانہ وغیرہ۔ تو حاصل کلام یہ کہ تلاوت قرآن مجید پاک و صاف جگہ میں بھی جائز ہے اور ناپاک و عمومی مقامات میں بھی۔

(۳) احقر کے نزدیک غیر حدث سے طہارت مراد ہے یعنی قرائت قرآن باوضوء (باطہارت) بھی جائز ہے اور بے وضوء (حالت حدث میں) بھی درست ہے

(مزید تفصیل "محدثانہ توجیہات" کے ضمن میں ملاحظہ ہو)

۲۔ "غیرہ" کا مرجع "قرآن" ہے تو بے وضوء ہونے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت بھی درست ہے اور غیر قرآن یعنی اوراد اور وظائف کی قرائت بھی جائز ہے

۳۔ "غیرہ" کا مرجع قراءت ہے تو اس صورت میں ترجمہ الباب کا حاصل یہ ہوگا کہ بے وضوء ہوجانے کے بعد قرآن مجید کی قرائت بھی ہوسکتی ہے اور غیر قرائت یعنی قرآن مجید کو لکھنا، ہاتھ لگانا بھی جائز ہے۔

گویا امام بخاری اس ایک ترجمہ الباب کے ضمن میں تین (۳) مسائل بیان فرما رہے ہیں

۱۔ قراءت قرآن اور غیر قرآن یعنی اوراد و وظائف کے پڑھنے کا حکم۔

۲۔ مس قرآن (ہاتھ لگانے) کا حکم۔

۳۔ کتابت قرآن کا حکم۔

ان تینوں مسائل میں حضرات ائمہ اربعہ کے مسالک اور امام بخاری کی رائے پہلے (مسالک ائمہ کے عنوان کے ضمن میں) تحریر ہوچکی ہے۔

6۔ دلائل جمہور و احناف۔۔

۱۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے **لا يحجزه عن قرائة القرآن شيئ الا الجنابه** (صحیح حاکم، ابن حبان)

اس روایت مبارکہ کو امام نسائی ر امام ابوداؤد ر امام ابن ماجہ اور دیگر تمام محدثین نے

لم یکن یحجزہ من القرآن شیی لیس الجنابہ (الحدیث)

کے کلمات سے نقل کیا ہے۔ یہ روایت سندا صحیح ہے۔ معنی و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح

(۲) فرمان مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۔ **عن علی قال کان النبی یقرئناالقرآن مالم یکن جنبا** (جامع ترمذی)

امام ترمذی نے اس روایت مبارکہ کو "حسن صحیح" فرمایا ہے۔

نیز اس روایت کو امام احمد اور بہت سے محدثین نے تخریج فرمایا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

ان دونوں احادیث مقدسہ کا ماحصل بالکل واضح ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ بحالت جنابت نہ ہی خود قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے اور نہ ہی ہمیں قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت مرحمت فرماتے

اس کی تائید سیدنا ابوموسی اشعری کی اس مبارک حدیث سے بھی ہوتی ہے

عن ابی موسی قال النبی یا علی! لاتقرء القرآن و انت جنب (دار قطنی)

یہی مسلک جمہور ہے اور یہی حضرات اہلسنت کا مسلک

(۳) سیدنا عبداللہ بن عمر کا فرمان ہے **لاتقرا الحائض و لا الجنب شیئا من القرآن** (جامع ترمذی)

(۴) **عن جابر انہ قال لایقرء الحائض و لا الجنب و لا النفساء من القرآن شیئا** (دار قطنی و بیہقی)

7۔ مس و کتابت قرآن میں دلائل احناف:۔۔

۱۔ آیت قرآن۔ لا یمسہ الا المطھرون (الآیۃ)

کہ صرف باطہارت لوگ ہی قرآن حکیم کو ہاتھوں میں تھام سکتے ہیں

مذکورہ آیت کے معنی یہی ہیں یا کچھ اور؟

اس کی رھنمائی درج ذیل روایات سے ہوتی ہے

(۱) حضرت سلمان فارسی سے منقول ہے " آپ نے اپنے تلامذہ کے سامنے یہی آیت پڑھی پھر قرآن مجید کو ہاتھوں میں تھامے بغیر زبانی تلاوت فرمانے لگے کیونکہ آپ باوضوء نہ تھے جب وضوء فرمالیا پھر قرآن مجید کو ھاتھوں میں لیا اور بازیارت تلاوت فرمائی " (دار قطنی)

(۲) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بن مالک بیان فرماتے ہیں "کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قبل از اسلام اپنی ہمشیرہ کو فرمایا کہ مجھے وہ اوراق دیکھاؤ جو تم میری آمد سے پہلے تلاوت کررہے تھے ' ہمشیرہ نے جواب دیا کہ جس کی کتاب ہے اس کا فرمان ہے

لایمسہ الا المطھرون ( )

چنانچہ حضرت عمر نے وضوء کیا ان اوراق کو چوما پھر پڑھا (بیہقی)

(۳) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے اپنے تلامذہ کو اس بات سے روکا کہ وہ بے وضوء قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگایا کریں (احکام القرآن)

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو مس مصحف کے لئے وضوء کا حکم فرمایا (ابن حبان)

(۲) حدیث الباب - **قال رسول اللہ لایمس القرآن الا طاہر** (جامع ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم نامہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن حزم کو بذریعہ خط ارسال فرمایا کہ صرف طاہر آدمی ہی قرآن مجید کو چھوئے

ایسے ہی کتابت قرآن کے لئے طہارت شرط ہے کیونکہ جن اوراق پر کاتب قرآنی آیات لکھتا چلاجائے گا وہی اوراق مصحف قرآن بنتے چلے جائیں گے - یقیناً اوراق مصحف کو بغیر وضوء ہاتھ لگانا مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں نادرست ہے -

8- حدیث و آثار کا ماحصل اور توجیہات :- -

۱- امام ابراہیم نخعی کا فرمان : کہ حمام میں قرائت قرآن کی اجازت ہے
سادات محدثین کے ہاں نہایت مبہم ہونے کے سبب ناقابل استدلال ہے کیونکہ
قرائت قرآن غسل کے بعد ہے یا غسل سے پہلے ؟
نیز یہ قرائت بطور دعا ہے - یا بطور ثواب ؟

یہ قرائت با آواز بلند کر سکتا ہے یا صرف قلبی و لسانی ؟
کتنی مقدار تک جائز ہے ؟

بہرحال حضرت امام کا یہ فرمان سادات ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین کے مسلک کے منافی ہونے کے سبب قابل حجت نہیں - علامہ قاضی خان حنفی اور علامہ ابن تیمیہ حنبلی کے ہاں " حمام، غسل خانہ اور ہر مقام نجاست میں قرائت قرآن بالاجماع مکروہ ہے -

امام بخاری اس اثر سے اگر بحالت جنابت موضع نجاست میں قرائت قرآن کو جائز سمجھتے ہیں (جیسا کہ اہل ظواھر و غیر مقلدین نے سمجھا ہے) تو یہ ان کا ایک ایسا فقیہانہ تفرد ہے جس کا چودہ (۱۴) صدیوں میں نہ ہی کوئی محدث قائل ہے اور نہ ہی کوئی فقیہ - ماسوا علامہ ابن حزم ظاہری کے جن کی نقاہت تاحال غیر معمول بہ بھی ہے اور محققین فن کے ہاں ناقابل عمل بھی - علماء لاسلف بھی اس مسئلہ میں علامہ ابن حزم ظاہری کا ساتھ چھوڑ گئے ہیں - اور ان کے اس تفرد کو ناقابل عمل سمجھتے ہیں

(۲) امام ابراہیم نخعی کا یہ فرمان "کہ اہل حمام اگر شرعی لباس میں ہوں تو سلام کیا جائے ورنہ نہیں" اہلسنّت کے مسلک کے عین مطابق ہے اور یہی سادات حنفیہ کا موقف ہے -

احقر کے نزدیک :- کلمات تسلیم و تہنیت کے ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جنبی اور شرم و حیا سے عاری لوگوں کو ایسے مسنون کلمات سے محروم رکھا جائے -

بحیثیت طالب علم احقر یہ سمجھتا ہے کہ جب امام ابراہیم نخعی غیر شرعی لباس میں ملبوس لوگوں کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ انہیں رحمت و سلامتی کی دعا دی جائے - تو یقیناً حضرت امام نخعی حمام میں بیٹھنے والے جنبی افراد کو بھی اس لائق نہیں جانتے ہوں گے کہ وہ بحالت جنابت کائنات کی سب سے متبرک اور مقدس کتاب کی تلاوت کر سکیں جسکے آداب تلاوت کو ملحوظ رکھنا ہر کلمہ گو پر لازم ہے - لہٰذا امام نخعی کے مذکورہ فرمان کے بعد بحالت جنابت قرائت قرآن کے جواز کا قول اختیار کرنا یقیناً نادرست ہے -

(۳) سیدنا عبداللہ بن عباس کے فرمان "کہ میں نے حضور انور کی تقلید میں وضوء بنانے سے قبل قرآنی آیات کی تلاوت کی تھی" سے ترجمہ الباب اور مسلک امت مسلمہ ہی ثابت ہو رہا ہے "کہ بے وضوء شخص قرآن مجید کی زبانی تلاوت کر سکتا ہے" -

9 - محدثانہ توجیہ اور میں :--

احقر کے نزدیک ترجمہ الباب میں غیرہ کی ضمیر کا مرجع "الحدث" ہے - یعنی قرآن مجید کی زبانی تلاوت بحالت حدث بھی جائز ہے اور بحالت غیر حدث بھی اور غیرحدث سے "طہارت" مراد ہے -
ترجمہ الباب کا مفہوم یہ ہوگا" کہ جس طرح باوضوء شخص قرآن مجید کی تلاوت کرکے اجر پاتا ہے اسی طرح بے وضوء شخص بھی اگر قرآن مجید کی زبانی تلاوت کرے تو اجر پائے گا -
اس توجیہ و معنی کے لحاظ سے ترجمہ الباب اور حدیث الباب میں مکمل مناسبت رہے گی - وہ یوں "کہ حدیث الباب میں ہے کہ حضور انور ﷺ اور سیدنا ابن عباس نے سورہ آل عمران کی آخری دس (۱۰) آیات کو تلاوت فرمایا - "

تو واقعہ مذکورہ میں حضور اکرم ﷺ کا ان آیات کو تلاوت فرمانا بحالت غیر حدث یعنی باطہارت ہے اور سیدنا ابن عباس کا انہی آیات کو پڑھنا بحالت حدث ہے - کیونکہ بالاجماع نوم سادات انبیاء ناقض وضوء نہیں اور امتی کی نیند ناقض وضوء ہے -

لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے غیر حدث میں (باوضوء ہوتے ہوئے) قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اور سیدنا ابن عباس نے بحالت حدث -

اس طالب علمانہ توجیہ سے کئی اشکالات بحمداللہ رفع ہوجائیں گے =

(۱) حالت جنابت غیر حدث نہیں کیونکہ بالاجماع جنابت "حدث اکبر" ہے - تو غیر حدث سے "جنابت" مراد لینا لغوی و اصطلاحی معنی کے منافی ہے -

(۲) امام نخعی اور امام بخاری کی رائے مسلک اہلسنّت کے منافی نہیں رہے گی - نیز ان دونوں ائمۂ ھدی پر تفرد کا سوء ظن بھی باقی نہیں رہے گا -

(۳) حدیث و آثار الباب اور ترجمہ الباب میں مناسبت پیدا کرنے کے لئے جن تکلفات کا بوجھ اٹھایا گیا ہے ان سے یقیناً رہائی مل جائے گی -

10- ص ۴۴ کے آثار کی توضیح:-

(۱) امام ابراہیم نخعی کے فرمان کا ماحصل پہلے تحریر ہو چکا ہے۔

(۲) سیدنا عبداللہ بن عباس کا اثر حضرات محدثین کے ہاں روز مرہ کے اوراد و وظائف کو حسب معمول جاری رکھنے کے بارے میں ہے۔ جو حضرات مشائخ اہلسنت رحمہم اللہ کے مسلک احق کے عین موافق ہے۔

(۳) حضور انور ﷺ ہر دم ذاکر و شاغل رہتے۔ اسی آپ کی عادت مطہرہ کا یہاں بیان ہے۔ بحالت جنابت آپ ﷺ قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے تھے یا نہیں؟ اس کا جواب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے "الا الجنابہ" (جامع ترمذی) جو دلائل جمہور میں مرقوم ہے۔

(۴) عید کے دن حائضہ عورتوں کا دعاء اور تکبیرات تشریق میں شریک ہونا تمام سادات فقہاء کا مسلک ہے اور یہی حدیث الباب کا حاصل ہے۔ بعض محدثین کے ہاں "حائضہ" سے "بالغہ عورتیں" مراد ہیں یعنی آپ کے نورانی دور میں بڑی عمر کی مستورات نماز عید میں شامل ہوا کرتی تھیں۔ نابالغہ بچیاں نہیں۔

(۵) ہرقل کے خط میں آیت قرآنیہ دعوت و تبلیغ کے لئے تھی اور برائے دعوت و تبلیغ آیات کا لکھنا اور پڑھنا سادات احناف کے ہاں بمطابق حدیث الباب نہ صرف جائز ہے بلکہ مسنون ہے۔ نیز غیر مسلم برادری فروعی مسائل کی مکلف ہی نہیں۔

(۶) مناسک حج میں حائضہ و جنبی کے لئے بالاجماع رخصت ہے کہ وہ ماثور دعائیں پڑھ سکتا ہے جیساکہ اثر مذکور سے ثابت ہے۔

(۷) ذبح کے وقت **بسم اللہ اللہ اکبر** پڑھنا ہر مسلمان پر لازم ہے خواہ بحالت جنابت ہو یا بہ کیفیت طہارت۔ سیدنا حکم اسی اصولی ضابطہ پر عمل پیرا ہوئے۔ لہٰذا اشکال باقی نہ رہا۔

دلائل بالا سے اگر کوئی ظاہر بین عالم یہ سمجھے کہ ان تمام آثار سے امام بخاری بحالت جنابت حیض اور نفاس تلاوت قرآن مجید کی اجازت مرحمت فرما رہے ہیں۔ تو ان آثار کا اجتماعی جواب یہ ہوگا کہ ان آثار میں اذکار، ادعیہ اور تکبیرات کا ذکر ہے۔ جن کی تلاوت بحالت جنابت، حیض اور نفاس درست ہے لہٰذا اشکال باقی نہ رہا۔

اور اگر یہی ظاہر بین متعنت عالم اس غلطی پر مصر ہو کہ نہیں ان آثار سے قرآن مجید کی تلاوت کا جواز معلوم ہوتا ہے ۔ تو پھر علماء اہلسنّت کا جواب یہ ہوگا کہ احادیث مرفوعہ ر صریحہ ر کثیرہ سے تعارض کے سبب یہ آثار ناقابل حجت ہیں ۔ اور شرعی آئین و قانون کی رو سے لائق توجیہ اور قابل تاویل ہیں ۔

اگر اپنے اس دعوی کے اثبات کے لئے کوئی حدیث مرفوع موجود ہے تو بیان کرو ورنہ وہی مسلک اختیار کرنا ہوگا جو حضرات احناف "کثر اللہ سوادھم" کا ہے ۔

۱۱ فائدہ :۔ علامہ محقق ابن الھمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کہ مسئلہ الباب ایک اصول پر متفرع ہے وہ یہ کہ حدث خواہ اصغر ہو یا اکبر" ۔ بدن انسانی میں جہاں جہاں تک اس کے اثرات پہنچتے ہیں ۔ ان اثرات زدہ اعضاء کو تلاوت ر مس اور کتابت قرآن کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ۔

آنکھوں میں نہ ہی حدث اصغر کے اثرات پہنچتے ہیں اور نہ ہی حدث اکبر کے اس لئے آنکھوں کا دھونا نہ ہی وضوء میں فرض ہے اور نہ ہی غسل میں ۔ لہٰذا قرآن مجید کی زیارت دونوں صورتوں میں جائز ہے ۔

زبان میں حدث اصغر سرایت نہیں کرتی ۔ حدث اکبر موثر ہے ۔ کیونکہ غسل میں مضمضہ (کلی کرنا) فرض ہے اور وضوء میں نہیں ۔ اس لئے حدث اصغر میں قرائت قرآن جائز ہے اور حدث اکبر میں ناجائز ۔

ہاتھ میں دونوں احداث کے اثرات پہنچتے ہیں کیونکہ بوقت وضوء اور غسل ہاتھ کا دھونا فرض ہے اس لئے مس قرآن دونوں حالتوں میں ناجائز ہوگا ۔ اور کتابت قرآن مس کے تابع ہے ۔

باب من لم یتوضاء الا من الغشی

(1)۔ حدیث الباب کا ترجمہ۔

سیدہ اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جس دن سورج گرہن ہوا میں حضور اکرم ﷺ کی اہلیہ سیدہ عائشہؓ کے حجرہ میں آئی۔ تمام اہلِ اسلام بشمول سیدہ عائشہؓ حضورانور ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے۔ میں نے سوال کیا کہ یہ کونسی نماز ہے؟ سیدہ عائشہؓ نے آسمان کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے سمجھادیا کہ یہ نماز "نماز خسوف" ہے۔ (جو سورج گرہن کے وقت اداء کی جاتی ہے) نیز فرمایا **سبحان اللہ**۔

میں نے دوسرا سوال کیا یہ کوئی خوف کی علامت ہے؟ سیدہ عائشہؓ نے سر مبارک کو حرکت دیتے ہوئے فرمایا! ہاں۔ اس کے بعد میں نے بھی نماز کی نیت باندھ لی۔ اور مجھ پر جب سستی چھانے لگی تو میں نے اپنے سر پر معمولی سا پانی ڈالا۔ (تاکہ میری سستی زائل ہو اور میں ہمت کے ساتھ نماز خسوف پڑھ سکوں) جیسے ہی رسول اللہ ﷺ نے نماز مکمل کی خطبے کا آغاز۔ اللہ کی حمد سے فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ہر وہ بقیہ تخلیق جس کو میں آج تک نہ دیکھ سکا تھا بیشک ابھی میں نے یہیں بحالتِ رکوع ان تمام کو دیکھ لیا ہے۔ حتی کہ جنت کی ہر نعمت اور جہنم کی ہر تکلیف کو (میں نے دیکھ لیا ہے)۔

مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ قبروں میں تم (اولاد آدم) سے بہت ہی اہم بنیادی سوال ہوگا۔ وہ یوں کہ فرشتے تمہارے پاس آئیں گے۔ پوچھا جائے گا۔ کہ اس انسان کامل کے بارے میں تمہاری معلومات کیا ہیں؟ اہل ایمان اور اہلِ یقین جواب دیں گے۔ یہ **محمد رسول اللہ** ہیں۔ جو انسانیت کیلئے بہتیرے معجزات اور ہدایت کے کئی اصول لے کر تشریف لائے ہیں۔ آپ مرکز ہدایت ہیں۔ ہم نے آنحضرت کی تمام تعلیمات کو مانا۔ رسولِ کامل تسلیم کیا۔ اور آپ کے ہر حکم کی پیروی کی۔

ملا ئکہ کی طرف سے جواب ملے گا اب آپ لوگ مکمل راحت و آرام سے سو جائیں۔ ہمیں یقین تھا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں۔ اور اہلِ ایمان میں سے ہیں۔

ایسے ہی یہی سوال منافق اور متردد شخص سے ہوگا۔ جواب دے گا کہ میں آنحضرت ﷺ کو نہیں جانتا۔ اور نہ ہی ان کے حقیقی مقام کو پہچانتا ہوں۔ البتہ لوگوں کے زبانی میں ان کے بارے میں سنا کرتا تھا۔ اور جو کچھ سنتا تھا ویسے ہی زبان سے کہہ دیا کرتا تھا۔

(2)۔ ترجمۃ الباب کا حاصل ۔۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے ان چند علماء (اہل ظواہر) کے اس شاذ قول کو مسترد فرما رہے ہیں جن کے ہاں ہر طرح کی غشی ناقض وضوء ہے ۔ نیز حضرت امام اس ترجمہ سے ساداتِ ائمہ اربعہ اور جملہ فقہاء اہل سنت ﷺ کے مسلک کی تائید فرما رہے ہیں جن کے نزدیک جنون ر اغماء (بے ہوشی) دہش (مدہوشی) سکر (نشہ) اور ہر وہ کیفیت جس سے انسانی عقل ارادہ اور ادراک سے محروم ہو جائے نیز اس میں ہوش و حواس مختل ہو جائیں وہ ناقض وضوء ہے ۔ البتہ ان کیفیات کے ابتدائی لمحات بے چینی ر گھبراہٹ اور سستی وغیرہ ناقض وضوء نہیں ۔

(3)۔ کلمات حدیث کی وضاحت:۔

(1)۔ **خسفت الشمس**۔ یہ واقعہ سن 9 ہجری میں اس دن پیش آیا جس دن حضور انور ﷺ کے فرزند ارجمند سیدنا ابراہیم نے وفات پائی ۔ نظامِ شمسی میں واقع ہونے والی اس تبدیلی کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ نے نماز کسوف کی امامت فرمائی اور نماز کسوف کے بعد شانِ رسالت اور احوالِ برزخ پر خطبہ عطا فرمایا۔

2۔ **فاشارت بیدھا**۔ کسی سائل کے سوال کے جواب میں نمازی کا نماز پڑھتے ہوئے انگلی سے اشارہ کرنا سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے اس عمل سے جائز قرار پایا۔ اور ایسے خفیف اعمال بلا کراہت نماز میں جائز ہیں ۔ کیونکہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا یہ عمل حدیث مرفوع تقریری سے ثابت ہے۔ وہ یوں

"کہ امت مسلمہ کے ہر فقیہ و محدث کا اس حقیقت پر اجماع ہے کہ حضورِ انور ﷺ جس طرح اپنے سامنے والی تمام اشیاء کا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح شش جہات یعنی دائیں ر بائیں ر اوپر ر نیچے ر آگے اور پیچھے تمام اطراف میں رونما ہونے والے واقعات و کیفیات کا مشاہدہ بھی فرماتے رہتے تھے ۔ جیسا کہ صحیح بخاری کے اس جملہ سے واضح ہے ۔ **انی لاراکم من وراء ظھری**

یقیناً سیدہ عائشہؓ کے اس عمل کو دورانِ امامت حضور انور ﷺ دیکھ رہے تھے۔ اور آپ کا نماز مکمل فرمانے کے بعد اس عمل کا تذکرہ نہ کرنا اور اس کی اصلاح نہ فرمانا یقیناً اس حقیقت کی طرف مشیر ہے کہ معمولی البتہ مفید اشارات نماز میں بلا کراہت جائز ہیں ۔

3۔ **قالت سبحان اللہ**۔ نمازی کا دوران نماز کسی بیرونی فرد کو اپنی جانب متوجہ کرنے کیلئے **سبحان**

اللہ یا اللہ اکبر کہنا یا غیر نمازی کو کسی ناروا عمل سے باز رکھنے کیلئے ایسے کلمات کہہ دینا نماز میں بلا کراہت جائز ہیں۔ اور ایسی صدا مفسدِ صلاہ نہیں۔

(4)۔ **تجلانی الغشی۔** علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ سیدہ اسماءؓ پر جب معمولی سی غفلت کا غلبہ ہونے لگا تو انہوں نے اپنے نزدیک پڑے ہوئے پانی کو کئی مرتبہ اپنے سر پر ڈال کر اپنی سستی کو زائل کیا۔ اور اس طرح اپنی نماز جاری رکھی۔ سیدہ اسماء کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ دوران نوافل خفیف قسم کی غشی ناقض وضوء نہیں۔ نیز حضور انور اپنی شان رویت و ادراک کے مطابق چونکہ اس کیفیت کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اس لئے حدیثِ مرفوع تقریری سے ثابت ہوا کہ غشی خفیف ناقض وضوء نہیں۔

(5)۔ **فحمداللہ۔** امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کسوف کے بعد خطبہ نماز مسنون ہے۔ جبکہ حضرت امام اعظم کے ہاں امام نماز کو اختیار ہے کہ اگر مناسب جانے تو خطبہ دے ورنہ اسے ترک کردے۔ یہ امام نماز کا اپنا صوابدیدی اختیار ہے چاہے تو موقع و محل کی مناسبت سے خطیبانہ گفتگو فرمائے اور چاہے تو صرف نماز اور دعا پر اکتفا کرے۔

(6)۔ **ما من شیئی۔** لفظ شی نکرہ ہے جو کلمہ نفی کے بعد مذکور ہے۔ اور قانون نحوی کے مطابق اس جملہ میں معنی و مفہوم کے اعتبار سے بہت ہی وسعت اور عموم ہے۔ حضرات محدثین فرماتے ہیں۔ کہ حدیث الباب کا مذکورہ جملہ حضور انور ﷺ کی شانِ وسعتِ علم پر نص ہے۔ اور یہی جملہ متقدمین و متاخرین علماء اور مشائخ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا ترجمان ہے۔ (مزید تفصیل کیلئے حضرت مولف موصوف کا رسالہ میرے نبی کا علم مطالعہ فرمائیں)

(7)۔ **ما علمک بھذا الرجل۔** یہ امر اجماعی ہے کہ مذکورہ سوال اور یہ اشارہ حضور اکرم ﷺ ہی کی ذات گرامی کی جانب ہے۔ کیونکہ بعض روایات میں اسم محمد ﷺ کی تصریح ہے۔ جیسے **ما علمک بمحمد** اور **ما علمک الذی بعث فیکم**

چونکہ مقامِ امتحان ہے۔ اس لئے نام نامی کی بجائے کلمہ ہذا الرجل سے اشارہ کیا گیا ہے۔ نیز حضور اکرم ﷺ کے مقامِ رفیع کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو **ہذا الرجل** کے پر کیف اور باعظمت کلمہ سے یاد کیا جائے۔

حدیث الباب میں کلمہ ہذا موجود ہے جو اسم اشارہ قریب اور کسی محسوس و مبصر حقیقت (جو نگاہوں کے سامنے موجود اور حاضر ہو) کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اب حضور انور ﷺ وہاں کیسے تشریف فرما ہونگے؟

جبکہ آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں آرام فرما رہے ہیں۔ نیز ایک ہی وقت میں کئی لوگ زیر زمین منتقل ہو رہے ہیں۔ظاہراً اس قرب اور زیارت کو سمجھنا عقل و فہم سے ممکن نہیں (جبکہ یقیناً یہ زیارت عظمیٰ حاصل ہوگی اور یہ قرب باسعادت بھی حاصل رہے گا) حضرات محققین نے اس سوال کے حل کی چار صورتیں (احادیث اور آثار مقدسہ کے تناظر میں) بیان فرمائی ہیں۔

(1)۔ حضور انور ﷺ کا تصور نبوت و رسالت ہر انسان کے نظر و فکر میں کار فرما ہے۔ اسی تصور ذہنی کی جانب ھذا الرجل سے اشارہ کیا جائے گا۔ اس کی تائید مسند احمد کی روایت **ہذا الرجل الذی بعث فیکم** سے بھی ہوتی ہے۔ نیز بعض کتب حدیث میں **من نبیکم** کے کلمات موجود ہیں۔

اسے اصطلاحِ نحو میں اشارہ معہود "فی الذہن" سے تعبیر کرتے ہیں۔

(2)۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ عالمِ برزخ میں ہر طرح کے حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا قبر میت اور حضور انور ﷺ کے روضۂ اطہر کے مابین جس قدر مسافتی حجابات ہوں گے دور کر دیئے جائیں گے۔ جس سے قبر میں داخل ہونے والا ہر انسان روضۂ اطہر کی حاضری اور آنحضرت ﷺ کے رخ انور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ جیسے چودھویں کا چاند ہوتا اپنے مستقر میں ہے لیکن ہر بینا شخص اسے دیکھ لیتا ہے۔

اس کی تائید صحیحین میں موجود سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت مبارکہ سے ہوتی ہے جس کے مطابق سوال و جواب کے بعد اس مردہ شخص اور مقامِ جنت کے مابین واقع تمام حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حدِّ نگاہ تک اس کی قبر فراخ کر دی جاتی ہے۔ اور وہ اپنے مقامِ جنت کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔

(3)۔ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی صورت مثالیہ دکھائی جائے گی۔ جیسا کہ عالم خواب میں اہل محبت محبوبِ دلنواز کی زیارت سے ہمیشہ مکرم ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی قبر میں پہنچنے والا ہر مومن اپنی ایمانی قوت سے حضور اکرم ﷺ کو پہچان لے گا۔ موجودہ ٹیلی ویژن کے نظام نے اس حقیقت کو سمجھنے میں آسانی پیدا کر دی ہے۔

(4)۔ حضراتِ عارفین رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ خود بنفسِ نفیس عاشق و محب کی قبر میں تشریف لائیں گے جیسے عالمِ دنیا میں آپ بحالتِ خواب ہمیشہ کرم فرمائی فرماتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی اپنے عاشق پر بایں کیفیت بھی کرم فرما ہوں گے۔ اسی حال کی مناسبت سے حضرتِ جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

کشتۂ عشق دارد کہ نگزاردت بدیساں

بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

باب استعمال فضل وضوء الناس

(1) حاصل مطالعہ:۔

امام بخاری ؒ نے عشق نبوت ﷺ سے سرشار ہو کر عظمت رسالت ﷺ، عقیدت صحابہ ؓ اور معجزات نبوت ﷺ کی جانب رہنمائی کرنے والی متعدد احادیث مقدسہ کو مختلف ابواب کے ضمن میں نقل فرمایا ہے۔ جن کا بنیادی منشاحقر کے نزدیک طالبان احادیث کے قلوب و اذہان کو حضور انور ﷺ کی محبت و عقیدت سے مالا مال کرنا ہے۔

اس اساسی نظریہ کے تحت امام بخاری ؒ نے **باب استعمال فضل وضوء الناس، باب صب النبی وضوئه علی المغمی علیه، باب الغسل و الوضوء فی المخضب و القدح، باب الوضوء من التور** قائم فرمائے ہیں۔ ان تمام ابواب کے ضمن میں روایت کردہ احادیث و آثار کا مطلوب شان رسالت اور عظمتِ نبوت کا بیان ہے۔

ان احادیث و آثار کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

(2) ابواب واحادیث کاترجمہ:۔

(1) سیدنا جریر بن عبداللہ ؓ نے اپنے اہل خانہ کو فرمایا کہ وہ ان کے مسواک کرنے کے بعد بقیہ بچے ہوئے پانی سے وضوء بنالیں۔

2۔ حضرت ابوجحیفہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضورِ انور ﷺ دوپہر کے وقت ہمارے ہاں تشریف لائے وضو بنانے کیلئے آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے وضو بنایا حضرات صحابہ ؓ کی کیفیتِ محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ دورانِ وضو آپ ﷺ کے جسمِ اطہر سے ٹپکنے والے پانی کے قطرات کو اپنے جسموں پر ملتے تھے۔ اور وضو سے بقیہ بچے ہوئے پانی کو حضرات صحابہ ؓ لیتے تھے۔ اور اپنے چہروں پر مل لیتے تھے۔
آپ ﷺ نے ہمارے ہاں پہلے نماز ظہر اور اسکے بعد نمازِ عصر کی دو دو رکعتوں کی امامت فرمائی آپ
کے سامنے سترہ کے لئے ایک نیزہ زمین میں لگا ہوا تھا۔

3۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری ؓ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت ﷺ نے پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ طلب فرمایا اس

میں ہاتھ اور منہ دھوئے، کلی فرمائی پھر آپ ﷺ نے مجھے اور سیدنا بلال کو فرمایا کہ اسے پی لو اور اس سے اپنے چہرے اور سینے کو سیراب کرو **(سبحان اللہ)**

4۔ سیدنا محمود بن ربیع وہ خوش بخت نوجوان ہیں کہ بچپنہ میں سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرے پر کلی فرمائی تھی اور یہ پانی ان کے علاقے میں واقع کنویں سے لیا گیا تھا۔

5۔ سیدنا عروہ بن زبیر ﷺ نے جناب مسور اور مروان کے توسط سے بیان کیا کہ جب حضور انور وضو فرمایا کرتے تھے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ جانثاری اور کمال شوق کا اظہار فرماتے ہوئے آپ کے وضو کے پانی کو لے لیتے تھے۔ یہ عین ممکن تھا کہ اگر کوئی شخص ان کے اس طلب میں رکاوٹ ڈالتا تو وہ اسے جان سے مار دیتے۔

6۔ محترم سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میری خالہ مجھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کی **یا رسول اللہ** !یہ میرا بھانجا بیمار ہے آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے میرے لئے صحت و برکت کی دعا فرمائی اس کے بعد آپ ﷺ نے وضو فرمایا میں نے آپ ﷺ کے وضو سے باقی ماندہ پانی پیا (یا جو پانی آپ نے وضو کے لئے استعمال فرمایا تھا وہی میں نے پیا) پھر میں آپ کی پشت کی جانب حاضر ہوا میں نے مہر نبوت کی زیارت کی جو آپ کے دو شانوں کے مابین دلہن کے لباس میں واقع بٹن کی مانند واضح تھی۔

6۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے میں ایسا بیمار تھا کہ بالکل بے ہوش آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو شدہ پانی میرے اوپر ڈال دیا۔ جس سے میں ہوش مند ہو کر اٹھ بیٹھا میں نے پوچھا **یا رسول اللہ** میری وراثت کن لوگوں میں تقسیم ہو گی جبکہ میں بغیر ماں باپ اور اولاد کے ہوں؟ اس پر مسائل میراث کی آیات نازل ہوئیں۔

7۔ لگن۔ پیالے۔ لکڑی اور پتھر سے بنے ہوئے برتن میں سے غسل اور وضو کرنے کا بیان۔

(8)۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز عصر کی ادائیگی کے وقت وہ افراد جن کی رہائش قریب میں تھی وضو بنانے کے لئے گھروں کی جانب چل دیئے۔ سادات صحابہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی جماعت جن کے گھر دور تھے وضو بنانے کے لئے رکے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پتھر سے بنا ہوا ایک لگن (لان) پیش کیا گیا جس میں بہت ہی معمولی پانی تھا اور لگن اتنا مختصر تھا کہ آنحضرت ﷺ اس میں مکمل اپنی ہتھیلی بھی نہ پھیلا سکتے تھے اس کے باوجود آپ ﷺ کی انگلیوں کی برکت سے اس میں اتنا زیادہ پانی آ گیا کہ تمام حضراتِ صحابہ نے اس سے وضو بنا لیا۔ ہم سامعین نے سیدنا انس ﷺ سے پوچھا کہ آپ حضراتِ صحابہ کی تعداد کتنی تھی؟

فرمانے لگے 80 سے بھی زیادہ۔

(9)۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پانی کا ایک برتن طلب فرمایا کھلے منہ والا پیالہ جس میں کچھ پانی کے قطرات تھے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا آنحضرت ﷺ نے اس میں اپنی مبارک انگلیاں داخل فرمائیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پانی کی طرف نگاہ ڈالی تو پانی آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے چشمہ کی طرح ابل رہا تھا۔ سیدنا انس فرماتے ہیں کہ میں نے تحقیق کی کہ جن افراد نے اس پانی سے وضو کیا ہے ان کی تعداد ستر (70) اور اسی (80) کے مابین تھی۔

(10)۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جناب مسور اور مروان سے نقل کیا کہ آنحضرت ﷺ جب صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حاصل کلام یہ کہ جیسے ہی حضور انور ﷺ کی مبارک لبوں پر لعاب شفاء ظاہر ہوتا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک اسے اپنی ہتھیلی میں لے کر چہرے اور بدن پر مل لیتا۔

(3) کلمات احادیث کی وضاحت:۔

(1) **فضل وضوء** اس کلمے فضل وضو کی دو تفسیریں حضرات محدثین سے منقول ہیں۔

1۔ وہ بقیہ پانی جو وضو مکمل کر لینے کے بعد وضو والے برتن میں موجود رہے۔

2۔ وہ پانی جو دورانِ وضو انسانی اعضاء سے قطرات کی صورت میں ٹپکے خواہ اسے کوئی فرد اسی وقت ہی حاصل کر لے یا اسے اپنے کسی برتن میں جمع کر کے بامقصد بنائے۔

پہلے طرح کا پانی بالاجماع طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ اس سے وضو یا غسل کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ جس کی مکمل تفصیل **باب وضو الرجل مع امراته** میں گزر چکی ہے۔

دوسرے طرح کے پانی میں امام اعظم، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ پاک تو ہے لیکن دوبارہ وضوء کے لئے قابل استعمال نہیں۔ یعنی ایسا پانی مطہر نہیں ہے۔ کہ اسے وضو بنانے کیلئے دوبارہ استعمال کیا جا سکے۔ امام مالک ر امام بخاری اور چند محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک ایسا پانی طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔

(2)۔ **فیتمسحون به** حضور انور ﷺ کے جسم اطہر سے گزر کر بندگان خدا اور خلق باری تک پہنچنے والی ہر نعمت نہ صرف طاہر و مطہر ہے بلکہ برکت ر خیر اور فضل کا سرچشمہ ہے یہی محققین اہل سنت اور عارفین اہل چشت کا مسلک و مشرب ہے۔ اور یہی مسلک و مشرب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس عاشقانہ طرز عمل سے

ثابت ہے۔ جن پر احادیث الباب دلالت کر رہی ہیں۔

حدیث الباب سے عمومی انسانوں کے ماء مستعمل پر مطہر ہونے کا حکم لگانا یقیناً نا درست ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں اس مسئلہ پر خاصی تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔

(3) **اشربا و افرغا** حضور اکرم ﷺ کے زیر استعمال آنے والا پانی یقیناً باعث شفا و برکت بھی ہے۔ اور سبب راحت و یمن بھی اسی لئے سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ جیسے عشاق نے فرمان نبوت کے تناظر میں آپ کا مستعمل پانی پیا بھی ہے۔ اور اس سے اپنے چہرے اور سینہ کو منور بھی فرمایا ہے۔

(4) **نحر** مقام ذبح کو نحر کہتے ہیں۔ ان دونوں عشاق (سیدنا اشعری رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ) کا ان حساس اور محترم اعضا پر پانی بہانے سے جس معراج محبت کا اظہار ہے۔ وہ ارباب عشق و محبت پر مخفی نہیں۔ یقیناً انسانی جسم میں نحر اور وجہ (چہرہ) سے زیادہ معزز و محترم کوئی عضو نہیں۔

(5)**هو الذی مج** امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس اندازِ کیف میں سیدنا محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ کا تعارف کرایا ہے۔ اس سے ارباب ظاہر کی تفہیم کیلئے یہ امر کافی ہے کہ صحیح بخاری یقیناً تصوف و سلوک اور عشق و عرفان کی عظیم نصابی کتاب ہے۔ جس میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تقریبا ہر حدیث مبارک کے ذریعے بد عقیدہ افراد اور اہلِ ظاہر عوام کو باطن و روحانیت کی جانب اور اہل عقل کو عشق و حسن عقیدہ کی طرف مائل کرتے ہیں۔

جب کہ علماء لاسلف نے صحیح بخاری کو فقہ کی کتاب سمجھ کر اس سے مسائل و عبادات کے اخذ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جس سے وہ افراد عشق و محبت اور حسن عقیدت سے ہی نہ صرف محروم رہے بلکہ اخذ مسائل میں بھی غلط رو چل پڑے۔

اس بارے میں حضرت مولف موصوف کی تالیف "عشق نبوت ﷺ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ" قابل مطالعہ ہے۔

(6) **کادوا یقتتلون علی وضوئه** یہ پر کیف واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے۔ جس کی تصویر کشی اس زمانے کا نمائندۂ کفر جناب عروہ بن مسعود ثقفی اپنے اہالیان کفر کے سامنے کر رہا ہے۔ جس میں وہ اس حقیقت کا اعتراف کر رہا ہے کہ نہ ہی میں نے **محمد رسول اللہ** جیسا محبوب دیکھا ہے اور نہ ہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا عشاق جس کی نظیر تاریخ انسانی میں ملنا ناممکن ہے۔ حدیث الباب ان تمام افراد کیلئے معلم محبت ہے جو اپنی عقیدت کی نسبت حضور انور ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب کرتے ہیں۔

(7) **فشربت فی وضوئه** باقی ماندہ پانی یقیناً حصول شفا کا باعث ہے۔ اس لئے سادات مشائخ عظام کے ہاں یہ سنت تاایں دم **معمول بھا** ہے۔ اور اس سے امت محمدیہ کو خاصا فائدہ بھی پہنچ رہا ہے۔ مزید وضاحت کیلئے حضرت مولف موصوف کا رسالہ" معمولات مشائخ قرآن و احادیث کے تناظر میں" قابل مطالعہ ہے۔

(8) **خاتم النبوہ** یہ مہر نبوت کس شکل و صورت میں تھی؟ حضرات صحابہ ﷺ نے اپنے اپنے مشاہدہ اور زیارت کے مطابق درج ذیل کلمات میں امت مسلمہ کو سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

1۔ **زر الحجلہ** اس کلمے کی تفسیر میں دو اقوال منقول ہیں۔ 1۔ دلہن کے لباس کا بٹن 2۔ دلہن کی ڈولی کا تکمہ

2۔ **بیضہ الحمامہ** کبوتری کا انڈہ

3۔ **حجلہ الفرس** گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی

4۔ **بضعہ ناشزہ** ابھرے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا

5۔ **مثل السلفہ** غدود جیسا ابھار

6۔ **کشئی یختم بہ** ایسی کوئی چیز جس سے مہر لگائی جائے۔

7۔ **مثل البندقہ** غلہ کی مانند۔

8۔ **کالتفاح** چھوٹے سیب کی طرح۔

9۔ **النور** چمکدار ستارے جیسا۔

10۔ سیاہ تلوں کا گچھا۔ 11۔ سیاہ چھوٹی انجیر۔ 12 سون کا مجموعہ

آپ ﷺ کی مہر نبوت بائیں شانہ مبارک کے قریب گدی سے تھوڑے سے نیچے جانب واقع تھی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کے قلب اطہر کو علوم نبوت و معارف رسالت سے معمور فرما کر اس پر مہر ثبت فرما دی۔

(9)۔ **کلالہ** لفظ کلالہ کے مفہوم و مصداق میں خاصی وسعت ہے۔ اس کا اطلاق مورث ر وارث اور ترکہ تینوں پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ 1۔ ایسا مورث جسکی نہ اولاد ہو اور نہ ہی ماں باپ ۔2۔ ایسے مورث کے جملہ ورثاء ۔ 3۔ ایسی صورت میں حاصل ہونے والی وراثت اور ترکہ (تمامی کو کلالہ کہتے ہیں)۔

(10) **ثمانین و زیادہ** متعدد روایات سے صاحب واقعہ افراد کی تعداد کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ 1۔ ستر

(70) اور اسی (80) کے مابین۔ 2۔ اسی (80) سے کچھ زائد 3 ۔ تین سو (300) سے بھی زائد۔ 4۔ پندرہ سو (1500) کے لگ بھگ۔ حضراتِ شراح اور محدثین کے ہاں آنحضرت ﷺ نے جس انداز سے امتِ مسلمہ کی ہر لمحہ حاجت روائی فرمائی ہے۔ اس سے یہی بات متحقق ہوتی ہے۔ کہ روایات کی تعداد میں اختلاف متعدد واقعات پر دال ہے۔ گویا یہ ایک طرح کا واقعہ چار اوقات میں وقوع پذیر ہوا ہے۔

(11) **ینبع من اصابعه** علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا عظیم معجزہ آنحضور ﷺ کے علاوہ کسی نبی اور رسول کو عطا نہیں ہوا۔ کہ کسی نبی اور رسول کے بدن مبارک کے کسی عضو سے پانی چشمے کی مانند جاری ہوا ہو۔ اور انسانیت اس پانی سے سیراب ہوئی ہو

(12)۔ **فدلک بها وجهه** انسانیت ماضی حال اور مستقبل کے آئینہ میں ایسے عشاق کی نظیر پیش کرنے سے یقیناً یقیناً عاجز ہے جو مقامِ عشق قدرت نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کو عطا فرمایا تھا۔ ایسی کیفیت نہ ہی چرخ نیلگوں نے دیکھی ہے اور نہ ہی جن ر ملک اور مخلوقات کے کسی فرد نے۔ جس کا نظارہ ارض و سما اور اس کے باسیوں نے زمانہ نبوت ﷺ میں کیا ہے۔

۴۔احادیث سے مستنبط مسائل:۔

1۔ حضور انور ﷺ کے فضلات کی طرح آپ ﷺ کے استعمال میں آنے والا پانی بھی پاک ہے۔ اور باعثِ خیر و برکت ہے۔ نیز کائنات میں موجود جملہ پانیوں سے فضیلت میں بڑھا ہوا ہے۔

2۔ آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے ہر مرض خواہ روحانی ہو یا جسمانی فوراً رفع ہو جاتی ہے۔

3۔ مشائخ کے معمولات مثلاً دم کرنا ر پانی پلانا ر وضوء کا پانی انڈیلنے کے لئے دینا۔ حضورانور ﷺ کی سنن مستمرہ سے ثابت ہیں۔

4۔ اکابر کا اصاغر کی عیادت کے لئے تشریف لانا اور اوراد و اذکار کے ذریعے ان کا روحانی علاج کرنا بھی سنتِ مصطفویہ ﷺ سے ثابت ہے ۔

5۔ مریض پر حصول شفاء کے لئے کسی بندہ خدا کے مستعمل پانی کو ڈالنا شرعاً جائز ہے۔

6۔ حضور انور ﷺ کو قدرت کی جانب سے ملے ہوئے تمام معجزات سادات انبیاء کے معجزات سے اعلیٰ ر ارفع اور افید ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ

۱۔ باب کیف فرضت الصلوٰۃ
۲۔ باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب
۳۔ باب الصلاۃ فی السطوح والمنبر

باب کیف فرضت الصلاۃ

1۔ حدیث الباب کا ترجمہ :۔۔

سیدنا انس بن مالک سے منقول ہے کہ سیدنا ابوذر (غفاری) اکثر حدیث (معراج) بیان فرماتے ہوئے سناتے کہ سیدی رسول اللہ نے فرمایا۔

میں مکہ (مکرمہ) میں (سیدہ ام ھانی کے گھر آرام فرما) تھا کہ میرے خلوت خانہ کی چھت کھلی جناب جبرائیل اترے میرا سینہ (اطہر) کھولا زمزم سے دھویا۔ پھر (جنت سے لائے ہوئے) سونے کے ایک تھال جو علم و حکمت اور ایمان و ھدایت سے بھرپور تھا سے میرے قلب اطہر کو خوب بھر کر سی دیا گیا (اور اس پر مہر امامت و نبوت ثبت کردی گئی)۔

اس کے بعد جناب جبرئیل میرے ساتھ ہولئے اور مجھے آسمان دنیا (پہلے آسمان) کی طرف لے گئے۔
جب میں آسمان دنیا پر پہنچا تو حضرتِ جبرائیل نے داروغہ فلک کو فرمایا "کھولئے"۔ اس نے پوچھا! آپ کون ؟

کہا "جبرائیل" (بارگاہ رسالت کا دربان)

دوسرا سوال ہوا! کیا آپ کسی کے ھمراہ ہیں ؟

جناب جبرائیل نے جواب دیا "ہاں! مجھے معیتِ محمد (سراپا حمد) حاصل ہے"

داروغہ نے تیسرا سوال کیا! کیا آپ کو (ان کی مصاحبت کیلئے) انھی کی جانب بھیجا گیا ہے ؟

حضرت جبرائیل نے فرمایا! جی ہاں۔

جیسے ہی دروازے کھلے۔ ہم آسمانِ دنیا کی جانب چڑھنا شروع ہوئے وھاں ایک صاحب (سیدنا آدم) ھمارے منتظر تھے ان کے دائیں اور بائیں انسانیت کا ایک خاصا بڑا گروہ موجود تھا آپ جب دائیں جانب نظر ڈالتے۔ ہنس دیتے اور جب بائیں جانب نگاہ ڈالتے۔ آبدیدہ ہوجاتے۔

فرمانے لگے "خوش آمدید! اے صاحب صلاح نبی اور باصلاحیت فرزند"

میں نے جناب جبرائیل سے (بوجہ اپنے رفیق سفر ہونے کے) پوچھا:۔

یہ (بزرگ) کون ہیں؟ ○ کہنے لگے :- یہ (سیدنا) آدم ہیں-

(لذت رفاقت سے محظوظ ہوتے ہوئے جناب جبرائیل نے مزید بتایا) یہ دائیں اور بائیں انسانی روحیں ہیں جن میں سے دائیں والے اہل جنت ہیں اور بائیں والے اہل جہنم۔ جب سیدنا آدم دائیں جانب دیکھتے ہیں ہنس پڑتے ہیں جیسے ہی بائیں جانب نگاہ ڈالتے ہیں رو دیتے ہیں -

اس کے بعد مجھے دوسرے آسمان کی جانب لے جایا گیا جناب جبرائیل نے داروغہ سے فرمایا:- کھولیے - داروغہ نے پہلے آسمان کے داروغہ کی مانند تین سوال کیے اور ساتھ ہی دروازے کھول دیے گئے -

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سنایا کہ آنحضرت سے (سیدنا) آدم ر ادریس ر موسی ر عیسی اور ابراہیم ع کی آسمانوں میں ملاقاتیں ہوئیں - سیدنا ابو ذر غفاری نے ہر ایک آسمان کے ساتھ کسی متعین نبی کا حوالہ نہیں دیا بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ آسمان دنیا میں سیدنا آدم اور چھٹے آسمان میں سیدنا ابراہیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے -

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب جناب جبرائیل حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں سیدنا ادریس کے ہاں پہنچے تو انہوں نے فرمایا تشریف لائیے - اے عالی مرتبت نبی! اور محترم بھائی!

میں نے جبرائیل سے پوچھا:- یہ کون ہیں؟ ○ بتایا یہ (سیدنا) ادریس ہیں -

پھر میری راہ گزر میں (سیدنا) موسی ر عیسی اور ابراہیم ع موجود تھے اور انہوں نے بھی استقبالیہ کلمات سے مجھے خوش آمدید کہا میں نے ان تین شخصیات کے بارے میں پوچھا بتایا گیا (سادات) موسی ر عیسی اور ابراہیم ع ہیں -

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو حبہ الانصاری (حدیث معراج بیان کرتے ہوئے) فرمایا کرتے تھے کہ حضور اکرم نے فرمایا تھا کہ جناب جبرائیل میرے ساتھ بہت اوپر تک گئے یہاں تک کہ جب میں ایک بلند ہموار مقام پر پہنچا تو میں نے لوح و قلم کی آواز تسلسل سے سنی -

نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالی نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں میں اس تحفے کو لے کر واپس لوٹا کہ میرا گذر سیدنا موسی پر ہوا پوچھنے لگے کہ آپ کے اس سفر معراج کی برکت سے اللہ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتلایا کہ پچاس (۵۰) نمازیں - عرض کی دوبارہ اپنے رب کی جانب تشریف لے جائیے کیونکہ آپ کی امت اس فریضے کی متحمل نہیں -

میں لوٹا تو کچھ معاف ہوگئیں پھر میرا گذر سیدنا موسی پر ہوا میں نے بتلایا کہ پانچ (۵) معاف ہوئی ہیں

کہنے لگے سہ بارہ معراج فرمائیے کیونکہ آپ کی امت کے بس میں نہیں تیسری بار میں بارگاہ رب العالمین میں پہنچا تو مزید تخفیف ہوئی (یہی کیفیت کئی بار پیش آئی)۔

آخر کار اللہ رب العالمین نے فرمایا یہ پانچ ہیں جبکہ در حقیقت پچاس ہیں کیونکہ میرے ہاں احکام میں تبدیلی نہیں ۔

پھر سیدنا موسی سے ملاقات ہوئی کہنے لگے آپ پھر تشریف لے جائیے میں نے کہا اب میں اپنے رب سے مزید طلب تخفیف پر شرمارہا ہوں ۔

پھر میری رفاقت میں جبرائیل چلے سدرہ المنتہی تک میرے ساتھ رہے سدرہ کئی طرح کے رنگوں سے مزین تھا جو درایت سے ماورا ہے کہ وہ کیا ہے ؟

پھر میں (تن تنہا) جنت میں داخل ہوا اس میں نہایت کثرت کے ساتھ موتیوں کے ہار تھے اور اس کی مٹی کستوری کی تھی۔

2۔ چند جملوں کی وضاحت ۔۔

۱۔ **باب کیف :۔** صحیح بخاری میں تیس (۳۰) ابواب اسی انداز (لفظ کیف) سے حضرت امام بخاری نے قائم فرمائے ہیں اور یہ ان میں سے پانچواں باب ہے ۔ اس باب میں فرضیت نماز کی کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ شبِ معراج نماز کس انداز میں امت مسلمہ کے لئے مقرر کی گئی تھی ۔

۲۔ **فی الاسراء:۔** بیت اللہ سے بیت المقدس تک کے سفر کا نام " اسراء " ہے اور بیت المقدس سے عرش بریں تک کی سیاحت کا نام " معراج " ہے ۔ اور یہ دونوں سفر اعلانِ نبوت کے بارہویں سال ستائیس (۲۷) رجب المرجب کو ہوئے ۔

جمہور محققین کا اس حقیقت پر اجماع ہے کہ حضور انور ﷺ نے یہ پر کیف اور عظیم سفر بحالت بیداری اور شخصی طور پر فرمایا اور اسی رات یہ پانچ نمازیں امت محمدیہ پر فرض ہوئی تھیں ۔

۳۔ **فی حدیث هرقل :۔** اس جملے سے امام بخاری اس امر کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں کہ نماز ہجرت سے پہلے مکہ المکرمہ میں فرض ہوئی ہے کیونکہ ہجرت کے بعد جناب ابوسفیان کی حضور انور ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی ۔ اور پہلی ملاقات سن ۷ ھ میں بموقعہ عمرہ القضاء ہوئی ہے ۔

۴۔ **سقف بیتی:۔** حضور انور ﷺ سوئے ہوئے تمام کیفیات کا مشاہدہ فرمارہے تھے حضرات محدثین

فرماتے ہیں جناب جبرائیل کی آمد کا یہ انداز اس لئے اپنایا گیا کہ اہل علم پر یہ حقیقت آشکارہ ہوجائے کہ آج کی رات ہم نے تمام عاداتِ الٰہیہ، قوانینِ فطرت اور تقدیری ضابطوں کو توڑ دینا ہے اور اپنے محبوب کی عظمت اور رفعت کے سکہ کو عالمِ ملکوت و جبروت پر ثبت کردینا ہے نیز سائنسی دنیا کو یہ چیلنج دینا مقصود ہے کہ صنعت و حرفت میں قدرتِ ربانی کا کوئی مثیل ہے؟

۵۔ **فرج صدری:۔** شقِ صدر کا معجزہ حضور انور ﷺ کی حیات مقدسہ میں چار (۴) مرتبہ وقوع پذیر ہوا ہے:

۱۔ زمانۂ رضاعت میں سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں۔ جب کہ آپ کی عمر مبارک پانچ (۵) سال سے کم تھی۔

۲۔ آغاز شباب میں جب آپ کی عمر مبارک دس (۱۰) سال تھی۔

۳۔ (نزولِ وحی) اعلانِ نبوت کے وقت غارِ حراء میں۔

۴۔ شبِ معراج آغازِ سفر سے قبل۔

۶۔ **بماء زمزم:۔** حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ ماء زمزم جنت کے پانی سے بہتر ہے اگر جنت کا پانی زمزم سے بہتر ہوتا تو برتن کی طرح پانی بھی جنت سے منگوایا جاتا۔

علامہ التقی السبکیؒ نے شرف و خیر کے اعتبار سے پانی کی تقسیم یوں فرمائی ہے

افضل المیاہ ماء قد نبع ۔۔ بین اصابع النبی المتبع
یلیہ ماء زمزم فالکوثر ۔۔ فنیل مصر ثم باقی الأنہر

۷۔ **فعرج بی:۔** حدیث الباب میں صرف واقعہ معراج کے اس اجمالی حصہ کا بیان ہے جس میں فرضیتِ صلاۃ کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے تفصیل بہت سی اور روایات میں موجود ہے جن کی تعداد چالیس (۴۰) سے زائد ہے۔

۸۔ **الرسل الیہ:۔** کیا جناب جبرائیل آنحضرت ﷺ کی جانب صرف اس مقصد کے لئے بھیجے گئے ہیں؟ کہ وہ اس سفر میں آپ کے خادم و خلیفہ بن کر آپ کے ہمراہ رہیں؟ اور محب (اللہ رب العالمین) کی نمائندگی فرمائیں۔

(9) "من ہذا"۔ یہ سوال علیم و خبیر ذات کے اس سوال کی مانند ہے۔ جب یہ "علام الغیوب" ذات

ملائکہ سے اس وقت کرتی ہے۔ جب وہ محفلِ خیر اور شرکاءِ محفل کی اطلاع بارگاہِ ایزدی میں پیش کرتے ہیں

-

یقیناً یہ سوال و جواب صرف اکرامِ مصاحب اور کیفِ تکلم کیلئے ہے۔ ازدیادِ علم اور رفعِ لاعلم کیلئے نہیں

-

یہ وضاحت اس لئے کی گئی ہے۔ تاکہ عقیدۂ رسالت کے حسن و کمال میں جرثومۂ قبح دخیل نہ ہوسکے

-

(مزید معلومات کیلئے حضرت مولف موصوف کا رسالہ میرے نبی کا علم قابل زیارت ہے)

(10) **وجد فی السموات ادم**۔ تمام روایات کے یکجائی مفہوم سے ترتیب کچھ یوں بنتی ہے کہ

آسمان دنیا پر آدم -- دوسرے آسمان پر عیسیٰ -- تیسرے آسمان پر یحیٰ -- چوتھے پر ادریس -- پانچویں پر ہارون -- چھٹے پر موسیٰ -- ساتویں پر ابراہیم -- حفظ و ضبط کیلئے "اعیاھما" کا جملہ یاد رکھیں۔

(11) مستوی۔ یہ استواء عرش کی جانب اشارہ ہے۔ جس پر خالق ارض و سماء مالک کون و مکان بلا کیف استواء فرما رہے ہیں۔ **الرحمن علی العرش استوی** آج کل کے علماء لاسلف کا عقیدہ اس بارے میں نہایت ہی حیران کن اور روایات و درایت سے بہت بعید ہے۔

(12) **ارجع الی ربک**۔ کلیم اللہ کا نیابت عن اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے حبیب اللہ سے نو (۹) مرتبہ زیارت و ملاقات اور معراج کی درخواست کرنا نیز کلیم اللہ کا حبیب اللہ کے تکلم سے لذت پانا اور نیابت ایزدی ادا کرنا ان امور میں ارباب عشق و محبت کے ہاں جو رموز عشق اور آداب محبت پنہاں ہیں وہ عشاق پر مخفی نہیں۔ (اس کیلئے حضرت مولف موصوف کا رسالہ "سفر معراج" قابل دید ہے۔

۱۳) **فاقرت صلوہ السفر**۔ قصر صلوہ السفر کے مسئلہ میں حدیث الباب حضرات احناف کے مسلک کی تائید میں نص ہے۔ مزید وضاحت کیلئے جلد اول کتاب الصلوۃ کی طرف رجوع فرمائیں۔

باب وجوب الصلوۃ فی الثیاب

(1) حاصل مطالعہ:۔۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے **باب وجوب الصلوہ فی الثیاب** (صفحہ 51) سے **باب فی الثوب الاحمر** (صفحہ ۵۴) تک ایک جیسے مسائل کی جانب رہنمائی کرنے والی احادیث کو روایت کیا ہے اور ان میں ستر عورت اور (لباس مصلّی) کے احکام و مسائل کا بیان ہے۔ جن کا اجمالی خاکہ " احادیث الباب سے مستنبطہ مسائل " کے عنوان کے ضمن میں آرہا ہے۔

(2)۔ تفصیلی احادیث کا ترجمہ:۔۔

(1) سیدہ ام ھانیؓ فرماتی ہیں۔ میں فتح مکہ (مکرمہ) کے موقعہ پر سیدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ غسل فرما رہے تھے اور سیدہ فاطمہؓ نے (مقامِ غسل کو) پردہ سے ڈھانپا ہوا تھا۔ پہنچتے ہی میں نے سلام کیا جوابا فرمایا! کون؟ میں نے کہا۔ میں " امّ ھانی رضی اللہ عنہا ہوں "۔ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن) آپ ﷺ نے فرمایا **مرحبا بام ھانی**۔

جیسے ہی غسل مکمل فرمایا ایک ہی کپڑے میں جو دونوں پہلوؤں کی جانب لٹکا ہوا تھا۔ آٹھ (۸) رکعتیں ادا فرمائیں۔ جب نماز مکمل فرمالی۔ میں نے عرض کی۔ **یا رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم! میرے حقیقی بھائی (سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) ایک ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہ رہے ہیں جسے میں نے اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ اور میرے خاوند ھبیرہ کا وہ چچازاد بھائی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا " بے شک ہم نے اسے پناہ دی جسے (ام ھانی) تو نے پناہ دی "۔ سیدہ ام ھانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں " یہ تمام واقعہ چاشت کے وقت کا ہے "۔

(2) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ غزوہ خیبر کیلئے چلے تو ہم نے صبح کی نماز اندھیرے میں خیبر کے نزدیک جاکر پڑھی۔ (نماز سے فراغت کے بعد) آپ ﷺ نے اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اونٹنی پر سواری فرمائی۔ میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہم سوار تھا۔ آپ ﷺ خیبر کی گلیوں میں سواری فرمارہے تھے۔ کہ میرا گھٹنہ سیدی نبی اللہ ﷺ کی ران مبارک سے مس ہوتا رہا۔ اس دوران آپ ﷺ کی ران مبارک سے چادر ایک جانب ہٹی۔ تو میں نے سیدی رسول اللہ ﷺ کی ران مبارک کے انوار و تجلیات

کا مشاہدہ کرلیا۔ جیسے ہی آنحضرت ﷺ خیبر کی بستی میں داخل ہوئے ۔ تین (۳) بار نعرہ لگایا ۔ **اللہ اکبر** خیبر اجڑ گیا۔ جب ہم اہلِ ایمان اہلِ کفر کی آنگن میں اتر پڑیں تو کفار کی صبح زوال پذیر ہو جاتی ہے ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں = خیبر کے یہودی اپنے کام کاج کیلئے نکلے تو پکارتے تھے کہ **محمد** (رسول اللہ) ﷺ پہنچ چکے ہیں اور آپ کا لشکر بھی (بحوالہ بعض رواہ)۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " ہم نے خیبر بڑے دبدبہ سے فتح کیا۔ جیسے ہی قیدی ایک جگہ لائے گئے ۔ حضرت دحیہ کلبی تشریف لائے ۔ کہنے لگے **یا نبی اللہ** ! مجھے ایک باندی عطا فرمائیے ۔ فرمایا ! جاکر ایک (ا) باندی پسند کرلو ۔ انہوں نے (حضرت) صفیہ کو پسند کیا۔

ایک صاحب بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے ۔ کہنے لگے **یا نبی اللہ** ! کیا آپ نے جناب دحیہ کو صفیہ " جو قریظہ اور بنی نضیر کی شہزادی ہے " عطاء فرمائی ہے ؟ وہ تو آپ کے لے ہی موزوں ہے ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ۔ دحیہ اور صفیہ کو بلاؤ وہ صاحب دونوں کو لائے ۔ آنحضرت نے صفیہ کو دیکھا۔ فرمایا ! (دحیہ) کسی اور باندی کو لے لو ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : حضور انور ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد فرمایا اور نکاح کرلیا۔

امام ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابو حمزہ (انس بن مالک رضی اللہ عنہ) سے پوچھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر کتنا تھا ؟ فرمایا: یہی ان کو آزاد کر کے نکاح کرنا۔ حتی کہ جب آپ ﷺ خیبرو مدینہ منورہ کے مابین تھے ۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بی بی صاحبہ کو دلہن بنایا اور اسی رات رخصتی کردی گئی ۔ آنحضرت ﷺ دولہا بنے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا ! جس کے پاس جو کھانا ہو وہ لے آئے ۔ دسترخوان بچھایا گیا۔ کچھ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کھجور لائے ر کچھ گھی اور کچھ ستو۔ سیدنا انس فرماتے ہیں ! تمام اشیاء کو ملاکر حلوہ بنایا گیا اور یہی حضورانور ﷺ کا ولیمہ تھا۔

(3) سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ! میں نے سیدی رسول اللہ ﷺ کو چمڑے کے سرخ خیمے میں دیکھا (کہ جلوہ افروز تھے) اور سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حضور ﷺ کا وضو والے پانی لاتے تھے نیز سادات صحابہ کو دیکھا کہ اس متبرک پانی کو لینے کے لے بہت تیزی سے آگے بڑھتے تھے ۔ جس خوش نصیب فرد کو اس ماء مبارک سے چنداں ملتا وہ اسے اپنے جسم پر مل لیتے اور جس کو قطرہ تک نہ ملتا وہ دوسرے ساتھی سے تری کو لیکر اپنے جذبۂ محبت کو تسکین پہنچاتے ۔

(3) کلمات احادیث کی وضاحت اور مستنبطہ مسائل :۔

(1) **فی الثیاب** یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ ستر عورت ہر حال میں واجب ہے ۔ خواہ انسان عمومی حالت میں ہو یا بحالت نماز ، خلوت میں ہو یا جلوت میں ۔

سترِ عورت صحتِ نماز کیلئے شرط ہے یا نہیں ؟ اس میں درج ذیل دو (۲) اقوال ہیں ۔

(1) حضرت امام اعظم ، امام شافعی ، امام احمد اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک ستر عورت ہر حال میں انسان کیلئے واجب ہے ۔ صحتِ نماز کیلئے شرط ہے ۔ خواہ نماز پڑھنے والا شخص جلوت میں ہو یا بہ کیفیت خلوت ، اندھیرے میں ہو یا اجالا میں ۔ اگر کپڑے کی موجودگی میں نماز ننگے جسم پڑھی گئی ۔ تو یہ نماز باطل ہے ۔ اور اس کا اعادہ واجب ہے ۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے **وجوب الصلواہ فی الثیاب** فرماکر اور باب کے ضمن میں ایک آیت اور متعدد آثار کی تخریج فرماکر مسلک جمہور کی تائید فرمائی ہے ۔

(2) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سترِ عورت نماز کے شرائط میں سے نہیں ۔ اندھیرے یا خلوت میں بغیر جسم ڈھانپے نماز ادا کرلے تو نماز اداء ہو جائے گی ۔

(2) **زینتکم** زینت سے مقصود سترِ عورت ہے ۔

(3) **کل مسجد** لفظ مسجد سے نماز کی ادائیگی کی جانب اشارہ ہے ۔

(4) **ملتحفا** التحاف کے معنی ہیں کپڑے کو جسم سے ڈھانپنا۔ اب اگر ایک لمبی چادر نمازی کے پاس ہو تو اس سے جسم ڈھانپنے کی صورت یوں ہوگی ۔ کہ اس کے ایک طرف کو جسم کے اگلے حصے پر اور دوسرے حصے کو جسم کے پچھلے حصے پر ڈال لے ۔

التحاف ، توشیح ، اشتمال اور تخالف بین الطرفین کا اطلاق ایک جیسی صورت پر ہوتا ہے ۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ ایک بڑی چادر کاایک کنارہ جو داہنے کندھے پر ہو اسے بائیں ہاتھ کی بغل کے نیچے سے اور جو بائیں کندھے پر ہو اس کو داہنے ہاتھ کی بغل سے نکال کر دونوں کناروں کو سینے پر باندھ لیا جائے ۔

(5) **عقد الازار** حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب کے ساتھ آنے والے ابواب میں یہ مسئلہ نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے ۔ کہ اگر نمازی کے پاس صرف ایک بڑی چادر ہو تو التحاف کی

صورت اختیار کرے ۔ اگر چادر درمیانے سائز کی ہو تو **عقد الازار علی القفا** یعنی گردن پر باندھ لے ۔ اور اگر ایک چادر بہت ہی مختصر ہو تو پھر الاتزار یعنی بصورتِ تہ بند باندھ لے ۔

(6) **المشجب** لکڑیوں کو ایسے انداز میں نصب کرنا کہ ان پر گیلے کپڑوں کو خشک کیا جاسکے ۔

(7) **فصلی ثمان رکعات** ان آٹھ (۸) رکعات کے بارے میں دو (۲) اقوال حضرات محدثین سے منقول ہیں ۔ ۔ (1) یہ نماز ضحی ہے جو بوقتِ چاشت حضور انور نے ادا فرمائی ۔ (2) یہ نوافل شکرانہ ہیں جو آپ نے فتح مکہ کی خوشی میں ادا فرمائے ۔

(8) **ابن امی** اس کلمہ سے سیدنا ام ھانی نے سیدنا علی المرتضیٰ کی جانب اشارہ کیا ہے ۔ کیونکہ یہ دونوں حضرات آپس میں حقیقی بہن ر بھائی ہیں ۔ ام (ماں) کی جانب نسبت کرنا شفقت و محبت کے سبب ہے

(9) **بن ھبیرہ** ھبیرہ کا بیٹا جعدہ فتح مکہ کے زمانہ میں نہایت کمسن تھا۔ جسے سیدنا علی قطعاً قتل نہیں کرنا چاہتے تھے ۔ ہاں ھبیرہ کا چچا زاد بھائی جو اہل کفر اور مشرکین مکہ کا سرخیل اور جیالا رہنما تھا ۔ اسے اپنے انجام تک پہنچانا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی ۔ اور اسی کے بارے سیدہ ام ھانی رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں سفارش کی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا ۔ اور اسے پناہ دے دی ۔ گویا حدیث الباب میں لفظ "عم" کسی راوی سے چھوٹ گیا ہے ۔

(10) **ان سائلا** شمس الائمہ امام سرخسی حنفی نے اس سائل کا نام حضرت ثوبان نقل فرمایا ہے ۔

(11) **السری** رات کا سفر۔

(12) **ینسجھا المجوسی** ساداتِ محدثین کے ہاں اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ اہل کفر کی مصنوعات و ملبوسات میں نماز پڑھنا درست ہے ۔ جب تک کہ یہ یقین نہ ہو کہ ان میں کوئی پلید اجزاء شامل ہیں ۔ یہی حضرات احناف کا مسلک ہے اور اسی پر فقہاءِ امت کا فتویٰ ہے ۔

(13) **ماصبغ بالبول** پیشاب ر کیمیکلز اور اسی طرح کے دیگر نجس زدہ اشیاء سے رنگے ہوئے کپڑوں کو پانی سے پاک کر کے نماز و طواف کے لئے استعمال کرنا شرعاً جائز ہے ۔ یہی تمام فقہاء کا اجماعی فیصلہ ہے ۔

(14) **کراھیہ التعری** انسان خواہ بحالتِ نماز ہو یا کسی عام حالت میں ستر عورت کے علاوہ جسم کے بقیہ اعضاء کو ننگا رکھنا شریعتِ مطہرہ میں ناپسندیدہ ہے ۔ کیونکہ ستربدن عصمتِ انسانیت کی علامت ہے ۔

(15) **فسقط مغشیا** یہ واقعہ اعلان نبوت سے قبل کا ہے۔ جب مشرکین مکہ بیت اللہ کو تعمیر کر رہے تھے۔ سیدنا عباس نے معاشرتی حالات کے مطابق آنحضرت کو بھی تعمیر کعبہ میں ننگے جسم شرکت کی دعوت دی۔ آپ شریک ہوئے تو اللہ رب العالمین نے اپنے نبی خاتم کی حفاظت فرمائی۔ کیونکہ اللہ کا ہر نبی اعلانِ نبوت سے پہلے بھی معصوم اور سراپا عصمت ہوتا ہے۔ جیسا کہ اعلان نبوت کے بعد۔

ایک روایت مبارکہ کے مطابق جب آنحضرت ﷺ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق تعمیرِ کعبہ میں شریک ہونے لگے تو اسی لمحے ایک فرشتہ نازل ہوا اور اس نے جنتی لباس سے آپ ﷺ کی تہ بند باندھی اور یوں آپ ﷺ باپردہ و باشرع تعمیر کعبہ میں شریک رہے۔

(16) **قباء فی قبان** تبان وہ کپڑا ہے جو پہلوان کشتی کے وقت پہنتے ہیں۔ جیسے جانگیہ اور نکر وغیرہ۔ حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ لباس جو ساتر عورت ہو اس میں نماز درست ہے۔

(17) **و لا ورس** ورس ایک خشبودار زرد گھاس ہے۔ جسے اہل عرب اور بالخصوص یمن کے باسی کپڑے رنگنے کیلئے استعمال کرتے تھے۔

(18) **مایستر من العورہ** انسانی جسم میں مرد کے قابل ستر اعضاء کونسے ہیں؟ اس بارے میں حضرات فقہاء کے اقوال کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(1) حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور جمہور امت کی تحقیق میں ناف سے گھٹنے تک کا تمامی علاقہ انسانی جسم میں شرم گاہ ہے اور قابلِ ستر ہے۔ البتہ سبیلین سترِ غلیظ ر ران سترِ خفیف اور گھٹنا ستر اخف کے درجہ میں ہے۔

(2) حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فقط قبل اور دبر یعنی سبیلین محلِ ستر ہیں۔

(3)۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں سبیلین کے ساتھ فخذ (ران) بھی قابل ستر ہے۔

صحیح بخاری کے کلمات **الفخذ عورہ** اور **ماتحت السرہ الی الرکبہ** مسلکِ جمہور یعنی مسلک احناف کی تائید میں نص ہیں۔ نیز آجکل کے متمدن معاشرہ میں حضراتِ احناف کا قول ہی مطابقِ عقل اور قابلِ تسلیم ہے۔

(19) **اشتمال الصماء** ایک لباکپڑا اپنے جسم پر اس طرح لپیٹنا کہ تمام جسم بشمول ھاتھ اس میں بند ہوجائیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اشتمال صماء کی صورت یہ ہوگی کہ کپڑے کے ایک طرف کو سمیٹ کر اپنے کندھے پر ڈال لیا جائے۔ اس صورت میں چونکہ سترِ عورت نہیں رہتا اور شرمگاہ کے کھلنے کا احتمال

رہتا ہے ۔ اس لئے حضور انور ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔

(20) **ان یحتبی الرجل** احتباء کے معنی ہیں گوٹ مار کر بیٹھنا اس کا انداز کچھ یوں ہوتا ہے کہ انسان دونوں سرینے زمین پر رکھتے ہوئے اپنی پنڈلیوں کو کھڑا کر دیتا ہے ۔ یہ صورت اس لئے ممنوع ہے کہ اس میں شرمگاہ کے کھل جانے کا خدشہ ہے ۔

(21) **عن اللماس و النباذ** زمانۂ جاھلیت میں تجارت کے یہ دو انداز جو اھل عرب میں رائج تھے ۔ شریعت مطہرہ نے ان دونوں کو ناجائز قرار دیا ہے ۔ اور تجارت کے جواز و عدم جواز کا مدار باہمی رضامندی اور بائع و مشتری کے ایجاب و قبول پر رکھا ہے ۔ فریقین میں سے کوئی جلد بازی میں مبیعہ کو پھرتی سے ہاتھ لگالے جیسا کہ بیع ملامست یا مبیعہ کی جانب کنکری پھینک دے جیسے بیع منابذہ ۔ تو شریعت مطہرہ ایسے بے بنیاد اور لایعنی حرکتوں کو بیہودہ متصور کرتی ہے ۔ اور اسے قطعاً پسند نہیں کرتی ۔ (مزید تفصیل کے لئے مفتاح النجاح کتاب البیوع ملاحظہ ہو)

(22) **فی تلک الحجه** سن 9 ہجری میں حضور انور نے حضرات صحابہ کی ایک بہت بڑی جماعت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حج کیلئے روانہ فرمائی اس حج کے موقعہ پر سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور بہت سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے منی اور عرفات کے میدان میں حضور انور ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانب سے جاری کردہ اعلانات حجاج کو پڑھ کر سنائے ۔ ان میں سے تین اعلانات کا تذکرہ حدیث الباب میں ہے ۔

(1) آج کے بعد کسی مشرک کو حج کرنے کی اجازت نہیں ۔

(2) آج کے بعد بیت اللہ کا ننگے جسم طواف کرنا ممنوع ہے ۔

(3) اب تک کے تمام معاہدے جو مشرکین مکہ کے ساتھ طے پائے ہیں وہ اللہ اور رسول اللہ کی جانب سے ختم کئے جاتے ہیں ۔

(23) **خربت خیبر** مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے حالات کی خبر عموما حضور انور ﷺ پہلے سنا دیا کرتے تھے ۔ اس جملے کے ذریعے آپ نے جو فرمایا وہی اہلِ خیبر کے ساتھ ہوا ۔

(24) **فخذہ علی فخذی** محل ستر کو دیکھنا بالاجماع حرام ہے ۔ البتہ چھو لینے کے بارے میں تفصیل یوں ہے ۔ سبیلین کو مس کرنا حرام ہے خواہ باپردہ ہو یا بے پردہ ۔ البتہ عورتِ خفیفہ کو بوقت ضرورت کپڑے کے باہر سے مس کرنا جائز ہے ۔ گویا ران اور گھٹنے کو دو شرائط کے ساتھ ہاتھ لگانا جائز ہے ۔

ضرورت ہو اور باپردہ ہوں۔

(25) **الخميس** لشکر پر خمیس جو خمس یعنی پانچ کے عدد سے ماخوذ ہے کا اطلاق اس وجہ سے ہوتا ہے۔ کہ میدان جنگ میں لشکر و سپاہ کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (1) مقدمہ الجیش یعنی آگے چلنے والا دستہ (2) میمنہ الجیش دائیں طرف کی فوج (3) میسرہ الجیش (بایاں جتھہ) (4) قلب الجیش لشکر کا وہ حصہ جس میں فوج کا سربراہ موجود ہوتا ہے۔ (5) ساقہ الجیش فوج کا آخری دستہ

(26) اباحمزہ۔ یہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

(27) **اصدقها نفسها** حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باندی سے مہر مقرر کئے بغیر اسے صرف آزاد کرنے سے اس کا حق مہر ادا ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح کا کیا ہوا نکاح شرعاً درست ہے۔ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مہر کا متعین کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ بہت کثرت کے ساتھ وجوبِ مہر پر دال ہیں۔ حدیث الباب کی توجیہ یہ ہے۔ کہ حضور انور نے سیدنا صفیہ کے نکاح میں سیدنا روزینہ نامی ایک باندی بطور حق مہر ادا فرمائی تھی۔ جنہیں بوقتِ نکاح ہی سیدنا صفیہ کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ سننِ نسائی کی روایت سے ظاہر ہے۔

(28) **سيده قريظه** حضرت صفیہ یہودیوں کے ایک نہایت اعلیٰ خاندان کے رئیس جناب حی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ جن کا سلسلہ نسب سیدنا ھارون علیہ السلام سے جا کر ملتا تھا۔ اور یہ خاندان یہودیوں میں نہایت قابلِ قدر تھا۔

(29) **متلفعات فى مروطهن** عورت کا تمامی جسم قابل ستر ہے۔ ماسواء چہرے اور ہتھیلیوں کے۔ یہ ستر خواہ ایک کپڑے سے ہو ر یا ایک سے زیادہ کپڑوں سے۔ حضرات فقہاء نے گھر میں نماز ادا کرتے ہوئے تین (۳) کپڑوں کو عورت کیلئے ضروری قرار دیا ہے۔ شلوار ر قمیض اور دوپٹہ۔ ہاں اگر مسجد تک آئے تو ان تین کپڑوں کے علاوہ ایک بڑی چادر بھی ضروری ہے۔

(30) **اذهبوا بخميصتى** حاشیہ اور بیل بوٹے والی لوئی تشریع حکم کیلئے سیدنا ابو جہم عامر بن حذیفہ کو آپ نے واپس لوٹا دی۔

(31) **وائتونى بانبجانيه** صوف کو پسند فرماتے ہوئے موٹی اور سادہ لوئی آپ نے زیب تن فرمائی۔ اور یوں آپ نے اہل تصوف کے لباس اور معاشرت کو فضیلت بخشی۔

(32) **الهتنى** جملہ روایت کے تناظر میں اس جملہ کے صحیح معنی یہ ہوں گے۔ کہ مجھے خیال گزرا

کہ کہیں میری امت ایسا لباس پہن کر نماز کے خشوع سے محروم نہ ہو جائے۔

احقر کے نزدیک امام بخاری نے ایک ہی ترجمہ الباب **باب اذاصلی فی ثوب لہ اعلام** میں ایک روایت کو دو متضاد جملوں سے نقل فرماکر اس حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ کہ یہاں نہایت ادب اور احتیاط سے ترجمہ بالمعنی کی ضرورت ہے۔ لفظی ترجمہ کی نہیں۔ تاکہ کہیں بد عقیدتی کا جرثومہ کسی کے فکر و نظر میں داخل ہوکر اسے حسن خاتمہ سے محروم ہی نہ کردے۔

(33) **او تصاویر** ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک تصویر زدہ لباس میں نماز اداء ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسا لباس پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایسے کپڑوں میں پڑھی ہوئی نماز وقت نماز میں قابل اعادہ ہے۔ اور بعد از وقت توبہ و استغفار ضروری ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے ملبوسات میں نماز ادا ہی نہیں ہوتی۔ اور یہ نماز فاسد ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سادات جمہور یعنی مسلکِ احناف کی تائید فرمارہے ہیں۔

(34) **کالکارہ لہ** حضور انور کا ریشمی چوغہ زیب تن فرماکر ناپسندیدگی کا اظہار فرمانا اس حقیقت کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ کہ ان جیسے ریشمی کپڑوں میں نماز ادا ہو تو جاتی ہے لیکن مکروہ رہتی ہے۔ یہی حضرات احناف اور سادات جمہور کی تحقیق ہے۔

(35) **الناس یبتدرون** حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اندازِ عقیدت ، جذبہ وارفتگی اور کیفیتِ عشق و مستی رہتی دنیا تک عشق و محبت کے باب میں ایسا لاثانی منظر اور لافانی نقش ہے کہ جس کی مثال تاریخِ انسانی میں (ماضی و مستقبل کے آئینہ میں) محال ہے۔ کم ذوق حضرات کیلئے ساداتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس نقید المثال عشق و محبت میں یقیناً درس تدبر موجود ہے۔ اگر فکر و نظر میں حصولِ ہدایت کی تاحال خواہش موجود ہو۔

احقر کے نزدیک حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ اندازِ محبت اجماعِ صحابہ ، تواترِ عمل ، احادیثِ تقریریہ اور آثارِ قولیہ سے ثبوت کے سبب قطعی الثبوت بھی ہے۔ اور صریح الدلالت بھی۔ جس کا انکار اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی روشنی میں کفر بھی ہے۔ اور اس میں کسی طرح کی توجیہ و تاویل یقیناً الحاد اور زندقہ بھی۔ تسلیم و انقیاد فرض ہے اور تمنا ایمان کی علامت

یا لیتنا نحن معھم حیا و میتا آمین

باب الصلوٰۃ فی السطوح والمنبر

(1) حاصل مطالعہ:۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں **باب الصلوہ فی السطوح و المنبر** سے **باب یبدی ضبعیہ** تک ایک طرح کے مسائل کو بیان فرمایا ہے۔ جس کے مطابق سادات اہل سنت فقہاء رحمہم اللہ اور محدثین کے نزدیک ہر وہ کائناتی شے جس پر جبین نیاز سکون و قرار حاصل کر سکے اس پر سجدہ عبودیت جائز ہے۔ خواہ وہ فرش ہو یا فراش ر زمین ہو یا فضار مکان سجدہ جنس ارض سے ہو یا جمادات و نباتات کے قبیل سے ر وہ چیز فطری تخلیق ہو یا انسانی صنعت سے وجود میں آئی ہو۔ الحاصل رب کائنات کی ہر پیدا کردہ تخلیق پر سجدہ نماز درست ہے۔ جس طرح کہ حضور انور ﷺ اور سادات صحابہ رضی اللہ عنہم کے معمولات مبارکہ سے واضح ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک صرف اجناس ارض پر سجدہ نماز درست ہے۔ پھر اجناس ارض میں سے جو اجناس خوراک اور لباس بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ان پر سجدہ نماز درست نہیں بلکہ حرام ہے۔

البتہ یہ مسئلہ ملت اسلامیہ میں اجماعی ہے۔ کہ سجدہ نماز صرف اس مکان یا شے پر درست ہوگا جو قطعی طور پر پاک ہو۔ کیونکہ صحت نماز کے چھ شرائط میں سے اساسی اور بنیادی شرط طہارت ثوب و مکان ہے۔ جیسا کہ احادیث الباب سے ظاہر ہے۔

(2) بعض کلمات احادیث کا معنی و حاصل:۔

(1) **مابقی فی الناس** مدینہ منورہ میں موجود حضرات صحابہ میں سے سیدنا سھل بن سعد الانصاری رضی اللہ عنہ نے سب سے آخر سن 88 ہجری میں وصال فرمایا اس لئے سادات تابعین کی موجودگی میں سیدنا سھل رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو اعلم فرما رہے ہیں۔

(2) **اثل الغابہ** (غابہ کے جھاؤ) غابہ نامی بستی مدینہ منورہ کے مضافات میں واقع ہے۔ جس میں جھاؤ کے درخت بہت کثرت سے موجود رہتے ہیں۔ انہی لکڑیوں سے مسجد نبوی کا منبر بنایا گیا تھا۔

علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے۔ کہ غابہ کوئی متعین مقام کا نام نہیں بلکہ غابہ گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ منبر مدینہ منورہ کے قریب کسی گھنے جنگل کی لکڑیوں سے بنایا گیا تھا۔

ہماری سرائیکی زبان میں اثل جال کو کہتے ہیں۔ یعنی غابہ کے جال سے بنا ہوا منبر۔

(3) **فلان مولی فلانه** یہ سیدہ عائشہ انصاریہ (ام المومنین نہیں) کے غلام سیدنا میمون ہیں۔

(4) **رجع القهقری** حدیث مذکور کا متن چونکہ صحیح کلمات کے ساتھ مروی نہیں جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان سے ظاہر ہے۔ اس لئے اس جملہ سے عمل کثیر کے جواز اور جوابات کی چنداں ضرورت نہیں۔

(5) **عاد علی المنبر** امام نماز اگر ایک ذراع (گز) تک مقتدیوں سے بلند کھڑا ہو تو ایسی باجماعت نماز بلا کراہت درست ہے۔ حضرات فقہا نے اس مسئلہ میں یہ اصول متعین فرمایا ہے۔ کہ امام کا مقامِ قیام اگر مقتدیوں کی جگہ سے علیحدہ محسوس ہو تو ایسی باجماعت نماز قطعاً نادرست ہے۔ اور اگر علیحدہ محسوس نہ ہو تو پھر جائز ہے۔

(6) **قال** اکثر شراحِ حدیث کے نزدیک قال کا فاعل سیدنا امام علی بن المدینی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جبکہ بعض علماء کی تحقیق میں یہ سیدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(7) **قال فقلت** اس قال کے قائل بالاجماع سیدنا علی بن المدینی ہیں۔

(8) **فجحشت** یہ سن 9 ہجری کا واقعہ ہے۔ جسے سیدنا انس بن مالک بیان فرما رہے ہیں۔

(9) **والی من نسائه** اہل سیر کی تحقیق میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن 5 ہجری میں ایلاء فرمایا تھا۔ چونکہ ان دونوں واقعات (ایلاء اور سقوط) کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالا خانہ میں قیام فرمایا تھا اس لئے ناقل سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث الباب میں دونوں واقعات کو یکجا کر دیا ہے۔

بعض حضرات محدثین رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے متن کو خلطِ رواۃ میں شمار کیا ہے۔

(10)۔ **وان صلی قائما** اس جملہ کے مفہوم مخالف سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔ کہ حضرتِ امام بحالتِ نماز قعود اور قیام کی جس کیفیت میں ہوں۔ مقتدی صاحبان کو وہی انداز اختیار کرنا چاہیے۔ یہی رائے سیدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ حضراتِ ساداتِ ائمہ ثلثہ اور جمہور محدثین کے نزدیک مقتدیوں کا بلاعذر نماز بیٹھ کر پڑھنا قطعی طور پر درست نہیں۔ خواہ امامِ نماز بوجہ عذر بیٹھ کر ہی امامت کیوں نہ کرا رہے ہوں۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وصال بیٹھ کر امامت فرمائی تھی۔ اور تمام سادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر اقتداءِ نبوت فرمائی تھی۔

(11) **الخمرہ و الحصیر** چھوٹی چٹائی جس پر نمازی پاؤں رکھے تو سجدہ نہ کر سکے اور اگر اس پر سجدہ کرے تو اس چھوٹی چٹائی پر قیام ممکن نہ ہو۔ اسے خمرہ کہتے ہیں۔ اور حصیر (بوریا) وہ بڑی چٹائی جو پاؤں سے مقام سجدہ تک ایک ہو اور اسی پر قیام و سجدہ دونوں ممکن رہیں۔ ان دونوں صورتوں میں سجدہ نماز درست ہے۔ بشرطیکہ قیام و سجدہ کی جگہ پاک ہو نجس نہ ہو۔

(12)۔ **جدته** اس ضمیر کے مرجع میں دو اقوال منقول ہیں۔ 1۔ حضرت اسحاق ؓ ۔ 2۔ سیدنا انس بن مالک ؓ۔ تاریخی حوالے سے اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔ کہ سیدہ ملیکہ سیدنا انس بن مالک ؓ کی نانی ہیں۔ لہٰذا جدتہ کی ضمیر کا مرجع سیدنا انس ہی ہیں۔

(13)۔ **الیتیم** اس کمسن بچے کا نام سیدنا ضمیرہ ہے جو حضور انور ﷺ کے غلام سیدنا ابو ضمیرہ کے فرزند ارجمند تھے۔

(14)۔ **النعال** پاؤں میں موجود جوتی اگر پاک ہو تو نماز بغیر کسی کراہت کے درست ہے۔ بشرطیکہ انگلیاں بوقت سجدہ قبلہ ہی کی سمت رہیں۔ در حقیقت یہ ایک ایسی جوتی ہوتی تھی جس پر مسح بھی درست ہوتا تھا۔ اور مسجد سے باہر نکلتے وقت اسے دوسری جوتی میں حفاظت کے طور پر داخل کر دیا جاتا تھا۔

(15)۔ **آخر من اسلم** سیدنا جریر کب اسلام لائے؟ سورہ مائدہ کس سن ہجری میں نازل ہوئی؟ ان دونوں سوالات کے جوابات مفتاح النجاح **مسح علی الخفین** کے ذیل میں موجود ہیں۔

(16)۔ **باب اذا لم یتم اور باب یبدی** یہ دونوں ابواب انہی کلمات کے ساتھ آگے دوبارہ موجود ہیں۔ اکثر شراح کے نزدیک ان دونوں ابواب کی یہاں اور آئندہ آمد کسی ناقل کی کرم فرمائی کے سبب ہے۔ جنہوں نے طالبانِ حدیث کو لذتِ ذکرِ حبیب سے دو مرتبہ سرفراز فرمایا ہے۔

دار العلوم عبیدیہ
اہل سنت و الجماعت علماء کرام کے قدیمی و موروثی مرکز فتویٰ و قضاء
اہل چشت مشائخ عظام (خاصے والے) کے تاریخی و مثالی منبع رشد و ہدایت
میں سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ تعلیمی و تربیتی کورسز
انگلش، عربی و عصری علوم کا حسین امتزاج
وفاقی وزارت تعلیم سے الحاق شدہ
دورۂ علوم عصریہ
سرٹیفیکیٹ ان سائنسز و ماڈرن لینگویجز
مؤلف مفتاح النجاح
صاحبزادہ مفتی محمد عبد القوی
مستند مدینہ منورہ یونیورسٹی
شہادۃ العالمیہ / ایم فل
میں تشریف لا کر
کمپیوٹر ● انگلش ● ریاضی ● معاشیات اور عربی بول چال
میں مہارت حاصل کریں اور
ماہرین علم و فن سے
اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں
دینی مدارس کے طلباء و طالبات
اور مستحق طالبان علم و فن کیلئے
داخلہ و تعلیم بالکل مفت
● وزارت تعلیم کے تعاون و مشاورت سے علمی و تحقیقی میدانوں
● عرب ممالک اور بیرونی دنیا میں روشن مستقبل
میں رزق حلال اور خدمت دین کے کثیر مواقع
● انٹرنیشنل یونیورسٹیوں سے (بذریعہ انٹرنیٹ) رابطہ اور تعلیم کے آسان مواقع
سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ کورسز کیلئے آج ہی رابطہ فرمائیں
داخلہ کمیٹی دار العلوم عبیدیہ قدیر آباد، ملتان
511871
541810